توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

جلد دوم

حضور مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری

سرپرست اعلیٰ مجلہ الحقیقہ و شیرانِ اسلام پاکستان

مکتبہ نقش لاثانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

جلد دوم

حضور مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری

سرپرستِ اعلیٰ مجلہ الحقیقہ و شیرانِ اسلام پاکستان

پبلشرز مکتبہ نقش لاثانی

محلہ نقش لاثانی نگر • شکر گڑھ

Tel: 0542 - 451734

Mob: 0300-7766223

فہرست

قسط نمبر 43 ﴿عتبہ بن ابی لہب کا انجام،قریش کیلئے دعائے عذاب،ابن قمیہ اور عتبہ بن ابی وقاص کا انجام،غزوہ خندق کے موقع پر دعا،عامر بن طفیل پر قہر کسریٰ کی ہلاکت،ایک وہم کا ازالہ،فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے ہدایت،حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کیلئے دعائے تثبیت، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے برکت،حضرت سعد بن ابی وقاص کیلئے دعائے قبولیت،حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے دعائے حکمت،حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے برکت،حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کیلئے دعا برائے نفع تجارت،حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے رحمت،حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے حکومت،حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے کثرت،حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے قوت،طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے آیت﴾	339
قسط نمبر 44 ﴿خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی دعا،قسطنطنیہ کیسے فتح ہوا،دو پتھر،قبرص فتح ہوا، کنکریوں سے حملہ،تیس ہزار کفار کو شکست،فتح بیت المقدس کی تحریری پیش گوئی،دعا سے حکومت مل گئی،والی معزول،مغلوں کا حملہ،غیاث الدین تغلق کا انجام،فیروز شاہ تغلق کا کمال،بوعلی شرف قلندر کا نامہ مبارک﴾	361

جدید دور کا قدیم آدمی

﴿ڈاکٹر ظفر اقبال نوری ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن امریکہ﴾

اس کو دیکھیں تو سادگی کا مرقع نظر آئے۔اس سے بات کریں تو لفظوں کی مٹھاس روح کی گہرائیوں تک اتر جائے۔اس سے معاملہ کریں تو وہ مہر وفا میں ہمیشہ سبقت لے جائے۔اس کے مرتبہ علم کی کھوج لگائیں تو وہ تفسیر وحدیث، شعر وادب اور فلسفہ وکلام کی معدن نکلے۔اس سے پوچھیں تو وہ طلب علم کی جستجو کا اظہار کرے۔عام زندگی میں مٹا مٹا سمٹا سمٹا اور دبا دبا دکھائی دے مگر توحید ورسالت، دین وشریعت اور تصوف وطریقت کے خلاف کوئی بات سن لے تو غیرت وحمیت اور عزیمت واستقامت کا پہاڑ بن جائے۔۔۔۔۔علوم اسلامی پر دسترس ہو۔علوم جدید پر نظر ہو۔نظم ونثر اور تحریر وتقریر میں متاثر کن مہارت ہو۔ہمہ وقت ہجوم دوستاں اس کے تعاقب میں ہو۔دست بوسی اور کفش برداری کے لئے خدام موجود ہوں۔شعراء اس سے اصلاح لیتے ہوں۔علماء اس سے مشورہ کرتے ہوں۔چھوٹے اور بڑے اس سے پیار کرتے ہوں۔مگر نہ اس کی آواز میں تکبر ہو نہ لباس میں شوخی، نہ بول چال میں تکلف ہو، نہ میل جول میں ظاہرداری۔نہ باہر رعب داب ہو نہ گھر میں ٹھاٹ باٹ ۔۔۔۔۔عام سے کپڑے کی سادہ سی سفید شلوار قمیض، سر پہ کپڑے کی ٹوپی، گھنی داڑھی کے حصار میں مطمئن اور مسرور چہرہ، تصور شیخ اور یاد محبوب میں مستغرق ادھ کھلی آنکھیں بس یہی اس کی پہچان ہو۔۔۔۔۔کبھی وہ کلاس روم میں سخت گیر استاد کی طرح لیکچر دے رہا ہو اور کبھی کلاس روم سے باہر شاگردوں کا دوست بنا انہیں حب رسول ﷺ کا درس دے رہا ہو......کبھی وہ مسجد کے منبر پر بیٹھا سامعین کو پرجلال خطبے سے نواز رہا ہو اور کبھی نیازمندوں کے جھرمٹ میں یوں جمال کی تصویر بنا بیٹھا ہو کہ استاد اور شاگرد، پیر اور مرید کی پہچان مشکل ہو......اس شخصیت سے ملاقات کا شوق جاگ اٹھے تو گورنمنٹ کالج شکر گڑھ کے صدر شعبہ اردو پروفیسر محمد حسین آسی سے مل لیجئے جدید عہد کے قدیم آدمی یہی ہیں جنہیں ایک بار مل کر دوبارہ ملنے کا اشتیاق رہتا ہے۔حضور نقش لاثانی حضرت پیر سید علی حسین شاہ علی پوری قدس سرہ النورانی سے انہیں نسبت روحانی ہے۔نگاہ مرشد نے انہیں کشتۂ عشق نبی بنا رکھا ہے اور خود اپنے آپ کو درویش کا دیوانہ بنا رکھا ہے۔عصر حاضر میں اپنے شیخ کریم سے جس قدر محبت حضرت آسی کو میسر ہے شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

26

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیکھا، آپ نے، امتِ مسلمہ کو مشرک کہنے والے اور ملتِ اسلامیہ میں انتشار کے دروازے کھولنے والے قرآن پاک سے کتنے بے نیاز ہیں حدیثِ پاک سے کتنے دور ہیں۔ تکفیر کی توپ چلا رہے ہیں اور اندھا دھند گولے برسا رہے ہیں اس سے انہیں کوئی غرض نہیں گولے کہاں گرتے ہیں اور نقصان کس کا ہو رہا ہے۔

ہمارے ایک پروفیسر صاحب تھے تجمل حسین راٹھور، جو ہمیں انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ فلسفی تھے بلکہ فلسفہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، ایک فلسفی کی زندگی جیئے اور فلسفی کی موت مرے، فرمایا کرتے تھے

A philosopher is a blind man looking for a blind cat in a dark room which is not there.

ترجمہ: فلسفی ایک اندھا آدمی ہے جو ایک اندھی بلی کی تلاش کر رہا ہے وہ بھی ایک تاریک کمرے میں اور بلی وہاں موجود

ہی نہیں ہے۔

فلسفی ایسا ہی ہوگا مگر ہمارے مشاہدے کے مطابق محبوبانِ خدا کا منکر بھی ایسا ہی اندھا ہے بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔ کسی تاریک سرنگ میں کچھ تلاش کرر ہا ہے۔ کیا تلاش کرر ہا ہے؟ خود اُسے بھی معلوم نہیں۔ توحید، توحید کا شور مچار ہا ہے مگر اسے قطعاً خبر نہیں کہ توحید کیا ہے، اس کی حدود کیا ہیں، اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کی برکات کیا ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے سوا سب کو توحید کا دشمن اور مشرک جانتا ہے۔ چونکہ اندھا ہے اس لئے نہیں جانتا کہ نادانستہ طور پر توحید کے ساتھ جو وہ سلوک کرر ہا ہے از حد بے رحمانہ و بہیمانہ ہے۔ آیئے آج اس کے اندھے پن کے کرشمے دیکھیں۔

اسی رمضان المبارک کی بات ہے، شکر گڑھ کی ایک نواحی بستی میں ایک نوجوان نے لوگوں کو سحری کیلئے بیدار کرنا چاہا تو اعلان کیا!

اٹھو روزہ دارو اور اللہ رسول ﷺ کے پیارو جنت کے حقدارو......وغیرہ وغیرہ، صبح نماز کے بعد اسی مسجد کے مولوی صاحب نے بڑے جلالی انداز میں درس قرآن دیا جس میں ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کوئی اللہ کا پیارا نہیں ہوتا اور کسی کو اللہ کا پیارا کہنا بھی شرک کی بات ہے۔

دیکھا آپ نے توحید کا نشہ۔ اپنے خدا کے بارے میں کتنا سنگدلانہ طرز فکر ہے۔ خود سوچئے کیا قرآنِ پاک اس طرز فکر کی تائید کرتا ہے، ہرگز نہیں۔ مگر جو بدبخت اللہ کے پیاروں کا ازلی دشمن ہے، اب اگر اللہ کے پیار کا بھی منکر ہو گیا ہے

تو کیا تعجب۔ معاذ اللہ سوچئے قرآن پر عمل کرنے سے بھی کوئی اللہ کا پیارا نہیں ہوتا تو قرآن کا کیا فائدہ؟ اور اطاعات وعبادات بجالانے سے بھی خدا کا پیار میسر نہیں آتا تو ان کا مقصد؟ حق یہ ہے کہ جس طرح انگریزی لڑکی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شرم وحیا کا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکتی، یوں ہی اللہ کے پیاروں کا باغی اللہ کے پیار کا معنیٰ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی سرشت ہی پیار کے منافی ہے۔ یہ 'قہر' کیلئے بنا ہے، قہر میں ڈوبا ہے، قہر میں ہے اور قہر میں رہے گا۔ پیار کی باتیں تو پیار والوں کیلئے ہوتی ہیں۔ اسے پیار سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں ہاں اس کیلئے اللہ کا قہر ہی ہے۔ سچ فرمایا مولائے غفار وقہار نے (حدیث قدسی میں)

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو مجھ سے رکھے۔
(یعنی میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھے گا، میں بھی ایسا ہی بدلہ دوں گا)

کہتے ہیں اسی قسم کا 'کامل' توحید پرست پہلے زمانے میں بھی ایک ہوا ہے جس کا نام تھا جعد بن دِرہم۔ وہ کہتا تھا خالق کو مخلوق سے اور مخلوق کو خالق سے پیار نہیں ہوسکتا کیونکہ دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اسے خالد بن عبداللہ قسوی امیر عراق ومشرق نے عین عیدالاضحیٰ کے دن ذبح کیا، ذبح سے پہلے اس نے یوں اعلان کیا

یٰاَیُّھَا النَّاسُ ضَحُّوْا تَقَبَّلَ اللّٰہُ ضَحَایَاکُمْ فَاِنَّہٗ اَنَا مُضَحٍّ
بِالْجَعْدِ بْنِ دِرْھِمٍ اَنَّہٗ زَعَمَ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَتَّخِذْ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا

ترجمہ: اے لوگو! قربانی کرو اللہ تمہاری قربانیاں قبول فرمائے

میں جعد بن درہم کی قربانی کروں گا جس نے گمان کیا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا۔

پھر کیا ہوا

ثُمَّ نَزَلَ فَذَبَحَهٗ وَكَانَ ذٰلِكَ فَتْوٰى زَمَانِهٖ مِنْ عُلَمَآءِ
الدِّيْن .... (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری)

ترجمہ: پھر امیر نے منبر سے اتر کر اسے ذبح کیا اور یہ فتویٰ تھا
اس دور کے علمائے دین کا۔

شریعت نافذ ہو تو نئے فتنوں کو یوں دبایا جاتا ہے اور اگر شریعت ہی نافذ نہ ہو تو جو جو چاہے کہے اور جس طرح چاہے دین میں رخنہ اندازی کرے، خدانخواستہ اگر حکومت ہی اسلام دشمنوں کی ہو تو اسلام کا خدا ہی حافظ۔ فتنہ پھیلانے والے کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ میں کسی علم والے سے مل کر اپنی غلط فہمی دور کرلوں (شیطان نے اسے یہ ذہن نشین کرایا ہوتا ہے کہ دورِ حاضر میں تیرے جیسا عالم کوئی اور نہیں) اسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ عام مسلمانوں کی راہ کیا ہے اور اکثریت کا عقیدہ کیا ہے، بلکہ اس کی سرکشی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ حدیث پاک بلکہ قرآن پاک سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دیکھئے قرآن پاک فرماتا ہے۔
(آیت کا آخری حصہ)

...... فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانبیاء:۷)

ترجمہ: تو (اے لوگو) علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ (کنزالایمان)

اسی قرآن پاک میں ہے

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت۔۴۳)

ترجمہ: اور یہ مثالیں ہیں جنھیں ہم لوگوں کیلئے بیان فرماتے ہیں اور انھیں نہیں سمجھتے مگر عالم۔

خود علم نہیں تو کسی اہل علم وذکر سے اپنی غلط فہمی کا ازالہ کرالو یا کسی اہل علم سے قرآن پاک کا فیصلہ معلوم کرلو۔ مگر فتنہ پرداز طبیعتیں اسے بھی گوارا نہیں کرتیں۔ پھر فیصلہ کرنے کا اور سیدھی راہ دریافت کرنے کا ایک اور طریقہ بھی قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے یعنی یہ دیکھیں امت کی اکثریت کدھر ہے، ارشاد ہوتا ہے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء)

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اسے اُسکے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری پلٹنے کی جگہ ہے

عام مسلمانوں کی یہی راہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک فرماتی ہے

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ

(مسلمانوں کی) جماعت اور عام لوگوں کے ساتھ رہو (احمد)

کسی عالم سے پوچھنا تو درکار، مسلمانوں کی عام روش کا خیال تو ایک طرف، واللہ قومی یکجہتی کو پارہ پارہ کرنے والے ایسے بدنصیب ہوتے ہیں کہ واضح روایات حدیث بلکہ قرآنی آیات مقدسہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ دیکھئے یہی شخص جعد بن درہم جس کا ذکر اوپر گزرا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہونے کا انکار کرتا رہا، اس نے حدیث پاک بلکہ قرآن پاک کی بھی پروا نہیں کی۔ قرآن پاک نے دوٹوک انداز میں اعلان فرمایا

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (النساء:۱۲۵)

ترجمہ: اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا 'خلیل' (یعنی گہرا دوست) بنایا۔

جو لفظ صراحت سے قرآن پاک میں موجود ہے، اس کا بھی انکار کرنا کتنا ظلم ہے، مگر افسوس ظالموں کو احساس تک نہیں۔ ہاں ان کو ایک ہی شوق ہے اور وہ ہے مسلمانوں کو کافر کہہ کر ان میں انتشار پھیلانے کا۔ وہابی اول علی الاطلاق یعنی محمد بن عبدالوہاب کی یہی سنت ہے۔ مورخین کہتے ہیں کہ وہ اپنے دور سے چھ سال پہلے تک کے عرصے میں کسی کو مسلمان نہیں سمجھتا تھا۔ (الدررالسنیہ)

اور برصغیر کے وہابی اول جناب مولانا محمد اسمٰعیل کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے بھی تکفیر کی مشین چلائی۔ اگر اس کے فتویٰ شرک کی 'ہمہ گیری' کو سامنے رکھیں تو اس سے کوئی محفوظ نہیں رہتا۔ اس کے شوقِ تکفیر کا یہ عالم ہے کہ نبی بخش، علی بخش، حسین بخش، پیر بخش جیسے ناموں والے مشرک، حضور انور ﷺ کو اللہ کے فضل

سے بھی حاضروناظر غیب دان شفیع سمجھنے والے سب مشرک، انبیاء واولیا سے توسل کرنے والے، انہیں پکارنے والے اللہ کی رحمت کا مظہر سمجھ کر بھی ان سے امداد مانگنے والے سب مشرک، کسی کا ختم دلانے والے، کسی کے نام کا وظیفہ کرنے والے، مدینہ شریف کے جنگل کا ادب کرنے والے، مدینہ منورہ کی طرف ادب شائستگی سے جانے والے سب مشرک، یہ تو موٹی موٹی باتیں ہیں، ان کی شرکیات کا دائرہ اس کے مقابلے میں بہت ہی وسیع ہے۔ کسی کی قبر کو چومنے والے، وہاں مورچھل جھلنے والے مشرک۔ فتوئی شرک کا جوش دیکھئے، ساری امت کو حتی کہ اپنے آپ کو بھی مشرک کہہ دیا۔ اس کی تفصیل یہ کہ حدیث پاک میں وارد ہے' دجال کے خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے کہیں بعد ایک ہوا چلے گی جس سے ایسے تمام لوگ وفات پا جائیں گے جن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا۔ ابھی دجال نکلا نہ جناب مسیح علیہ السلام آسمان سے نازل ہوئے مگر اسمٰعیل دہلوی کا شوقِ تکفیر دیکھئے۔ حدیث پاک کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''پھر بھیجے گا اللہ ایک باؤ اچھی سو جان نکال لے گی جس کے دل میں ہو گا ایک رائی دانہ بھر ایمان، سو رہ جائیں گے وہی لوگ جن میں کچھ بھلائی نہیں سو پھر جاویں گے اپنے باپ دادوں کے دین پر''

آخر میں 'ف' یعنی فائدہ بتاتے ہوئے لکھا ہے

''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا''

سوچئے، لکھنے والے نے حدیث پاک کی رو سے اس ہوا کا ذکر کر کے جو ذرا سا ایمان رکھنے والے کسی فرد کو زندہ نہیں چھوڑے گی، صاف لکھ دیا ہے کہ "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا"، گویا دنیا سے ایمان والے سب اٹھ گئے۔ جو لوگ زندہ ہیں، ان میں ایمان دار ایک بھی نہیں ہے۔ اب اس کے بعد اسمعیل اپنا اور اپنی جماعت کا مومن ہونا کیونکر ثابت کرے گا

؎ میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

الحمد للہ وہ ہوا ابھی نہیں چلی جو ایمانداروں کی وفات کا سبب بنے گی، مگر اسمٰعیل جس نے چلنے کا اقرار کیا اور وہ لوگ جو تقویۃ الایمان پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں فتویٰ کفر سے کیونکر بچیں گے۔ اسمٰعیل نے جب یہ کتاب لکھی، زندہ تھا اور اس کے خیال میں ہوا کے چلنے کے بعد کوئی مومن زندہ نہیں رہے گا، تو ظاہر اپنے اقرار کے مطابق دائرہ ایمان سے خارج ہو گیا، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ میں تصریح ہے کہ جو اپنے آپ کو کافر کہے وہ کافر ہو جاتا ہے، اس پر اس کا وبال اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس نے ساری امت کو کافر بنا دیا، شفا شریف میں ہے 'جو ایسی بات کہے جس سے تمام امت کو گمراہ ٹھہرانے کی راہ نکلے، اس کے کفر میں شبہ نہیں'

(اطیب البیان)

غور کیجئے کیا یہ محبوبان خدا ہی کی بے ادبی، ان کے کمالات کے انکار اور امت مسلمہ کی تکفیر کا ہی بدلہ تو نہیں کہ سب کو مشرک کہتے کہتے آخر اپنے آپ کو بھی

بے ایمان کہہ گیا۔واقعی خدا کی لاٹھی بے آواز ہے اور اس کے انتقام لینے کے انداز بالکل انوکھے ہیں۔حدیث بخاری میں آپ پڑھ چکے

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

ترجمہ: جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے، میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔

جو شخص اللہ کے کسی ایک ولی کا دشمن ہو، اللہ اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور مشہور وہابی مولوی عبدالجبار غزنوی کے مطابق اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے، جو سب ولیوں کا دشمن ہو، اس کا حال کیا ہوگا بلکہ جو سب نبیوں کا بھی گستاخ و باغی ہو اس کا انجام کتنا ہولناک اور عبرت ناک ہونا چاہئے۔

تفویت الایمان کا غور سے مطالعہ کریں تو کئی دردناک لطائف سامنے آتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے اپنے محبوبوں کو عظمتیں دینے والے اللہ نے ان کے گستاخ کا ایمان ہی نہیں، عقل بھی سلب کر لی ہے، چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

ا......وہ اللہ کریم جس کی توحید کا شور مچا کر ہر موحد کو مشرک بنانا مقصدِ حیات ٹھہرایا، اسی کی شان اسمٰعیل صاحب کی زبان سے سنئے

''غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجئے، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے''

معاذ اللہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو بھی غیب کا علم ہر وقت نہیں ہوتا، بلکہ جب چاہتا ہے، غیب کا حال دریافت کر لیتا ہے۔یعنی معاذ اللہ جب چاہے جاہل

ہو، جب چاہے عالم۔ یہ صریحاً کفر ہے۔ اللہ پاک اس سے بالاتر ہے کہ کسی وقت بھی اس کا علم یا کوئی اور وصف اس سے جدا ہو سکے۔

۲......تفویت الایمان میں علم کے بارے میں فرماتے ہیں

''پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے''۔

اگر انبیاء و اولیاء علیہم السلام والرضوان کے علم کو خداداد مان کر بھی شرک ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا علم بھی کسی کا دیا ہوا ہے کیونکہ خود مصنف نے چند سطروں کے فاصلے پر شرک کی تعریف یوں کی ہے یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا۔......(تفویت الایمان)

۳......اسی تفویت الایمان میں ہے

''اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا محض شرک ہے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے یا یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا''

غور فرمایئے کسی کیلئے اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا شرک ہے۔ اب اگر کسی میں اللہ کا بخشا ہوا تصرف ماننے سے بھی شرک لازم آئے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کا اپنا تصرف بھی ذاتی نہیں بلکہ کسی اور کا دیا ہوا ہے، اور اللہ کے بارے میں یہ تصور ہی قطعاً مشرکانہ ہے۔ دیکھا دوسروں کو مشرک کہنے والا خود کس ''قعرِ شرک'' میں کود رہا ہے۔

۴......اولیاءاللہ کی قبور کی تعظیم سے روکنے کیلئے فرماتے ہیں۔

''ان کی قبر کو بوسہ دیوے، مورچھل جھلے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دے......اس کو اشراک فی العبادت کہتے ہیں یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی کی کرنی''

معاذ اللہ معاذ اللہ اگر اولیاء اللہ کی قبر کو بوسہ دینا وہاں مورچھل جھلنا اس پر شامیانہ کھڑا کرنا یا اس کی چوکھٹ کو بوسہ دینا اللہ کی سی تعظیم ہے اور اللہ نے یہ سارے کام اگر اپنی تعظیم کیلئے خاص کر لئے ہیں جیسا کہ اسمٰعیل کو زعم ہے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ اللہ کی بھی کوئی قبر ہے جس کا بوسہ لینا توحید کی ضمانت وعلامت ہے، جہاں مورچھل جھلایا جاسکتا ہے، اور جس کی چوکھٹ بھی ہے......معاذ اللہ یہ ہے اسمٰعیل پر اس کی شیطانی توحید کا وبال۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

27

تبرکات کی کچھ اہمیت ہے یا نہیں یا ہر قاصد ہی جان ہے
تمام دنیاوی بات گزرتے شی کہ وہ ضالات بدبوئی نفع نہیں قرآن کہتا ہے
ان کے تبرک دینی و دنیوی دافع اسلام کا حق رہ مسئلہ بتائیں
جہاں جہاں ان کے قدم لگے وہ مقامات بھی چاند لا دیتے ہیں شعائر آسمی نے
ان کی زیارت سفر سے گناہ معاف تو جہاں وہ خود آرام فرما ہیں
ان کا کیا کہنا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمت کہاں: قبور کی تعظیم کی بات چل نکلی ہے۔ تو محبوبانِ خدا کے دشمن ان کی قبور کے بھی دشمن ہیں گویا اللہ والوں سے ان کا بغض ان کی حیات ظاہری میں کم ہوتا ہے، نہ وصال کے بعد ان کا دل ان سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں جلوہ گر ہوں تو ان کے درباروں سے روکیں اور قبور میں آرام فرما ہوں تو ان کے مزاروں سے روکیں۔ ان کی بدبختی دیکھئے قرآن پاک کی صریح آیات اور واضح ارشادات کو بھی ان کی نظر نہیں دیکھتی۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے:

اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ O (الاعراف:۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے

محسنین جہاں بھی ہوں، سفر میں ہوں کہ حضر میں، بستی میں ہوں کہ ویرانے میں، شہر میں ہوں کہ صحرا میں، بر میں ہوں کہ بحر میں، دنیا میں ہوں کہ قبر میں خدا کی رحمت ان کے قریب ہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت مطلوب ہے تو ان

کی طرف آیئے، ان کے در پر حاضری دیجئے، ان کا قرب اختیار کیجئے، پھر آپ کو محسوس ہو جائے گا پروردگار کی رحمت کتنی قریب ہے۔

شعائر اللہ: پھر یوں بھی دیکھئے، حضرت سیدہ ہاجرہ علیہا السلام ممتا کی ماری پانی کی تلاش میں یعنی اپنے کام کیلئے پھر رہی ہیں اور صفا و مروہ کی جو پہاڑیاں ان کے قدم چوم رہی ہیں ان کو شعائر اللہ میں داخل کیا جا رہا ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں۔ (کنزالایمان)

غور فرمایا آپ نے اگر صفا و مروہ محض ایک اللہ کی بندی کے قدم چومنے کی بنا پر اللہ کے نشانوں میں شامل کر لی گئیں تو وہ مزارات جہاں اللہ کے بندے پورے کے پورے (جسم کے ساتھ) سکونت فرما ہیں، وہ شعائر اللہ میں کیوں داخل نہیں۔ الٹی کھوپڑی والا کوئی کم نظر نادان اس کا انکار کرے تو کرے ورنہ بات بالکل واضح ہے۔ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ (الواقعہ:۷۵)

ترجمہ: تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں۔

یہاں مواقع النجوم یعنی ستاروں کے ڈوبنے کی جگہوں سے مراد بعض بلند پایہ مفسرین کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اولیاء کرام کے مزارات بھی ہیں۔ چنانچہ مشہور مفسر علامہ محمد اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں

انسی

ان مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم یقتدی بها فی ظلمات البر والبحر فاذا انطمست النجوم او شک ان تضل الهداة

ترمذی 128 موت العالم مصیبة لا تجبر وثلمة لا تسد وهو نجم طمس موت قبیلة ایسر من موت عالم 129

وقیل النجوم الصحا بة والعلماء الها دون و مواقعهم القبور

(تفسیر روح البیان)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ یہاں ستاروں سے مراد صحابہ اور ہدایت دینے والے علماء ہیں اور ان کے ڈوبنے کی جگہیں ان کی قبریں ہیں۔

تعظیم قبور: جب یہ شعائر اللہ ہیں تو پھر ان کی تعظیم کا حکم بھی قرآن پاک ہی دے رہا ہے۔ اور اسے ظاہر کا نہیں، دل کا تقویٰ قرار دے رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○

(الحج.....۳۲)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

یہ تو اللہ کی بارگاہ کے مقربین اور محبوبین کے مزارات ہیں۔ ان کی عظمت شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے، یہاں تو قربانی کے جانوروں اور ان کے گلے میں پڑنے والے قلادوں کو شعائر اللہ میں داخل کر کے ان کی تعظیم کا حکم دیا جا رہا ہے، ایسا حکم جس کی تعمیل سے پتا چل جاتا ہے کہ کس کے دل میں تقوی ہے اور تعمیل نہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابھی اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ بنظر ظاہر بھیڑ بکری ایک عام سا جانور ہے، اشرف المخلوق کو ایسے حقیر سے جانور کے ادب واحترام کا حکم دیا جائے تو کتنا عجیب لگتا ہے مگر اس حقیر جانور کو جب کسی حاجی نے حج پر لے

جا کر خدا کے نام پر قربان کرنے کیلئے خریدا اور علامتی طور پر اس کے گلے میں کوئی ہار وغیرہ ڈالا تو جانور جانور ہو کر بھی حقیر رہا نہ اس کے گلے کا ہار ہی۔ اب ان کا ادب کرنا ہوگا اور اشرف المخلوق کو کرنا ہوگا، اگر خدانخواستہ اسے ان چیزوں کا ادب ملحوظ نہیں تو تقوے سے خالی ہے۔ پھر یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ جو تقوی کے جس درجے پر فائز ہے، اتنا ہی اللہ کے حضور عزت والا ہے۔ اب جو تقویٰ سے خالی ہے اللہ کے ہاں وہ عزت سے بھی بالکل محروم ہے۔ سنئے قرآن پاک کا اٹل فیصلہ ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (کنزالایمان)

ادب رسالت: حضور پرنور ﷺ کے غلاموں کے (قربانی کے) جانوروں اور ان کے گلے کے ہاروں کی یہ قدر و قیمت ہے۔ کہ ان کا ادب تقویٰ کی علامت ہے تو پھر حضور پرنور ﷺ کے خاص غلاموں اور ان کے مزارات کی کیا شان ہو گی۔ اور پھر خود آگے بڑھتے جائیے حضور ﷺ کی اپنی عظمت کا اندازہ کس کے بس میں ہے اور اس عظمت کو تسلیم کر کے ادب و تعظیم بجالانے والے کا کیا اجر و ثواب ہوگا۔ چنانچہ وہ شخص سب سے زیادہ خوش نصیب ہے جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب کی دولت میسر ہے، یقیناً اسی کیلئے بخشش اور اجر عظیم ہونا چاہیے۔ دیکھئے اس سلسلے میں قرآن پاک کی وضاحت

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝

(الحجرات ۳)

ترجمہ: بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کیلئے پرکھ لیا ہے، ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

'مغفرت' اور 'اجر عظیم' سے لھم کا پہلے آنا علماء کی زبان میں حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی بخشش اور اجر عظیم انھیں کیلئے ہے جو حضور ﷺ کا ادب بجالاتے ہوئے آپ کی بارگاہ بیکس پناہ میں اپنی آوازیں بلند نہیں کرتے ان کے برعکس وہ لوگ جو حجروں سے باہر کھڑے ہو کر حضور ﷺ کو پکارتے ہیں، گستاخی ہی کے مرتکب نہیں ہوتے عقل سے بھی پیدل ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے، بے عقلی اور بے ادبی لازم وملزوم ہیں۔

عام مسلمانوں کی قبریں: بات چلی تھی مقربین ومحبوبین کی قبروں کی تعظیم سے کہ وہ شعائر اللہ میں شامل ہیں لہذا قابل تعظیم ہیں۔ آئیے احادیث مقدسہ کی روشنی میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں، خواص تو ایک طرف رہے، عام مسلمانوں کی قبروں کے بارے میں کیا ہدایات ہیں۔

ا............حضور پرنور ﷺ نے فرمایا!

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ لِلْاٰخِرَةِ (ابن ماجہ۔مشکوۃ)

ترجمہ: میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ (عمل) دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد دلانے کا سبب ہوتا ہے

۲............حضور پرنور ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَلَهٗ وَكُتِبَ بَرًّا (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: جو شخص جمعہ کے دن والدین کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اس کا نام نیکو کاروں میں لکھا جاتا ہے۔

۳......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور پرنور ﷺ مدینہ منورہ کے قبرستان کے پاس سے گزرے تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ (الترمذی)

ترجمہ: اے قبر والو اللہ تعالیٰ ہماری اور تمھاری مغفرت فرمائے تم ہم پر سبقت کر گئے ہم بعد میں آنے والوں میں سے ہیں۔

۴..........حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبرستان کی حاضری کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا کہ جب تم قبرستان میں جاؤ تو یہ کلمات کہو۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ (مسلم)

ترجمہ: اس بستی کے مسلمان اور مومن رہنے والو۔ تم پر سلامتی ہو، بیشک اللہ نے چاہا تو ہم بھی عنقریب تم سے ملاقات کرنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے عافیت کے طالب ہیں۔

۵..........حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ زیارت قبور کے وقت کیا کہوں تو فرمایا

قُوْلِىْ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ (مسلم)

ترجمہ: (اے عائشہ یوں کہا کر) بستی کے مسلمان اور مومن رہنے والوں کو سلام۔ اللہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے

اور (اے اہل قبور) ہم عنقریب تم سے ملاقات کرنیوالے ہیں

۶..........حضور پرنور ﷺ نے فرمایا۔

لَاَنْ یَّجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جَمْرَۃٍ فَتُحْرِقَ ثِیَابَہٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ (مسلم)

ترجمہ: تم میں سے اگر کوئی انگارے پر بیٹھے اور وہ اس کے کپڑوں کو جلا کر جلد تک پہنچ جائے تو یہ اس کیلئے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

۷.....ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا

لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا (مسلم)

ترجمہ: قبروں پر نہ بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو

۸..........حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ ''جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کو مٹی دے چکو تو تم میں ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے 'یا فلاں بن فلانہ' وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا۔ پھر کہے 'یا فلاں بن فلانہ' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا۔ پھر کہے 'یا فلاں بن فلانہ' وہ کہے گا ہمیں ارشاد کر، اللہ تجھ پر رحم فرمائے، مگر تمھیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر کہے

اُذْکُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا شَھَادَۃَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَّکَ رَضِیْتَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی

اللّٰہُ تعالٰی علیہ وسلّم نبیًّا وّ بالقرآن اِمامًا

نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے، چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے"۔ اس پر کسی نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، فرمایا، حوا کی طرف نسبت کرے۔ اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں اور ضیا نے احکام میں اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ بعض اجلہ ائمہ تابعین فرماتے ہیں جب قبر پر مٹی برابر کر چکیں اور لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا کہ میت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا جائے یا فلاں بن فلاں قل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تین بار۔ پھر کہا جائے قُل رَّبِّیَ اللّٰہُ وَدِیْنِیَ الاسلام و نَبِیِّ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم (بہارشریعت حصہ چہارم)

مسئلہ: قبر پر بیٹھنا، سونا، چلنا پاخانہ و پیشاب کرنا حرام ہے۔ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا اس سے گزرنا ناجائز ہے خواہ نیا ہونا اسے معلوم ہو یا اس کا گمان ہو۔ (عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: اپنے کسی رشتہ دار کی قبر تک جانا چاہتا ہے مگر قبروں پر گزرنا پڑے گا تو وہاں تک جانا منع ہے، دور ہی سے فاتحہ پڑھ دے۔ قبرستان میں جوتیاں پہن کر نہ جائے۔ ایک شخص کو حضور اقدس ﷺ نے جوتے پہنے دیکھا تو فرمایا جوتے اتار دے۔ نہ قبر والے کو تو ایذا دے نہ وہ تجھے۔ (بہارشریعت حصہ چہارم)

ایذا کی صورتیں: آپ نے ملاحظہ فرمایا کتاب وسنت کی روشنی میں قبور کی

حیثیت کو۔ ان کا ادب سکھایا گیا ہے اور بے ادبی سے روکا گیا ہے۔ بلکہ یہ ارشاد نبوی کہ ''تو قبر والے کو ایذا نہ دے اور وہ تجھے نہ دے''۔ کتنا معنیٰ خیز ہے۔ قبر والے گویا سنتے ہی نہیں اور صرف جواب ہی نہیں دیتے، یہ بھی امکان ہے کہ کسی کو ایذا بھی دے سکیں۔ جہاں تک ایذا دینے کی بات ہے، اس کی دو صورتیں ہی سمجھ میں آتی ہیں ایک یہ قدرت نے انھیں ایذا دینے کی طاقت بخشی ہے، دوسری یہ کہ حق سے اس طرح دعا کریں جس طرح مظلوم ظالم کے خلاف کرتا ہے اور اس دعا کی اہمیت یہ ہے کہ حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مظلوم کی دعا کو یقینی طور پر قبول ہونے والی دعاؤں میں داخل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف)

حق یہ ہے کہ ایذا دینے کی کوئی بھی صورت ہو تو خطرے سے خالی نہیں۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مردوں کے سننے کی اور سمجھنے کی وضاحت ہو چکی تو بد دعا کا مسئلہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے (بلکہ جہاں وہ کسی کو بد دعا دیتے ہیں، تو کسی کو دعا بھی ضرور دیتے ہوں گے۔ اور اگر ان کی بد دعا قبول ہے تو دعا کے قبول ہونے میں کیا شبہ رہ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا اہل قبور دعا بھی دیتے ہیں اور بد دعا بھی اور ان کی دعا بھی قبول ہوتی ہے بد دعا بھی۔ غور فرمایئے کیا اسی سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ اولیاء کرام علیہم الرضوان کے مزارارت کی تعظیم کرنے والوں سے وہ مقدس ہستیاں خوش ہو جاتی ہیں اور ان کے حق میں دعائیں کرتی ہیں۔ بے ادبی کرنے والے ان سے بد دعائیں لیتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ پھر اس مارے جانے کی یہ صورت

تو بالکل ظاہر ہے کہ دنیا کا نقصان ہو جائے اولاد مر جائے ۔ یا مال تباہ و برباد ہو جائے مگر اس سے بھی زیادہ خطرناک یہ صورت ہے کہ ظاہر میں تو تباہی و بربادی نظر نہ آئے، البتہ ایمان سلب ہو جائے ۔ یقیناً دنیا کے عذاب سے دین کا یا آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور عموماً محبوبانِ خدا کے گستاخوں کو یہی سزا ملتی ہے کہ ان کا ایمان سلب ہو جاتا ہے، عقل ماری جاتی ہے۔ احساس زیاں جاتا رہتا ہے اور یوں انھیں توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی دیکھنے والوں کو تو ان کا نقصان نظر نہیں آتا مگر اہل نظر کے نزدیک ان کی حالت سخت عبرتناک ہوتی ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے جنت البقیع میں اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین کے مزارات کو مسمار کیا، سوچئے ان کا کیا حال ہونا چاہئے۔ عقل و ایمان کے سلب ہونے کی یہ صورت کتنی ہیبت ناک ہے کہ مزارات کے دشمنوں نے بعض مساجد پر بھی ہاتھ صاف کیا اور صدیوں سے بنی ہوئی مساجد پر بل ڈوزر پھیرتے ہوئے انھیں ذرہ بھر احساس نہیں ہوا۔ خداوند قہار و جبار نے منافقوں کے دلوں پر مہر لگانے کی جو بات کی اور اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْن (تمھیں شعور تک نہیں ہوگا) کی جو وعید سنائی تھی، کیا یہ اسی کا ظہور نہیں ہے۔ آج ہندوستان میں بابری مسجد کو جسے بابر بادشاہ نے تعمیر کیا تھا شہید کیا جائے تو ملت اسلامیہ سراپا احتجاج بن جاتی ہے، حرمین شریفین میں جو اسلام کے عظیم ترین مرکز ہیں وہاں صحابہ و تابعین کی مساجد کو بے دریغ شہید کیا جائے، پھر شہید کرنے والے ہندو، سکھ، یہودی یا عیسائی نہیں بلکہ خود کو مسلمان اور

موحد کہتے ہوں تو ایمان و عقل ضائع ہونے کے سوا اسے کیا کہا جا سکتا ہے۔ مزارات سے تو ایمان و عقل کے دشمنوں کے نزدیک شرک پھیلتا ہے مساجد سے کیا پھیلتا ہے۔ میں اپنے پیرومرشد محسن و مربی حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی معیت میں ۱۹۷۶ء میں حج وزیارت کیلئے گیا تو مکہ معظّمہ کے کوہ بوقبیس پر ایک مسجد تھی جسے مسجد ہلال یا مسجد بلال کہا جاتا ہے ۲۰۰۰ء میں گیا تو اسے مسمار کر کے وہاں بادشاہوں نے اپنا ایوان تعمیر کر لیا تھا۔ اب کون ان سے پوچھے، اے شرک فروشو کیا خدا کا گھر ڈھا کر اپنا گھر بنانا بھی خدا سے مقابلہ ہے یا نہیں اور ایسا کرنے والو! تمھیں خدا کے غضب سے کون بچا سکتا ہے؟ اگر عقل و ایمان سلب نہ ہوتی تو تم ایسی جرات کیونکر کرتے، یقیناً تم پر عذاب کی گرفت بہت سخت ہے کہ ان حرکتوں پر بھی تمھیں توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ یاد رکھو خدا کے گھر کی جگہ اپنا گھر بنایا جائے تو وہ ریت کے گھر سے بھی زیادہ کمزور ہوگا، مگر جس کی عقل ماری گئی ہو اور ایمان ضائع ہو چکا ہو، اسے کون سمجھائے۔

اہل قبور کے تصرفات: اب آیئے پہلی صورت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خصوصی طاقتوں سے نوازا ہوتا ہے لہذا ان خداداد تصرفات سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ بظاہر یہ 'مردہ' ہیں اس لئے کہ قبر میں ہیں مگر اصل میں 'زندہ' ہیں بلکہ 'زندگی' کا بہت بڑا مرکز ہیں۔ ذرا سوچئے یہ حدیث قدسی جو آپ نے بارہا سنی اور زیر نظر مضمون میں بھی دیکھی ہوگی۔ ایک طویل حدیث قدسی کا مختصر سا اقتباس ہے

وَ مَا يَزَالُ عَبْدِىْ يَتَقَرَّبُ اِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ

37

فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَ یَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ الخ (بخاری)

ترجمہ: اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے عطا کرتا ہوں۔

شارحین نے فرمایا ہے کہ اللہ کا نورجلال کان میں آجائے تو وہ نزدیک و دور کی آوازیں سن لیتا ہے (یہی نورجلال) آنکھوں میں آجائے تو قریب و دور کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے، (یہی نورجلال) ہاتھ میں آجائے تو قریب دور تک تصرف کر سکتا ہے۔ (تفسیر کبیر علامہ رازی علیہ الرحمہ)

خیال فرمایئے ایک شخص قرب خداوندی کے اس مقام پر فائز ہے تو کیا وصال کے بعد یہ قرب ختم ہو جائے گا۔ جس طرح مرنے سے ایمان نہیں مرتا، اسی لئے اوپر احادیث مقدسہ میں گزرا کہ قبر والوں کو سلام یوں کرنا ہے۔

37

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ.....

یعنی اس بستی (قبرستان) کے رہنے والے مومنو! تم پر سلام ہو۔ ظاہر ہے ایمان باقی ہے تو اس کا اعلیٰ درجہ یعنی قرب کیوں باقی نہیں اور اگر قرب والا قرب والا ہے تو اللہ کا نور جلال اس کے کان میں بھی ہے، آنکھ میں بھی، ہاتھ میں بھی ہے، پاؤں میں بھی۔ اگر اللہ کا نور جلال موت کی زد میں نہیں آ سکتا تو جس مرد مومن میں اس کی جلوہ گری ہے، اس پر بھی معروف معنیٰ میں موت کب وارد ہو سکتی ہے۔ ہاں ہاں اللہ کا نور جلال ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی ہے، بندۂ مقرب بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی ہے۔ جب روح سے سننے والا مسلمان ہو یا کافر، قبر میں سنتا ہے، زائرین کو پہچانتا ہے بلکہ جوتوں کی آواز بھی محسوس کرتا ہے، تو نور جلال سے سننے اور دیکھنے والے کی قوتوں کا کیا کہنا۔ تفصیل دیکھنا ہو تو شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ القبور از علامہ محدث اعظم عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی میں دیکھئے۔ اس کتاب سے ایک دو واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

<u>چند واقعات</u>: ۱......ابو شیخ ابن حبان نے "کتاب الوصایا" میں اور حاکم نے 'مستدرک' میں اور بیہقی نے 'دلائل' میں عطا خراسانی سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں:

> "مجھے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے بتایا کہ
> جنگ یمامہ میں ثابت شہید ہو گئے۔ ان پر ایک نفیس چادر تھی
> ایک مسلمان نے وہ اٹھالی۔ ایک مسلمان سو رہا تھا، ثابت

خواب میں اس کو نظر آئے اور چادر کا حال بتایا نیز یہ بیان کر دیا جو شخص چادر لے گیا ہے، اس کا خیمہ بالکل آخر میں ہے اور اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس شخص نے چادر پر ہنڈیا ڈھک دی ہے اور ہنڈیا پر کجاوہ رکھ دیا ہے۔ تو تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میری چادر لے لیں اور جب آپ مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں، تو ان سے عرض کرنا کہ مجھ پر فلاں حضرات کا اتنا قرض ہے۔ چنانچہ اس شخص نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ سارا ماجرا کہہ سنایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی وصیت پوری کی''

۲......ابن ابی الدنیا اور ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں اپنی سند کے ساتھ روایت کی کہ

''صعب رضی اللہ عنہ بن جثامہ اور عوف رضی اللہ عنہ بن مالک آپس میں ایک دوسرے کے منہ بولے بھائی تھے تو صعب نے کہا اے بھائی! ہم میں سے جو پہلے انتقال کر جائے وہ دوسرے کے خواب میں آئے عوف نے کہا کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ صعب بولے ہاں یہ ممکن ہے۔ چنانچہ صعب کا

انتقال ہو گیا۔ اور ان کو عوف نے خواب میں دیکھا تو حال دریافت کیا جواب دیا کچھ تکلیف کے بعد میرے رب نے مجھے بخش دیا۔ عوف نے ان کی گردن میں ایک سیاہ چمکیلی پٹی دیکھی تو اس کی بابت پوچھی تو بولے یہ وہ دس دینار ہیں جو میں نے ایک یہودی سے قرض لئے تھے، وہ آج میرے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیئے گئے ہیں، آپ انہیں ادا کر دیں تو اچھا ہے۔ علاوہ ازیں میرے گھر والوں کے جتنے واقعات ہوئے اور ہوتے ہیں، سب مجھے بتائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ چند روز قبل جو میری بلی مری تھی، اس کی اطلاع بھی مجھے مل گئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میری بیٹی چھ روز بعد مر جائے گی اسے اچھی طرح رکھیں اور اچھا برتاؤ کریں۔ عوف صبح ہوتے صعب کے گھر گئے تو ایک برتن میں دس دینار پائے اور انھیں لے کر یہودی کے پاس پہنچے تو اس سے پوچھا صعب پر تمھارا قرض ہے؟ بولا دس دینار تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے بہترین صحابی تھے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ میں نے دینار اسے دیئے، تو بولا 'یہ تو وہی دینار ہیں جو میں نے دیئے تھے'۔ پھر میں نے ان کے گھر والوں سے پوچھا کیا صعب کے انتقال

کے بعد آپ کے ہاں کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے تو انھوں نے تازہ واقعات میں بلی کے مرنے کا ذکر بھی کیا، پھر میں نے پوچھا 'میری بھتیجی کہاں ہے'۔ انھوں نے کہا 'کھیل رہی ہے' میں نے چھو کر دیکھا تو وہ بخار میں مبتلا تھی۔ میں نے ان لوگوں سے کہا 'اس کا خوب خیال رکھنا، پھر وہ چھ روز کے بعد مرگئی''۔

۳........ ابن ابی الدنیا نے اپنی سند سے ابو عبداللہ شامی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں۔

''ہم رومیوں سے جنگ کیلئے نکلے تو ہماری جماعت کے لوگ دشمن کے تعاقب میں چل دیئے۔ اتفاقاً دو آدمی جماعت سے بچھڑ گئے۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ ہمیں رومیوں کا ایک سردار ملا اور اس نے ہمیں دعوت جنگ دی۔ تھوڑی دیر ہم لڑے تو ایک ساتھی قتل ہو گیا تو میں بھاگ کھڑا ہوا اور اپنی جماعت کو ڈھونڈنے لگا۔ راستے میں مجھ کو میرے نفس نے ملامت کی کہ ساتھی تو تجھ سے پہلے ہی جنت میں پہنچ گیا اور تو بھاگتا پھرتا ہے۔ چنانچہ میں واپس آیا اور اس شخص سے دوبارہ لڑنے لگا، اس دوران اس نے ایسی چوٹ ماری کہ میں گر گیا۔ وہ میرے سینے پر بیٹھ گیا اور کسی چیز سے قتل کرنے

والا ہی تھا کہ میرے شہید ساتھی نے آ کر اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اس کے قتل پر میری مدد کی چنانچہ ہم نے مل کر اس کو قتل کر دیا۔ پھر وہ میرے ساتھ درخت تک چلتا رہا۔ پھر گر گیا اور حسب سابق مقتول ہو گیا۔ شرح الصدور میں ایسے بیشمار واقعات ہیں جس سے قبر والوں کی زندگی کے شواہد ملتے ہیں، اس کتاب کی صرف فہرست ہی دیکھ لی جائے تو برزخ کی دنیا اپنی رونقوں اور رعنائیوں کے ساتھ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ مثلاً ایک باب کا عنوان ہے۔ بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ وَعِلْمِ الْمَوْتٰى بزوارهم ورُؤْيَتِهِمْ لَهُمْ یعنی قبور کی زیارت اور مردوں کا اپنے زائرین کو جاننے اور دیکھنے کا باب آج سے کئی صدیاں پہلے کے ایک عظیم محدث کے قلم سے یہ لکھی ہوئی کتاب موجودہ دور کے بہت سے فرقہ وارانہ اختلاف کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ پھر محدث بھی کوئی عام محدث نہیں بلکہ جسے بجا طور پر اپنے دور کا محدث اعظم، کہا جا سکتا ہے جس نے بارہا خود حضور سرور کون و مکاں ﷺ کی بیداری میں زیارت کی اور جس کی تحقیق مقبول بھی ہے اور اہل اسلام کا عظیم سرمایہ بھی۔ انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے، اسلام

کے برزخی عقائد کی ترجمانی ہے۔اس کے چند ابواب کے

صرف عنوانات کی سیر کر لیجئے۔(ساٹھ ابواب میں سے بعض

حسب ذیل ہیں)

باب۱۰............اللہ سے حسن ظن اور خوف کا بیان

باب۱۸............مرنے والے کی روح سے دوسری ارواح کی ملاقات

باب۱۹............میت کو غسل اور کفن دینے والے کو پہچاننا نیز اپنے بارے میں کی جانے والی باتوں کا سننا

باب۲۸............بعض اشخاص سے سوال قبر نہ ہوگا

باب۳۹............قبروں میں مردوں کے حالات

باب۴۷............نیند میں زندوں اور مردوں کی ارواح کی ملاقات

باب۵۰............مردے کو برا بھلا کہنے کی ممانعت اور مردوں کو زندوں کی ایذا رسانی کا علم

باب۵۴............میت کو قبر میں نفع دینے والی اشیاء کا ذکر

باب۵۸............ان اعمال کا ذکر جو موت کے بعد جلد ہی جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

28

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا ایک عظیم معجزہ یہ ہے کہ اس نے عالم غیب، عالم برزخ اور عالم آخرت اور وہاں کے حالات کا تعارف کرایا۔ مرنے کے بعد جینا یقیناً عقل ظاہرین کے نزدیک ناممکن ہے اور حضور پرنور ﷺ نیز حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل کے انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی آخرت کا عقیدہ پیش کیا تو کفار نے اسے خلاف عقل سمجھتے ہوئے انکار کردیا، قرآن حکیم میں پہلے کفار کا تذکرہ بھی موجود ہے اور جو کفار نزول قرآن پاک کے زمانے میں اس عقیدۂ آخرت پر اعتراض کرتے تھے، ان کا اور ان کے اعتراضات کا ذکر اور جواب بھی اس کتاب حکیم میں مذکورو موجود ہے۔ مثلاً سورۂ یٰسین کے آخری رکوع میں ہے (عاص بن وائل، ابو جہل یا ابی بن خلف ایک ٹوٹی پھوٹی ہڈی لے کر بارگاہ رسالت میں مناظرہ کیلئے آیا تھا۔ تو سورہ یٰسین کی یہ آیات نازل ہوئیں

اَوَلَمْ یَرَ الانسان.......... تااختتام سورۃ (۷۷تا۸۳)

ترجمہ: اور کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند

سے بنایا، جبھی وہ صریح جھگڑالو ہے، (۷۷) اور ہمارے لئے
کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا، بولا ایسا کون ہے کہ
ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں (۷۸) تم فرماؤ
انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انھیں بنایا اور اسے ہر
پیدائش کا علم ہے (۷۹) جس نے تمہارے لئے ہرے پیڑ میں
سے آگ پیدا کی، جبھی تم اس سے سلگاتے ہو (۸۰) اور کیا وہ
جس نے آسمان اور زمین بنائے، ان جیسے اور نہیں بنا سکتا، کیوں
نہیں اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جانتا اس کا کام تو
یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً
ہو جاتی ہے (۸۲) تو پاکی ہے اسے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا
قبضہ ہے اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے (۸۳)

بہر حال کفار عرب بھی پہلے زمانے کے کافروں کی طرح اسے خلاف عقل اور ناممکن تصور کرتے تھے چنانچہ دور جاہلیت کا ایک شاعر اپنی محبوبہ ام عمرو سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

حیاۃٌ ثم مَوْتٌ ثم بَعْثٌ
حَدِیْثُ خُرَافَۃٍ یَا اُمَّ عَمْرٍو

ترجمہ: یعنی زندگی پھر موت اور پھر (دوبارہ) اٹھنا، اے عمرو کی ماں محض فضول اور بکواس ہے۔

الغرض جس عقیدے کو وہ انتہائی بودا اور غیر معقول سمجھتے تھے، اسلام کا انقلاب آیا تو ان کا یقین اس پر اس قدر پختہ ہو گیا، گویا وہ جیتی جاگتی آنکھوں سے میدان محشر کو دیکھ رہے ہیں، اپنے اعمال تلوا رہے ہوں، حوض کوثر سے شربت پی رہے ہوں، اہل جنت، جنت کی طرف جارہے ہوں گے اور دوزخی دوزخ کو ہانکے جارہے ہوں گے اور پھر یہ کہ جنتی نعیم جنت سے لطف اندوز ہورہے ہیں اور دوزخی دوزخ کے گوناگوں عذابوں سے تڑپ رہے ہوں۔ اسلام نے یہ عقیدہ ذہن نشین کرانے کیلئے عقلی دلائل بھی دیئے، ان کے عقلی دلائل کا عقلی جواب بھی دیا اور کبھی عملی طور پر ایسے واقعات بھی رونما کئے گئے جن سے مومن عین الیقین تک پہنچ جاتا تھا اور منکر ایمان لے آتا تھا، مثلاً اصحاب کہف کا واقعہ جو قرآن پاک میں بیان ہوا ہے، اپنے دور کے کافروں کیلئے جو کسی قیمت پر بھی موت کے بعد دوبارہ زندگی کا عقیدہ قبول کرنے کو تیار نہیں تھے، بہت بڑا عملی ثبوت بن گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا اور یونہی بعض اولیاء کا مردے زندہ کرنا بھی دراصل عقل زدہ فلسفیوں کو خاموش کرنے کیلئے تھا۔ بلکہ معجزات وکرامات کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات وصفات پر یقین وایمان پختہ ہو جائے اور عقل کی پھیلائی ہوئی تاریکیاں چھٹ جائیں۔

آیات واحادیث مقدسہ پر ایمان ہو تو اس میں کوئی شک نہیں رہتا ہے کہ اہل قبور کو سلام کہنے کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ اسی لئے ہے کہ وہ سنتے ہیں اور ابھی گزشتہ قسط میں آپ نے دیکھا، مردے قبروں میں زائرین کو پہنچانتے بھی ہیں (یعنی انھیں جنھیں دنیا میں پہچانتے تھے) اور قبروں میں ان سے مانوس بھی ہوتے ہیں،

جہاں تک کہ ان کے سننے کا تعلق ہے کافر مردے بھی سنتے ہیں بلکہ حضور پرنور ﷺ نے غزوۂ بدر کے بعد کافر مقتولوں کو ایک گڑھے میں ڈال کر جب ان سے خطاب فرمایا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سوال پر یہاں تک تصریح فرمائی۔

وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی جان ہے، تم ان سے زیادہ میری بات کو نہیں سن رہے۔

بہر حال قبر والے سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور پھر اپنے اپنے حال و مقام کے مطابق خواب میں اپنے عزیزوں کو تلقین و نصیحت بھی کرتے ہیں، ان کی امداد کرتے ہیں، ان کو پڑھاتے سکھاتے ہیں، ان کیلئے دعائیں کرتے ہیں، حسب موقع انھیں ایذا پہنچاتے ہیں، ان کی فریادیں سنتے ہیں، اور ان کے کام آتے ہیں، ان کو بشارت دیتے ہیں اور کبھی تنبیہ بھی کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اس قسم کے واقعات کہ حضور پرنور ﷺ کے ظاہری زمانہ پاک میں مردے زندے ہوئے، دور صحابہ میں بھی وفات کے بعد مردے بولے، کسی بھی صاحب علم سے مخفی نہیں۔ پھر آج تک اولیائے کرام اس قسم کی کرامات دکھاتے رہے اور لوگوں کے ایمان یا پختگی ایمان کا سبب بنتے رہے۔ چودہ صدیوں کی تاریخ میں ایسے واقعات ان گنت ہیں مگر نہ ماننے والے جب نہ ماننے پر تلے ہوئے ہوں تو کون انھیں مجبور کرسکتا ہے۔

اس قسم کے واقعات سے جیسا کہ اوپر بھی گزرا، اللہ کی ذات و صفات اور

اس کی قدرت کاملہ پر ایمان مضبوط ہوتا ہے مگر محبوبان خدا کے مخالفین کے نزدیک ان سے شرک پھیلتا ہے، کتنی احمقانہ اور دلآزار سوچ ہے ان لوگوں کی کہ دنیا کے ایک سرے پر بیٹھ کر دوسرے سرے کی باتیں ٹیلیفون، وائرلیس کے ذریعے سنیں تو شرک نہیں مگر اللہ کا بندہ اللہ کے نور سے یہاں بیٹھ کر سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہو تو شرک۔ سائنس کے کمالات کا انکار کرنے کی جرات نہیں مگر اللہ کی قدرت، اس کی توحید کا فیض، اس کی اطاعت کا ثمرہ اور اس کی رضا کی برکت کو تسلیم کرنا انھیں ناگوار ہے۔ ان کے نزدیک سائنسدان اپنے آلات کی مدد سے بتا سکتا ہے کہ پیٹ کے اندر لڑکا ہے یا لڑکی مگر اللہ کا بندہ اللہ کے فضل سے یہ کچھ بھی نہیں بتا سکتا کیونکہ ان کے خیال میں شرک ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ان کا انکار خاص اس ذات ستودہ صفات تک جا پہنچا ہے جن کا کلمہ پڑھتے ہیں اور جنھیں خوشی یا مجبوری سے اپنا نبی و رسول تسلیم کرتے ہیں، کتنا ہولناک یہ انداز فکر ہے کہ سائنسدان کے وہ کمالات جو ایک مدت کی تگ و دو اور تجربات و مشاہدات کے بعد حاصل ہوئے، ان پر ایمان ہے مگر وہ نبی وہ رسول ﷺ جن کے بارے میں عالم ارواح میں تمام انبیاء علیہم السلام سے میثاق لیا گیا، جو خاتم النبیین ہے اور مقصود منصب نبوت و رسالت ہی نہیں، مقصود کائنات بھی ہے ان کے خیالات میں ایک سائنس دان جتنے بھی معاذ اللہ با کمال نہیں۔ خاک ان کے سر پر اور آگ ان کی زبان، کیسے بدبخت ہیں کیسے بدزبان ہیں اور کیسے بدگمان ہیں، جن کے رب نے جن کو رسولِ شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ یہ ان کے مشاہدے کا انکار

کرتے ہیں۔ رب کے بندو! حضور ﷺ سب کے رسول ہیں تو یقیناً سب کے شاہد بھی ہیں، شاید یہ مضمون کچھ نہ کچھ ابتدائی قسطوں میں آ گیا ہے، اس لئے تکرار مناسب نہیں، تاہم وہ ذات جسے عین نماز کی حالت میں سلام عرض کیا جاتا ہے اور نماز ادا کرنے والے زمین کے دور دراز کنارے پر ہوں تو بھی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ و رحمة اللّٰه وبر کاته

یعنی: یا نبی آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمت اور اللہ کی برکات ہوں

کہہ کر گویا 'حاضر و مخاطب' کے صیغے سے سلام کیا جاتا پھر بھی ان کی سماعت ان کی بصیرت اور ان کی دستگیری سے انکار کیا اور سکھایا جاتا ہے کتنی تکلیف دہ صورت حال ہے۔

نماز میں سلام یوں عرض کرنا خود حضور پرنور ﷺ کا سکھایا ہوا ہے، ظاہر ہے اسلام کے دورِ اول میں بھی مسلمان عرب شریف کے کناروں تک بلکہ، حبشہ، یمن، بحرین اور بعض دوسرے علاقوں تک پہنچ چکے تھے اور ہر نمازی یہی سلام پڑھتا تھا اور کبھی کسی کو اعتراض و انکار نہیں سوجھا تھا تو آخر اب کیا قیامت آ گئی کہ سلام تو غالباً پڑھتے ہیں مگر انکار پر جمے بھی ہوئے ہیں

خیر ان کی چھوڑیئے اپنوں کی طرف آیئے۔ مقصود تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہی عقیدہ رہا ہے، اسی لئے لڑائی مسیلمہ کذاب سے ہو یا روم و شام کے محاذوں پر، اہل ایمان اللہ کے ذکر کے بعد حضور اکرم ﷺ ہی کو پکارتے تھے۔ امت کا یہ رابطہ اپنے آقا و مولا، ملجا و ماویٰ ﷺ سے کبھی بھی منقطع نہ ہوا اور آج تک ایسا ہو

رہا ہے۔اب مجھے منکرین سے بات نہیں کرنا، اپنے دوستوں کو محظوظ کرنا چاہتا ہوں، صرف چند واقعات سن لیجئے اور اپنے ایمان کو تازہ کر لیجئے۔ (اور دیکھتے جایئے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی سماعت و بصارت کا کیا عالم ہے اور غلاموں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی سے کتنی دلچسپی ہے)

ا......محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا دیدار:

"**جامع الحکایات**" میں لکھا ہے کہ نیشاپور میں جب امیر ناصر الدین، الپتگین کی ملازمت میں تھا تو اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور وہ تمام دن اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں گھوما کرتا تھا اور جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا، ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچے کے ساتھ جنگل میں چر رہی ہے۔ سبکتگین نے اسے دیکھتے ہی گھوڑے کو دوڑایا اور ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس نے اس بچے کو اپنی زین سے باندھ دیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا ابھی وہ کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ہرنی پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے اور اس کی صورت و حرکات سے پریشانی اور رنج کا اظہار ہو رہا ہے یہ عالم دیکھ کر سبکتگین کو اس بے زبان جانور پر بہت رحم آیا اور اس نے بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی اپنے بچے کی رہائی سے بہت خوش ہوئی، اور (بچے کو ہمراہ لے کر) جنگل کی طرف روانہ ہوئی وہ تھوڑی تھوڑی دور چل کر سبکتگین کی طرف مڑ مڑ کر دیکھ لیتی تھی جیسے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔

جس دن کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو سبکتگین نے خواب میں آنحضرت ﷺ

کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا۔ "اے ناصرالدین تو نے ایک بے زبان جانور پر جو رحم کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت مقبول ہوا ہے لٰہذا اس کے صلے میں تجھے چاہئے کہ یہی طریق اختیار کرے اور کبھی رحم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ یہ طریق دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔"

۲...... ختم المرسلین ﷺ کی زیارت:

"**طبقات ناصری**" میں یہ لکھا ہے کہ سلطان محمود کو اس مشہور حدیث "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاء" کی صحت پر پورا یقین نہ تھا۔ اسے قیامت کے آنے کے بارے میں بھی شبہ تھا۔ اس کے علاوہ اسے اس میں بھی شبہ تھا کہ وہ خود سبکتگین کا بیٹا ہے ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف چل رہا تھا۔ فراش سونے کا شمع دان لے کر اس کے آگے آگے چل رہا تھا راستے میں اسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسے میں بیٹھا ہوا تھا اپنا سبق یاد کر رہا تھا اس طالبعلم کے پاس جلانے کیلئے روغن نہ تھا۔ اس لئے وہ پڑھتے پڑھتے جب کچھ بھول جاتا تو ایک بنئے کے چراغ کے پاس آ کر اپنی کتاب کو پڑھ لیتا، محمود کو اس نادار طالبعلم کی حالت پر بڑا رحم آیا اور اس نے وہ شمع دان جو فراش نے اٹھا رکھا تھا، اس طالبعلم کو دے دیا۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو خواب میں محمود کو حضرت محمد ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے محمود سے فرمایا "اے ناصرالدین سبکتگین کے فرزند ارجمند خداوند تعالیٰ تجھ کو قیامت میں ویسی ہی عزت دے جیسی تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے۔" آنحضرت ﷺ کے اس

فرمان سے سلطان محمود کے دل میں متذکرہ بالا تینوں شکوک دور ہو گئے۔

۳: حوض شمسی: حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ اپنے پیرو مرشد حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار التمش کو حوض شمسی تعمیر کروانے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں وہ روزانہ حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حوض کی جگہ اور اس کے رقبے کے بارے میں ان سے بات چیت کرتا، اس حوض کی تعمیر کیلئے التمش کے ذہن میں جو مقام آتا ہے وہ فوراً اسے جا کر دیکھتا اور پھر کسی وجہ سے اس مقام کا خیال ذہن سے نکال دیتا، اتفاق سے ایک دن التمش کو یہ مقام بہت پسند آیا اور اس نے اسی وقت اس جگہ پر حوض کی تعمیر کا ارادہ کرلیا، جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو التمش نے خواب میں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کی۔ التمش نے دیکھا کہ سرور انبیا ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس منتخب مقام کی طرف تشریف لائے ہیں۔ اور التمش سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ کس امر کا خواہاں ہے التمش جواب دیتا ہے کہ وہ اس جگہ ایک حوض تعمیر کروانے کا ارادہ رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ نے التمش کی التجا کو پسند فرمایا اور ان کے گھوڑے نے زمین پر لات ماری جس سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور زور شور سے بہنے لگا، التمش نے ابھی اسی قدر خواب میں دیکھا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور اس وقت قدرے رات باقی تھی اور التمش اس وقت حضرت قطب صاحب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑے ادب کے ساتھ ان سے

اپنے خواب کی تمام روداد بیان کی۔ حضرت فرید گنج شکر اپنے پیر و مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ التمش اسی وقت حضرت قطب صاحب کو اپنے ساتھ اسی جگہ لے گیا، قطب صاحب نے شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ پھوٹا ہوا ہے اور اس کا پانی ہر چہار طرف بہہ رہا ہے، یہ واقعہ تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ ہندوستان کے دیگر مشائخ کے ملفوظات میں بھی درج ہے۔

قیدی کی رہائی: ''رحمۃ للعلمین'' کے عظیم مصنف پر مضمون لکھتے ہوئے قاضی عبدالباقی قدسی فرماتے ہیں،

''قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے پردادا قاضی معزالدین کو آنحضور ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھوڑوں کی خدمتگاری کا شرف حاصل ہوا، واقعہ یوں روایت ہے:

پٹیالہ سے متصل سکھ ریاست نابھ میں حکیم غلام فرید طبیب دربار اور شاعر تھے۔ مہاراجہ اپنے محل سے دیکھ رہا تھا کہ ریشم میں لپٹے ''گرنتھ صاحب'' کو مورچھل کے سائے میں پالکی میں رکھ کر جلوس کی شکل میں لے جا رہے ہیں۔ کہنے لگا! ''دیکھا ہماری کتاب کی عزت! مسلمان میلے جزدان میں قرآن کو گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں''۔ حکیم صاحب نے غیرت ایمانی سے برجستہ کہا کہ ایک گرہستن موٹے سوتی لباس میں ملبوس رہ کر زرق برق ریشمی لباس والی بازار کی عورت سے برتر ہی رہتی ہے۔

مہاراجہ نے طیش میں آ کر حکیم صاحب کو پابجواں زنداں میں ڈال دیا مہاراجہ کی قید، نہ داد فریاد۔ شہر کے مسلمان آزردہ ہوئے اور ہزاروں ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے۔ اسی رات خواب میں حضور ﷺ اور آپ کے رفیق ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنھم گھوڑوں پر سوار منصور پور تشریف لائے۔ قاضی معزالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سلام نے عرض کیا اور پوچھا: ''حضور کدھر؟'' فرمایا ''معزالدین! تم گھوڑے سنبھالو۔ ہم نماز پڑھ کر نابھ اپنے محب غلام فرید کو رہا کرانے جائیں گے۔'' جب تک حضور ﷺ اور ان کے رفیق نماز پڑھتے رہے، قاضی معزالدین گھوڑوں کی باگیں سنبھالے رہے، خواب سے بیدار ہو کر قاضی صاحب نے نماز فجر کے بعد درس میں اہل مجلس کو آگاہ کر دیا کہ حکیم صاحب پر ابتلا کٹھن تھی مگر ٹل گئی۔ ادھر نابھ میں جیل کے حکام نے صبح کو حکیم صاحب کی بیڑیاں کٹی ہوئی اور زنداں کو کھلا پایا۔ مہاراجہ نے بعد از تفتیش کہا

''یہ اللہ ولوں (من جانب اللہ) تھا۔ حکیم صاحب کو معذرت کے ساتھ رہا کر کے باعزت بحال کیا جائے''

دن چڑھنے پر نابھ سے آنے والوں نے واقع بیان کیا تو خواب کی تصدیق ہو گئی۔ (اردو ڈائجسٹ ص ۱۲۹، اپریل ۱۹۹۷ء)

حضرت اقبال کی مقبولیت: پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی سفر ہند کا ضمنی

طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:۔

۱۹۵۳ء میں ان کو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور مزار مبارک پر مراقب ہو کر جو روحانی فیض ان کو حاصل ہوا اور جو کیفیت ان پر طاری ہوئی اس کا کچھ تذکرہ انہوں نے مجھ سے بھی کیا تھا۔''

راقم الحروف (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد) نے پروفیسر موصوف کو خط لکھ کر اقبال کے تاثرات کے متعلق مزید استفسار کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا:۔

''تذکرے کی تفاصیل میرے ذہن میں اب بکلی محفوظ نہیں ہیں لیکن اس قدر یاد ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لئے مزار مبارک پر تخلیہ کرا دیا تھا۔ میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہی مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تمھاری دینی خدمات سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہو گئی ہیں آنحضرت ﷺ کی تم پر خاص نگاہ کرم ہے میرے قلب میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا۔ اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصانِ خدا کا فیضان بعد وفات بھی جاری رہتا ہے۔ اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضور انور ﷺ کے روضہ مبارک سے کس قدر فیض جاری ہے۔ رقت کا عالم برابر طاری

رہا زبان و مکاں کا احساس ختم ہو گیا تھا روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا۔ دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سما گئی۔"

قاضی سلیمان کی کرامت نمبر ۷: کرامات اہل حدیث (کتاب) میں یہ آپ کی ساتویں کرامت ہے۔ صوفی حبیب الرحمن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خان شاہ کابل سے پٹیالہ تشریف لائے تو انہوں نے سرہند جانے کے لئے قاضی جی کو اپنے ساتھ لے لیا، حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لئے بیٹھے، تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شائد ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو، ان سے الگ ہو جانا چاہیے، ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال لے کر اٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ سلیمان بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے، صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

29

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لیجئے، پھر آ گیا ربیع الاول شریف کا نورانی مہینہ۔ یعنی رحمت و برکت کا، عزت و عظمت کا، سطوت و حشمت کا، راحت و بہجت کا، نور و ظہور اور کیف و سرور کا مہینہ، یہ روحانی و جدانی اور ایقانی و عرفانی مہینہ ابن آدم کے لئے مسیحائی کا انداز لے کر آتا ہے۔ کیوں نہ ہو اسی مہینے میں اللہ کا حبیب اعظم اور دنیا کا طبیب اعظم ﷺ خاکدان دنیا میں جلوہ افروز ہوا۔ ہاں ہاں وہ سراپا نور آقا تشریف لایا۔ جس کی ذات مظہر ذات باری اور صفات مظہر صفات باری ہیں۔ وہ جس کریم کی نوازشوں کی حد ہے نہ عد، وہ سلطان جو اپنے خالق و مالک ومختار کا بندہ ہے اور باقی سب کا مالک و مختار۔ یوں تو قدم رنجہ فرمانے والے اس آقا کی عنایات و احسانات بے شمار ہیں۔ تاہم اس کا سب سے بڑا کرم یہ ہے۔ بندوں کو خدا سے ملا دیا اور انھیں ایمان وعرفان سے سرشار کر کے توحید وتفویض کا شیدا بنا دیا۔ وہ تشریف نہ لاتے تو خدا کو کون مانتا، توحید تک کون پہنچتا، اس کی تسبیح وتہلیل کون کرتا، رکوع اور سجدہ میں کون اسے عظیم اور اعلیٰ کہتا اس کے عشق ومحبت میں کون روتا

اور شہادتگہ الفت میں کون جان و مال کی قربانی دیتا، انسان اپنا اور اپنے رب کا عارف کیونکر ہوتا، عشق حقیقی میں سوز و گداز کی یہ کیفیات، ہجر و وصال کے مشکبو یہ لمحات، ذکر وفکر، دنیا اور مراقبات، ہاہو کے نغمے اور دل کی واردات، دنیا کو یہ ساری دولتیں حبیب کبریا ﷺ کے دروازے سے ملی ہیں۔ حضور ﷺ اپنے رب کے سب سے بڑے رسول، سب سے بڑے خلیفہ و نمائندہ، سب سے بڑے مظہر اور سب سے بڑے وسیلہ قرب ہیں۔ اللہ نے حضور ﷺ کو بھیجا تو اپنی برہان بنا کر یعنی برہان ذات وصفات، برہان قدرت و عظمت اور برہان توحید بنا کر۔ ان کی گفتار، رفتار، اطوار، افکار، اذکار سب برہان ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النسآء:۴:۱۷۴)

ترجمہ۔ اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی

یہ اللہ کی یکتائی کی برہان، اللہ کے مالک الملک ہونے کی برہان، اللہ کے علم غیر متناہی کی برہان، اللہ کی قدرت کاملہ کی برہان، اللہ کے انعام و اکرام کی برہان، اس لئے اللہ نے اسے اپنی پہچان کا ذریعہ ٹھہرایا اور فرمایا

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (الفتح:۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

گویا اللہ کی شان دیکھنا چاہو، اس کی عظمت پر ایمان لانا چاہو، اس کی توحید کا مسئلہ سمجھنا چاہو، اس کی قدرت کے تمام مظاہر کا لب لباب دیکھنا چاہو تو اس

کے رسول ﷺ کی طرف آؤ اور گہری ایمانی نظر سے انھیں دیکھنے کی کوشش کرو، اس محبوب باری کے جلال سے اللہ کی شان جلالی اور ان کے جمال سے اس کی شان جمالی کا علم ہوگا۔ ان کا ہاتھ یداللہ (اللہ کا ہاتھ) ہے اور ظاہر ہے یداللہ میں سب کچھ ہے۔

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی وجلالی ہاتھ میں

ان کی تخلیق سے تخلیق کا آغاز ہوا اور ان کی تشریف آوری سے کائنات کی جان میں جان آئی۔ ان کے آنے سے زندگی کے دم میں دم آ گیا۔ گلشن ہستی میں بہار آ گئی، بارانِ رحمت موسلا دھار ہو گئی، انسانیت کے چہرے پر نکھار آ گیا، اخلاق کو نئے سرے سے تازگی مل گئی، مہر و مروت کے غنچے چٹکنے لگے۔ یہ آ گئے تو لطف حیات آ گیا اور یہ مل گئے تو کائنات مل گئی، نہیں نہیں یہ مل گئے تو خدا مل گیا، یہ من گئے تو خدا من گیا۔ ان کا میلاد تجلیات رحمت کا نزول اور ان کا وجود مسعود انوار ازل کا ظہور۔

حق یہ ہے کہ ان کی صبح میلاد ہر صبح سے افضل، ان کی شب میلاد ساری راتوں کی سردار، ان کا یوم میلاد کائنات کا سب سے بڑا دن اور انکا واقعہ میلاد تاریخ ہستی کا سب سے بڑا واقعہ اور اس سب سے بڑے واقعے کا سب سے اہم نقطہ نکتۂ توحید کی سب سے بلند آہنگ تفسیر، یوں تو میلاد النبی کے دونوں لفظ ہی شرک کی نفی کرتے ہیں کیونکہ؟ اس لئے خدا وہ ہے جس کا میلاد نہیں ہوتا۔ جس کی شان میں

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ (الاخلاص:۳)

ترجمہ۔نہ اس کی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا

لہذا اللہ تعالی ایسا یکتا ہے کہ ولادت سے بھی، والدو والدہ سے بھی پاک ہے، جنس اور جورو سے پاک لہذا اولاد سے بھی پاک۔سب کو پیدا وہی کرتا ہے مگر کسی کو جنتا نہیں۔مگر نبی اکرم ﷺ اپنی بے پناہ عظمتوں، لاجواب رفعتوں، بے مثال عزتوں اور بے نظیر سطوتوں کے باوجود دنیا کے معزز ترین قبیلے قریش کے سب سے عالی مرتبت خاندان بنو ہاشم میں متولد ہوئے۔آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا ہیں۔پھر آپ نے مقدس ترین ازواج سے نکاح فرمائے اور آپ کے ہاں مقدس ترین اولاد ہوئی۔یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ الہ (معبود) نہیں، خالق نہیں قدیم یعنی ہمیشہ سے نہیں، واجب الوجود نہیں کہ (وہ صرف خدا ہے) مستقل بالذات نہیں (کہ وہ بھی اللہ کی ذات ہے) اللہ کی مخلوق ہیں، اس کے بندے ہیں، اس کے مظہر ہیں، اس کے رسول ہیں، اس کے راز داں ہیں، اس کے محبوب ومطلوب ہیں، ہاں ہاں وہ عام بشر بھی نہیں، بلکہ نبی ہیں نبی کہنا ہی شرک کی نفی ہے۔ہاں دوسروں کی طرح دنیوی اسباب و وسائل کے محتاج بھی نہیں۔کیونکہ اللہ تبارک وتعالی نے خود حضور ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا وسیلہ بنایا ہے۔نبی امت سے بلند ہوتا ہے اور حضور ﷺ نبی الانبیاء علیہم السلام ہیں۔آپ

سب سے بلند ہیں۔ہاں ہاں یہ بھی توحید کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کو خالق نہیں ،مخلوق مانا جائے مگر یہ بھی توحید کا تقاضا ہی ہے کہ آپ ﷺ کو عام مخلوق کی طرح نہیں بلکہ ساری مخلوق کا سردار مانا جائے بلکہ یوں سمجھو اللہ ہی خالق ہے تو آپ ﷺ مخلوق ہی نہیں وجہِ تخلیق بھی ہیں۔اللہ ہی واجب الوجود ہے اور آپ ممکن الوجود ہیں مگر آپ کا دائرہ امکان اور ہے اور دوسروں کا اور، جیسا کہ حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے تصریح فرمائی ہے۔اللہ ہی معبود ہے اور حضور ﷺ بیشک اس کے عبد ہیں۔مگر ایسے عبد کہ کسی کی عبادت بھی آپ ﷺ کے وسیلے کے بغیر قبول نہیں ہوتی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بغیر کوئی عبادت کر ہی نہیں سکتا بلکہ حق یہ ہے۔آپ ﷺ کے بغیر کوئی عبادت کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔یعنی عبادت کو عبادت سمجھنا، اس پر عمل پیرا ہونا اور اس کا قبول ہونا سب مراحل میں عبدہ کے وسیلے کا عمل و دخل ہے۔حقیقت یہی ہے کہ اللہ کا جو عرفان بھی کسی انسان کے مقدر میں ہوتا ہے نبی کے ذریعے ہی سے ہوتا ہے۔

اللہ وحدہ ہے اور یقیناً اس کا کوئی شریک نہیں۔حضور ﷺ عبدہ ہیں مگر عبدیت کے اس مقام پر فائز ہیں کہ آپ ﷺ کا شریک بھی کوئی نہیں۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِي مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٖ

یعنی حضور ﷺ اپنے خداداد محاسن و کمالات میں شریک سے پاک ہیں اس

لئے کہ جوہر حسن جو آپ کی ذات ستودہ صفات کو ودیعت کیا گیا ہے۔ تقسیم ہو ہی نہیں سکتا (یعنی یوں نہیں کہ جوہر حسن کا ایک حصہ حضور ﷺ کو اور باقی دوسروں کو عطا ہوا ہے بلکہ جوہر حسن ناقابل تقسیم ہونے کی وجہ سے سارے کا سارا حضور ﷺ کو عطا ہوا، باقی جس کو جتنا ملا حضور ﷺ کے وسیلے سے ملا۔ دوسروں کو زیادہ سے زیادہ ملی تو اس حسن خدا داد کی کوئی چمک، کوئی دمک، کوئی جھلک ہی ملی) کتنا عظیم ہے ہمارا اللہ جس نے یہ جوہر حسن عطا فرمایا یہ توحید ہے تو کتنا عظیم ہے اس کا محبوب ﷺ جس کو یہ سارے کا سارا جوہر حسن ملا۔ تو سوکھو کیا یہ توحید کے خلاف ہے "نہیں" واللہ نہیں حضور ﷺ حسن ذات کا آئینہ ہیں اس لئے ضروری تھا کہ جوہر حسن اصل میں آپ ہی کو ملتا، باقی کو ملتا تو آپ کا صدقہ۔ اعلیحضرت قدس سرہ بریلوی کا حسن خیال ملاحظہ ہو

خود تو پردے میں رہے، آئینہ حسن خاص کا
بھیج کر انجانوں میں کی راز داری واہ وا

حضرت قدسی علیہ الرحمہ نے سچ عرض کیا تھا

نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بہتر از آدم و عالم توچہ عالی نسبی

غرض لفظ "میلاد" ہی توحید کا منبع اور شارح نہیں، واقعات میلاد سے بھی شرک ہی کی نفی ہوتی ہے۔ اور بہترین انداز میں ہوتی ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے دنیا میں تشریف لاتے ہی سجدہ کیا اور اپنے رب کی توحید، بوبیت کا دم بھرا۔ پھر

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب علیھما الرضوان کی روایت کے مطابق آپ نے بزبانِ فصیح کلمہ اول بایں طور پڑھا

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (شواہد النبوۃ)

ترجمہ۔اللہ کے سوا کوئی خدانہیں، میں اللہ کا رسول ہوں۔

اس وقت اور واقعات جو رونما ہوئے ان میں آتشکدہ ایران کا بجھنا بھی شامل ہے۔ایرانی لوگوں کی اکثریت آتش پرست تھی اور یہ آتشکدہ متواتر ایک ہزار سال سے اُن کے غلط جذبہ عبادت کی جھوٹی تسکین کا سبب بنا ہوا تھا،حضور ﷺ مکہ معظمہ میں جلوہ گر ہوئے اور آتشکدہ ایران میں یکدم بجھ گیا۔یہ اس طرف بھی اشارہ تھا کہ مکہ میں تشریف لانے والا عرب کی سرزمین کو ہی نہیں،ساری دنیا کو پاک کرنے آیا ہے۔اس کا ابرکرم جزیرہ عرب ہی کو گل بداماں کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کا مقصد ساری دنیا کے خارزار شرک کو لالہ زار وحدت بنانا ہے۔پھر ہوا بھی یہی۔

برزخ کبریٰ کے نقش پا کی شوخی دیکھنا

عالم ہستی کے خارستاں بہارستاں ہوئے

چنانچہ آتشکدہ ایران ہی نہیں بجھا بلکہ وادی ساوہ جو ہزار سال سے خشک تھی (اور اہل شرک کے نزدیک گویا خشکی کی دیوی تھی) اچانک بہنے لگی۔اسی طرح بحیرہ ساوہ جو ہمدان اور رے کے عین وسط میں تھا۔یہ بھی ایک معبود باطل تھا جو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے وقت یکدم خشک ہو گیا۔معبودان باطلہ کا یوں

انقلابات سے دوچار ہونا گویا اس بات کا قدرت کی طرف سے اعلان تھا کہ شرک و کفر کو زیروزبر ہی کرنے والا حق کا سب سے سچا اور سب سے بڑا منادی مکہ معظّمہ میں تشریف لے آیا ہے۔مگر شرک کی ذلت وخواری کا یہ سلسلہ خاص خانہ کعبہ سے شروع ہوا۔یہاں اندر اور باہر جتنے بت تھے،سب اوندھے منہ گر گئے۔امام بوصیری قدس سرہ نے اپنے عشق افروز اشعار میں ولادت باسعادت کا جوذکر خیر کیا ہے۔آیئے ذرا اس کا لطف اٹھائیں اور یہ بھی دیکھیں کہ عاشقان صادق کا طرز فکر اور طرز بیان کتنا والہانہ دلآویز اور سکون بخش ہوتا ہے۔یہ وہ قصیدہ ہے جو بارگاہ حبیب ﷺ میں شرف قبول پاچکا اور بریلویت اور نجدیت کے جھگڑے سے بھی کئی صدیاں پہلے امت کا معمول بنا۔(یہاں ان شعروں کے درج کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ربیع الاول شریف کی نورانی اور مقدس فضاؤں میں انھیں بار بار دہرالیا جائے،ہوسکتا ہے اللہ کی رحمت جوش میں آجائے اور ملک وملت کا ادبار ٹل جائے)

اَبَانَ مَوْلِدُهٗ عَنْ طِيْبِ عُنْصُرِهٖ
يَا طِيْبَ مُبْتَدَءٍ مِّنْهُ وَّ مُخْتَتَمٖ

ترجمہ۔حضور ﷺ کے مولد شریف نے آپ کے عنصر کی پاکی
کو ظاہر کردیا اللہ رے آپ کی ابتدا وانتہا کی پاکی یا بوئے خوش

يَوْمَ تَفَرَّسَ فِيْهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

ترجمہ۔حضور ﷺ کا مولد وہ دن تھا کہ جس میں اہل فارس نے فراست سے معلوم کرلیا کہ وہ نزول بلاوعذاب سے ڈرائے گئے ہیں۔

وَبَاتَ اِیْوَانُ کِسْرٰی وَھُوَمُنْصَدِعٌ
کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرُ مُلْتَئِمٖ

ترجمہ۔اورحضور ﷺ کا مولد وہ دن تھا کہ جس میں کسریٰ کا محل پھٹ کر یوں بے جڑے رہ گیا جیسا کہ کسریٰ کا پراگندہ لشکر جو پھر جمع نہ ہوسکا۔

وَالنَّارُ خَامِدَۃُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ
عَلَیْہِ وَالنَّھْرُ سَاھِی الْعَیْنِ مِنْ سَدَمٖ

ترجمہ۔اور اس دن مجوسیوں کی آگ کے شعلے ایوان کسریٰ کے غم سے سرد پڑ گئے اور دریائے فرات ندامت وغم کے مارے اپنا چشمہ بھول گیا۔

وَسَاءَ سَاوَۃَ اَن غَاضَتْ بُحَیْرَتُھَا
وَرُدَّ وَارِدُھَا بِالْغَیْظِ حِیْنَ ظَمِی

ترجمہ۔اوراس روز ساوہ غمگین ہوا کہ اس کا بحیرہ خشک ہوگیا اور پیاسے جو وہاں آئے غصے میں واپس ہوگئے۔

کَاَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ بَلَلٍ

حُزْنًا وَّ بِالْمَآءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمٍ

ترجمہ: گویا غم کے مارے پانی کی خاصیت (تری) آگ
میں آ گئی اور آگ کی خاصیت (سوزش) پانی میں چلی گئی۔

وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْاَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَّعْنىً وَّمِنْ كَلِمٍ

ترجمہ۔ اوراس دن جن غیب سے آوازیں دے رہے تھے اور
انوار چمک رہے تھے اور حق معنی اور لفظ سے ظاہر ہورہا تھا۔

اسی شعر پر غور کر لیجئے حضور ﷺ کی تشریف آوری کے دن حق معنی اور لفظ سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اس کی مزید تشریح بعد کے اشعار میں آ گئی ہے۔ کہنا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے موقع پر ہی آپ کی بعثت کا، آپ کے مشن کا اور آپ کی برکات وفتوحات کا چرچا کر دیا گیا۔ بتوں نے گر کر، ایوان کسریٰ کے کنگروں نے ٹوٹ کر، تری نے خشک ہو کر اور خشکی نے تر ہو کر اس آنے والے مہمان حرم، تاجدار حرم، اور پاسبان حرم ﷺ کو سلامی دی اور اللہ کی توحید کا اعلان کیا اور گویا حق تھا جو ہر اعتبار سے ظاہر ہو رہا تھا۔ یہی سبب تھا کہ خالق کائنات نے اس محبوب ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر گویا اپنے احسان عظیم کے عنوان سے کیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(العمران۔۱۶۴)

ترجمہ۔ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پہ کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

گویا نگاہ قدرت میں اہل ایمان کے لئے عظیم ترین نعمتیں ہیں تلاوت آیات، تزکیہ نفس، علم کتاب وحکمت، ان سب کا دارو مدار ایمان پر ہے اور ایمان حضور ﷺ کے صدقے میں انھیں ملا ہے، غرض انھیں جو کچھ ملا، ایمان یا اس کے ثمرات سب صدقہ ہیں حضور ﷺ کی تشریف آوری و بعثت کا۔ لہذا اہل ایمان پر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے انھیں اپنا محبوب اعظم ﷺ بخشا جس کی تشریف آوری و بعثت اتنی بڑی نعمت ہے کہ عظیم ترین نعمتیں بھی اس کے زیر دامن ہیں اور اسی کا صدقہ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور پرنور ﷺ ساری خدائی کے رسول ہیں تو آپ ﷺ کی تشریف آوری و بعثت سب پر احسان ہوا۔ یہاں صرف مسلمانوں کا ذکر ہوا آخر کیا حکمت ہے؟ ہاں ہاں اگر چہ آپ سب انسانوں کے لئے رسول ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

(الاعراف:۵۸)

ترجمہ۔تم فرماؤ، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں بلکہ تمام عالمین کے لئے رسول ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ (الفرقان:۱)

ترجمہ:۔ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر تا کہ وہ سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

اور حقیقت یہی ہے اللہ تعالیٰ جس کا خدا ہے، حضور ﷺ پر نور اس کے رسول ہیں۔ بعثت و رسالت کے عالم گیر ہونے کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اس سے خصوصی برکت ماننے والوں یعنی ایمان والوں کے حصے میں آئی ہے۔ یہی خوش قسمت افراد ہیں جو اس کے محبوب اکرم ﷺ کے طفیل دونوں جہانوں کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ حضور ﷺ بلا شبہ سب کیلئے ہیں اور سب نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق برکتیں لیں مگر دائمی انعامات و برکات صرف اہل ایمان کے لئے ہیں۔ کیونکہ انھیں اس محبوب کی پہچان کرادی گئی اور انھیں ایمان کی توفیق بخشی گئی لہٰذا اللہ کے اس عظیم ترین احسان کو انہیں نے مانا اور پہچانا اور انہیں پر فرض ہے کہ اس کی قدر کریں۔ اللہ کی ہر نعمت یوں تو نعمت ہے مگر نعمت کی پہچان خود ایک اور نعمت ہے، جنھیں اللہ نے اپنی سب سے بڑی نعمت (جو

دوسری بڑی بڑی نعمتوں کی بھی کی جان ہے) کی پہچان کرادی، وہی اہل ایمان ہیں، انھیں پر اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے، وہی اللہ کا شکر ادا کریں، کافروں، مشرکوں اور منافقوں کو نعمت کی پہچان نہیں، انھوں نے اللہ کے رسول کو عام انسانوں کی طرح سمجھا اوران کی تشریف آوری کو عام انسانوں کی آمد کی طرح خیال کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی پہچان سے جو جو انعامات عطا ہوئے ہیں یہ ان سے محروم رہے لہذا انھیں کیا پڑی ہے کہ اللہ کا شکر ادا کریں۔

انھیں کے بارے میں فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ○ (ابراہیم:۲۸)

ترجمہ: کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر لا اتارا۔

(آیت میں اگر چہ خصوصیت سے کفار مکہ مراد ہیں مگر سارے کفار و مشرکین اور منافقین بھی داخل ہیں کیونکہ نعمت اللہ سے مراد ہیں حضور پرنور ﷺ اور حضور پرنور ﷺ کے بارے میں تمام کافروں کا یہی رویہ ہے)

لہذا آؤ ربیع الاول شریف کے نورانی، مقدس، بابرکت اور رحمت بار مہینے میں اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کا شکر ادا کریں اور زیادہ سے زیادہ حمد و نعت کے گیت الاپیں۔ ہاں ہاں!

حمد اللہ کی جو ارحم الراحمین ہے

نعت اس حبیب کی جو رحمۃ للعالمین ہے

حمد اللہ کی جو خالق کل ہے

نعت اس حبیب کی جو اس کے فضل سے مالک کل ہے

حمد اللہ کی جو واجب الوجود ہے

نعت اس حبیب کی جو سید الممکنات ہے

حمد اللہ کی جو رب الانام ہے

نعت اس حبیب کی جو خیر الانام ہے

حمد اللہ کی جو مالک یوم الدین ہے

نعت اس حبیب کی جو شافع یوم الدین ہے

حمد اللہ کی جو سب کا آفرید گار ہے

نعت اس حبیب کی جو قلم قدرت کا شہکار ہے

حمد اللہ کی جو ہر عیب سے پاک ہے

نعت اس حبیب کی جو معصوم ہے اور سرورِ لولاک ہے

حمد اللہ کی جس نے ایمان بخشا

نعت اس حبیب کی جو جان ایمان ہے

جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم

چنانچہ بقول حضرت فریدالدین عطار علیہ الرحمہ یہ بھی ٹھیک ہے

حمد بے حد مر خدائے پاک را

آنکہ ایماں داد مشت خاک را

یعنی خدائے پاک کیلئے بے حد حمد جس نے مٹھی بھر خاک (یعنی انسان) کو ایمان کی دولت سے نوازا۔

اور بقول حضرت حکیم الامت اقبال علیہ الرحمہ یوں کہنا بھی درست ہے

حمد بے حد مر رسول پاک ﷺ را

آنکہ ایماں داد مشت خاک را

حمد بے حد رسول پاک ﷺ کیلئے جنھوں نے مشت خاک (انسان) کو ایمان سے نوازا۔

حمد اللہ ہی کیلئے ہے اور اس کی دلیل ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ:۱) اور مخلوق میں حمد ہے اللہ کے حبیب ﷺ ہی کیلئے ہے اور دلیل ہے آپ کا اسم گرامی محمد عربی ﷺ بلکہ دوسرا اسم ذاتی احمد بھی۔ دونوں اپنی اپنی شان کے مطابق حمد کے لائق ہیں اللہ بھی اللہ کا حبیب ﷺ بھی یہ الگ بات ہے کہ اصطلاحاً اللہ کی تعریف کو حمد اور حبیب اللہ ﷺ کی تعریف کو نعت کہا جائے لہذا خصوصاً ربیع الاول شریف میں غفلت نہ ہونے پائے۔ اور جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ حمد ونعت سے دل لگائیے۔

بعض بدنصیب اللہ کی حمد اور حضور پرنور ﷺ کی نعت کو باہم متضاد سمجھتے ہیں حالانکہ یہاں کوئی تضاد نہیں، انھیں حمد خداوندی تو گوارا ہے اور اسے توحید کا اظہار سمجھتے ہیں مگر حضور ﷺ کی نعت انھیں ناگوار ہے اور وہ عموماً شرک سے تعبیر کرتے ہیں ان کے نزدیک توحید کا تقاضا یہی ہے کہ عام انسانوں پر اللہ کے حبیب ﷺ کو کچھ بھی فوقیت نہ دی جائے۔ان کے گروگھنٹال کی انھیں ہدایت ہے کہ

''بشر کی سی تعریف کرو بلکہ اس میں بھی اختصار کرو'' (تفویت الایمان)

کتنا ہولناک انداز ہے اپنے نبی ﷺ کے ذکر کا، اللہ لعنت کرے ان بدبختوں پر جنھوں نے قوم کو ذکر رسول ﷺ سے روکا اور تعریف کرنے پر ٹوکا۔

ان کے نزدیک نبی کی تعریف کرتے ہوئے اس قسم کی باتیں ہی ہونی چاہیے کہ وہ بڑے نیک تھے۔شریف الطبع تھے۔کسی کی چغلی نہیں کھاتے تھے۔پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ تہجد بھی پڑھ لیتے تھے۔کسی کا حق نہیں مارتے تھے۔قرآن پاک کے حافظ و قاری تھے اور کچھ نہ کچھ مسائل سے بھی واقف تھے......وغیرہ وغیرہ۔

مگر ایسی باتوں کو بھی اختصار سے ہی کرنا ہے، طول دو گے تو 'شرک' ہو جائے گا۔ان کے خیال میں نبی کریم ﷺ کی تعریف کے وقت دو احتیاطیں ملحوظ رہنی چاہیے، ایک یہ کہ عام انسانوں سی ہو، اور دوسری یہ ہے کہ عام انسانوں جیسی بھی تفصیل اور طوالت سے خالی ہو۔کلمہ پڑھتے وقت تو محمد رسول اللہ ﷺ

کہہ سکتے ہو مگر تعریف کرتے وقت نبوت اور رسالت کے ذکر سے بھی پرہیز بہتر ہے (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ) یہ ہے نجدی ذہنیت۔ کلمہ کے دوران انھیں پڑھ لینے کی اجازت دینا بھی نجدیوں کے امام کی اس امت پر 'شفقت' ہے (یا منافقت ہے) ورنہ اس کے نزدیک ایمان صرف اللہ کو ماننے تک ہے۔ مزید کسی اور کو کچھ ماننا شرک۔ چنانچہ اس کا یہ جملہ ملاحظہ ہو،

''ایک اللہ کو مان، اور کسی کو نہ مان'' (تفویت الایمان)

اس نے سوچا ہوگا کہ مومن بہ ہونا (مانا جانا) اللہ کی صفت ہے۔ لہٰذا شرک فی الصفات سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کے سوا کسی کو حاضر و ناظر، غیب دان، مددگار، ماننا تو ایک طرف رہا، کسی کو رسول اور نبی بھی نہ مانا جائے تا کہ توحید پوری آب و تاب سے نکھر سکے اور ماننے جانے میں کوئی اللہ کا شریک نہ ٹھہر سکے۔

خیر یہ تو دشمنوں کا ذکر تھا جو ربیع الاول شریف کے مہینے میں عموماً سخت برہم ہوتے ہیں، کا ہے پر، ذکر رسول ﷺ پر، کمالات نبوت کے بیان پر، ان کی شفاعت و حمایت کے تذکار پر، جشن میلاد پر اور جلسہ جلوس پر، خصوصاً صدائے درود شریف پر۔ مگر ان کی خواہش و کاوش کے علی الرغم رب اپنے محبوب اعظم ﷺ کا ذکر اونچے سے اونچا کرتا رہتا ہے، ملت اسلامیہ گوناگوں حادثات کی بارش کے باوجود اپنے آقا و مولا ﷺ کی آمد آمد پر خوشیاں پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے مناتی ہے اور کسی بدزبان و بدگمان کی رتی بھر پرواہ نہیں کرتی۔ حضور ﷺ کا ذکر

کیونکر رک سکتا ہے، کیونکر مٹ سکتا ہے، اسے ابوجہل اور ابولہب نہ مٹا سکے، اسے عبداللہ بن ابی جیسے شیطان نہیں مٹا سکے، اسے جلال الدین اکبر جیسا فرعون نہیں مٹا سکا، اسے دور حاضر کا شیطان اکبر یعنی بش نہیں مٹا سکتا، یہ بیچارے اسے کیونکر روک سکتے ہیں اور کیونکر مٹا سکتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے اس ذکر کو مٹانے والے خود مٹ گئے مگر یہ برابر جاری وساری رہا۔ اعلحضرت عرض کرتے ہیں۔

مٹ گئے ، مٹتے ہیں ، مٹ جائے گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اور اس کی وجہ کیا ہے، رب کا اعلان اور وعدہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الم نشرح.....۴)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

حضرت علامہ اقبال اسی کے پیش نظر اللہ کے محبوب اعظم ﷺ کے کائنات گیر ذکر کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

دشت میں ،دامنِ کہسار میں ، میدان میں ہے
بحر میں ، موج کی آغوش میں ، طوفان میں ہے
چین کے شہر مراکش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

تو آئیں ہم بھی اس ذکر خیر کی تانیں اڑائیں۔ جان و دل سے، روح و زبان سے درود شریف پڑھتے رہیں۔ درود شرک کا توڑ، ایمان کا نچوڑ، اپنے نبی ﷺ سے حلف وفاداری، غلامی رسول کی دلیل اور ظاہر و باطن کی بیماریوں کی شفا ہے۔ جس نے جو پایا، اسی سے پایا اور جس کو جو ملا اسی کے صدقے ملا۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کی وصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَ اَوْصَانِیْ بِمُوَاظِبَةِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِیِّ وَقَالَ بِهَا وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا.

ترجمہ:۔ اور والد ماجد علیہ الرحمۃ نے حضور ﷺ پر ہمیشہ درود و سلام پڑھنے کی وصیت فرمائی نیز فرمایا ہم نے جو کچھ پایا اسی سے پایا۔

دیکھئے جنھیں کچھ ملتا ہے، گواہی دے رہے ہیں کہ درود شریف کی برکت سے ملا، اس کے برعکس جو محروم ہیں، وہ شور مچاتے ہیں کہ کچھ نہیں ملتا ظاہر ہے جسے کچھ لینا ہو وہ لینے والوں کی بات مانے کہ مجرب بھی ہے، جسے محروم رہنا ہو وہ محروم لوگوں کی اقتداء کرے تو ہمیں کیا تکلیف۔

کونسا درود شریف؟ جو بھی پڑھیں فائدہ ہوگا، مگر اس یقین سے پڑھیں کہ اللہ کے فضل سے اللہ کے حبیب پاک ﷺ بھی سن رہے ہیں یہ عقیدہ ہوگا تو خشوع و خضوع میں اضافہ ہوگا، انداز میں ادب اور دل میں سرور پیدا ہوگا، اور دور کے

فاصلے بہت جلد طے ہو جائیں گے۔ یہ اعتقاد ہوگا تو اَلصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ پڑھنے سے ظاہر ہے رابطہ تیز ہوگا کہتے ہیں اور ادفتحیہ جو بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ سینکڑوں اولیاء اللہ کے وظائف ہیں میں یہی درود شریف کئی القاب سے ساتھ شامل ہے۔ اَللّٰھم صل علیٰ سید نا محمد......الخ درود ابراہیمی یا اور ایسے درود شریف جو دعائیہ قسم کے ہیں، انھیں پڑھتے ہوئے بھی یہی اعتقاد رہنا چاہیے کہ حضور انور ﷺ اللہ کے فضل سے سن رہے ہیں۔ ہم اگر عرض کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّد ....

یعنی اے اللہ حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج

تو دراصل اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ تو ہی اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ التسلیم پر درود بھیجنے کا حق ادا کرسکتا ہے۔ گویا ہم اس قابل کہاں کہ درود شریف کا حق ادا کرسکیں۔ ہم عاجز بندے ہیں، یہ ہمارے بس سے باہر ہے، بلاشبہ یہ حق تو تو ہی ادا کرسکتا ہے۔

لہٰذا ربیع الاول شریف میں زیادہ سے زیادہ باوضو رہنے کی کوشش کرو زیادہ سے زیادہ حمد و نعت کے ترانے الاپو اور زیادہ سے زیادہ محافل میلاد قائم کرو اور زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھو۔ اگر پوری ملت درود شریف کو حرز جاں بنالے تو عین ممکن ہے کہ ہمارے دن پھر جائیں، تباہی کے جو طوفان اُمڈتے آرہے ہیں ٹل جائیں اور ہماری عزت و آبرو جو ایک عرصے سے کہیں کھو گئی ہے، دوبارہ مل

جائے۔ درود شریف سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت بڑھتی ہے، ایمان مضبوط ہوتا ہے، نفاق سے دل پاک ہو جاتا ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں اور ادبار اقبال میں بدل جاتا ہے۔ لہٰذا آیئے! اپنے عشق رسول ﷺ اور ذکر رسول ﷺ کے گم شدہ راستے کی طرف، خدا کا وعدہ ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

30

بسم الله الرحمن الرحيم

حضور پرنور ﷺ اللہ کی برہان ہیں، اس کے علم کی، اس کے کمالات قدرت کی اور اس کی یکتائی کی برہان۔ یعنی کوئی شخص اللہ کے علم غیر متناہی (بے انتہا) کا جلوہ دیکھنا چاہے تو حضور پرنور ﷺ کے علم وسیع کے جلوے دیکھے، کوئی اللہ کی قدرت کے کمالات کا جلوہ دیکھنا چاہے تو درِ رسول ﷺ پر آئے یہاں اس کی تشفی ہو جائے گی اور کوئی کسی حد تک اس کی یکتائی کا نظارہ کرنا چاہے تو اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر غور کرے تو اسے محسوس ہوگا صورت وسیرت میں یہ محبوب اکرم ﷺ اللہ کی یکتائی ہی کے مظہرِ کامل ہیں۔ اللہ علیم ہے تو یہ بھی اپنی شان کے مطابق علیم ہیں۔ اللہ رحیم وکریم ہے تو یہ بھی رحیم وکریم ﷺ ہیں۔ اللہ اوّل وآخر اور ظاہر وباطن ہے، تو یہ بھی مظہر صفاتِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے اوّل وآخر اور ظاہر وباطن ہیں۔

ہاں ہاں یہ اپنے اللہ کی صفات میں حصہ دار نہیں اور نہ یہ صفاتِ نبویہ بالکل اسی شان اور مفہوم کی ہیں جو اللہ کی صفات ہیں۔ چونکہ اللہ کا اول وآخر، ظاہر و

باطن، رحیم وکریم اور عظیم وعلیم ہونا اس کی ذات کی طرح قدیم یعنی بے ابتدا ہے مگر حضور پرنور ﷺ کی صفات با ابتدا۔ اللہ کی ذات بھی قدیم اور صفات بھی، مگر اس کے سوا کسی کی ذات یا صفات قدیم نہیں۔ یہ صفات نام کے اعتبار سے وہی سہی مگر شان کے اعتبار سے بالکل وہی نہیں، ان کا پرتو ہیں۔

اسی طرح اللہ کی ایک صفت ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (النور-۳۵)

ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا (کنزالایمان)

تو حضور انور ﷺ اس صفت میں بھی اس کی برہان ہیں اور زمینوں اور آسمانوں میں انوار وتجلیات کی بارشیں برسا رہے ہیں۔ چنانچہ اسی نے حضور پرنور ﷺ کے ذمے یہ کام لگایا ہے اور ان کو بھیجا ہی نور بنا کر ہے اور یہ دنیا میں تشریف لائے ہیں تو نور بن کر ہی تشریف لائے ہیں

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (المائدہ-۱۵)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا (کنزالایمان)

کچھ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ نے ایک مکان بنایا

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً (البقرہ۲۲)

ترجمہ: وہ جس نے تمھارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا۔

جس کوٹھے کا فرش زمین ہے اور چھت آسمان، اسے روشنی کے چراغ کی ضرورت تھی، تو اسے بھیجا جو سراجِ منیر ہے

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب ۴۵،۴۶)

ترجمہ:اے غیب خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاظر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

سراج (فارسی) چراغ کا معرب ہے۔اہل فارس جسے چراغ کہتے ہیں،اسی کو عربی میں سراج کہا گیا۔پھر یہ دیا بجھا ہوا نہیں۔روشن ہے اور روشن ہی رہتا ہے۔یہ 'منیر' صفت مشبہ ہے جس میں دوام پایا جاتا ہے۔فرش اجڑ جائے،چھت گر جائے مگر یہ چراغ جسے قدرت روشن کر چکی ہے،اس کی روشنی میں کمی نہیں آئے گی۔

چراغ را کہ ایزد بر فروزد
کسے گر تف زند ،ریشش بسوزد

دیکھا آپ نے اللہ زمینوں آسمانوں کا نور ہے یعنی منور کرنے والا اور اس کو منور کرنے کی تدبیر کیا فرمائی ، وہی یعنی اپنے حبیب کو سراپا نور بنا کر بھیجا

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (المائدۃ..۱۵)

بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔

عبارت کے انداز ہی پر غور کیجئے۔کتنی واضح ،پر جلال کیفیت ہے۔آنے والا کس کی طرف سے آیا ہے؟اللہ کی طرف سے،آنے والا کون ہے؟نور ہے۔ (ﷺ)

ذرا آگے بڑھئے، اس کے 'ہاتھ' کی شان؟

یَدُ اللّٰهِ   اللہ کا ہاتھ

اس سے بیعت کا شرف؟

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح..١٠)

ترجمہ: وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اس کی حرکت کا مقام

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال ١٧)

ترجمہ: اور (اے محبوب) وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی

اس کی اطاعت کی حیثیت

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النسآء...٨٠)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

ہاں ہاں یہ نور ہے مگر آیا ہے شکلِ بشری میں، ہاں شکل ہی بشری ہے حقیقت وہی ہے جس کی تصریح ہو چکی

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

ترجمہ: بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا

کیا جبریل امین علیہ السلام نور ہو کر بشری شکل میں نہیں آتے تھے۔

کبھی مشہور صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں اور کبھی عام انسانی شکل میں۔ بیشمار احادیث شریفہ گواہ ہیں کہ جبریل انسانی لبادے میں آتا تھا۔ تو کیا اس بشری لبادے کی بنا پر وہ نور نہیں رہے تھے یا نہیں رہتے تھے۔ قرآن پاک میں حضرت جبریل علیہ السلام کے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لانے کا ذکر ہے تو یوں

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم..۱۷)

ترجمہ: تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

تو کیا حضرت جبریل بشر یا سویا بن کر آنے سے نور نہیں رہے؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ بشر یا سَوِیّا تو محض لبادہ ہے۔ یقیناً اللہ کا پیارا حبیب، انبیائے کرام علیہم السلام کا امام، وجہ تخلیق روزگار، کشتی انسانیت کا ناخدا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا لخت جگر اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہما کا نور نظر نور ہے۔ اور بشری لبادے سے اس کی نورانی حقیقت میں کوئی فرق بھی نہیں پڑا۔

قرآن پاک نے فرمایا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف...۱۱۰)

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود ایک معبود ہے۔

مثلکم 'تم جیسا' کس اعتبار سے، بشر چہرے بشرے میں، یا جیسا کہ اعلیحضرت نے فرمایا ظاہری صورت بشری میں، مگر کیا ساری بات اسی مشابہت تک محدود ہے، نہیں، بلکہ یوحیٰ الی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور وحی کرنے سے ظاہر ہو گیا کہ میری حقیقت اور ہے۔ میں 'وحی' کے قابل ہوں، دوسرے وحی کے قابل نہیں۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ط (الانعام..۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

ہر شخص اس 'وحی' کا متحمل کہاں

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ط (الحشر...۲۱)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش، ہوتا اللہ کے خوف سے

دوسرے مقام پر فرمایا۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○ (المزمل...۵)

ترجمہ: بیشک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔

وحی کے بوجھ کو برداشت کرنا محض بشری طاقت سے ممکن نہیں، یہاں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کا کلام نور کسی ایسی شخصیت پر ہی اتر سکتا ہے جو سراپا نور ہو، ایسی نورانی قوتوں کا حامل ہو کہ سورج اس کے ہاتھ اٹھانے سے پھر جائے، چانداس کی انگلی کے اشارے سے چر جائے، پہاڑ پر قدم رکھ دے تو

ملنے لگے، سیر کا ارادہ ہو برق بلکہ براق سواری کے لئے حاضر ہو، خادم کی ضرورت ہو، تو سب فرشتوں میں سب سے زیادہ تیز رفتار روح الامین آگے آگے دوڑتا ہو، پھر ایک وقت وہ بھی آجائے کہ سواری بھی ہمت ہار جائے اور خادم جل جانے کا خطرہ محسوس کرے، تو خود تنہا ہی آگے بڑھے، پہلے سواری کی تیزی رفتار تھی اور خادم کی، کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، اب اپنی رفتار ہے اور اس کا کیا عالم ہے۔

اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا، نہ جبریل نہ کوئی دوسرا رسول مقرب یوں سمجھئے رب تعالیٰ کُنْ یعنی ہوجا فرمائے تو سب کچھ ہوجائے، زمین بن جائے آسمان بن جائے، یعنی جس جس کو بھی بنانے کا ارادہ فرمائے کُنْ فرمادے یعنی وہ کُن (ہوجا) فرمائے اور جو کچھ بنانا چاہے، بن جائے۔ اب اپنے محبوب عالم ﷺ کو

اُدْنُ يَا اَحْمَدُ، اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ، اُدْنُ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ

ترجمہ: قریب آ اے احمد مجتبیٰ، قریب آ اے محمدِ مصطفیٰ، قریب آ اے بہترین کائنات

بالفاظ اعلیحضرت

بڑھ اے محمد، قریں ہو احمد، قریب آ سرورِ مجد

نثار جاؤں وہ کیا ندا تھی، وہ کیا سماں تھا، وہ کیا مزے تھے

جس کے ایک بار کن کہنے سے جو سب کچھ بن جائے جس کا ارادہ ہو، ایک بار ادن (قریب آ) کہنے سے قرب کی کتنی منزلیں طے ہوگئی ہونگی۔ یہ ہے اس سراپا نور کی رفتار، کیوں نہ ہو اصل نور، جان نور، اول و آخر نور یہی ہے۔ باقی سب کے لئے لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے یا استعارتاً۔ مثلاً 'شیر' کا لفظ موضوع ہوا ہے

یعنی ایک جانور کے لئے جو جنگل کا بادشاہ ہے۔اس کے لئے لفظ شیر بولیں گے تو حقیقی معنوں میں یا حقیقت کے طور پر ہوگا،اگر کسی انسان کواس کی بہادری کی بناء پر شیر کہہ لیں تو یہ حقیقت نہیں،مجاز ہے۔اوراستعارہ کر کے ایسا کہہ رہے ہیں۔لفظ نور،اصل میں وضع ہوا ہے حضور ﷺ کیلئے جب اس لفظ کو حقیقی معنیٰ میں استعمال کریں گے تو مراد حضور ﷺ کی ذات گرامی بھی ہوگی۔چاند سورج کو اگر نور کہہ دیں تو مجاز کے یا استعارے کے طور پر ہے،تفصیل اعلیحضرت قدس سرہ کے عاشقانہ اشعار میں دیکھئے۔

وضع واضع میں تیری صورت ہے معنیٰ نور کا
یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
انبیاء اجزاءُ ، ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقے سے ہے اُن پر نام سچا نور کا
یہ جو مہر و مہ پر ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے ، استعارہ نور کا

پھر آیئے اس سراپا نور ﷺ کی آمد کی طرف،یہ کس شان اور حیثیت سے تشریف لائے

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا

تو کیا محض تشریف لاتے وقت 'نور' بنائے گئے۔پہلے کیا تھے؟ پہلے بھی نور

ہی تھے اسی لئے تو 'نور' کی حیثیت سے آرہے ہیں کب سے نور ہیں، جب سے پیدا ہوئے ہیں۔ دنیا میں تشریف لانا ان کی ولادت باسعادت ہے۔ پیدا پہلے ہوئے تھے، جب پیدا ہوئے اس وقت کیا تھے؟ نور! خود فرماتے ہیں

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

ترجمہ: اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا

(مکتوبات امام ربانی، مدارج نبوت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

31

91

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیکھا آپ نے اور غور کیا

اللہ احکم الحاکمین اپنے محبوبِ اعظم، حبیب اکرم ﷺ کو من اللہ نور فرما رہا ہے (اس شان کا نور جس سے دوسرے انوار کو کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ من اللہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا مبداء و مطلع عالم بالا ہے)

خود حبیب مکرم الصادق اور الامین ﷺ فرما رہے ہیں

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (یعنی سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا) گویا حضور ﷺ نور کی حیثیت سے پیدا ہوئے (اور بشر کے لبادے میں جلوہ گر ہوئے)

آپ نے گذشتہ شمارے میں حضرت علامہ حافظ شفقات احمد صاحب مدظلہ کا تحقیقی مضمون بعنوان نورانیتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا پڑھ لیا ہوگا۔ اس میں انھوں نے دلائلِ قاہرہ وواضحہ سے حضور پرنور ﷺ کی نورانیت کا عقیدہ پیش کیا ہے۔

اس میں یہ حدیث پاک بھی آ گئی۔

يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ.....الخ

ترجمہ: اے جابر بیشک اللہ تعالیٰ نے (سب) اشیاء سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا (مصنف عبدالرزاق اور متعدد کتابیں)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی چون و چرا کے بغیر تسلیم کیا ان روایاتِ نور کو امت تک پہنچایا اور اپنے اشعار و خطبات کو اس عقیدۂ نور کے ذکر سے چمکاتے رہے بلکہ اس حد تک مانتے رہے کہ اعلیحضرت کے اس شعر کا اصل ماخذ انھیں کی طرزِ فکر ہے یعنی

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور ترا سب گھرانا نور کا

رہ گئی دلیل اس کی تو وہ ہے خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت سید عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مشہور و معروف لقب 'ذوالنورین' اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو حضور انور مالک کوثر ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت سیدہ رقیہ اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا باری باری شوہر نامدار ہونے کا شرف حاصل ہے گویا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک حضور پرنور ﷺ کی صاحبزادیاں بھی نور ہیں اور اس پر کوئی نکیر بھی نہیں یعنی کسی ایک صحابی نے بھی آپ کے ذوالنورین ہونے یا حضور پرنور ﷺ کی کسی لختِ جگر کے نور ہونے کا انکار نہیں کیا۔

اسلام کے اس زریں ترین دور میں حضور اکرم ﷺ کو کافروں اور منافقوں نے بشر کہا

یا خود حضور پرنور ﷺ نے تواضع کے طور پر اور حضور ﷺ کا خود کو تواضع کے طور پر اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (یعنی میں تم جیسا بشر ہوں) حسنِ سیرت کا ایک نہایت چمکتا ہوا عنوان ہے۔ اسی لئے اس سے پہلے قُل ہے یعنی اے حبیب تم فرماؤ۔ اور یہ فرمانا ظاہر ہے تواضع کے طور پر ہی ہے جب کہ ترجمان القرآن حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وضاحت فرمائی ہے۔

عَلَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی رَسُوْلَہُ التَّوَاضُعَ

(تفسیر خازن ومعالم التنزیل مصری)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تواضع کی تعلیم دی۔

کیوں نہ ہو حضور پرنور ﷺ کو ادب سکھانا ان کے خالق و مالک و معلم و مربی کی ذمہ داری ہے، اسی لئے فرماتے ہیں

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ (الجامع الصغیر از سیوطی)

ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا چنانچہ خوب ادب سکھایا۔

انبیائے معصومین علیہم السلام کی تواضع کے انداز قرآن حکیم میں ایک سے زیادہ بار مذکور ہوئے ہیں مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا عرض کرنا

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (الاعراف۔۲۳)

ترجمہ: دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ

برا کیا، تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔

دیکھئے حضرت آدم علیہ السلام اپنے لئے ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا یعنی ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا فرما رہے ہیں۔کیا کوئی دوسرا ان کے لئے یہ الفاظ استعمال کرسکتا ہے۔ (ہاں حافظ سعید کے سوا بہت مشکل ہے) کیوں؟ اس لئے کہ نبی کا تواضع اور عجز و انکسار کے طور پر اپنے بارے میں کچھ فرمانا دوسروں کے لئے تواضع کی دلیل تو بن سکتا ہے، مگر اسے حقیقت نہیں کہہ سکتے۔اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کا التجا کرنا اور کہنا

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ٥ (الانبیآء:۸۷)

ترجمہ: بیشک مجھ سے بے جا ہوا

نبی معصوم ہے، اپنے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو رہا ہے تو عجز و انکسار کے ساتھ ہی ہونا چاہیے، یہی بندگی کی اصل روح ہے مگر کم نظر اور کم ظرف لوگ اسے نہیں سمجھتے اور جھٹ ایسے کلمات کو دلیل بنا کر جو اُول فُول منہ میں آئے ، بکتے جاتے ہیں ۔ بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں جس حسنِ ادب سے حاضر ہو، قابل تعریف ہے یا اللہ اپنے بندے کے لئے کسی حکمت کے پیش نظر جو کچھ بھی فرمائے، مالک ہے۔ دوسروں کو حق نہیں پہنچتا کہ بغیر ادب و احتیاط کے جو واہی خیالات ذہن سے ابھرتے جائیں، انھیں زبان پر لاتے جائیں۔شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

''خواجہ را میرسد کہ با بندۂ خود ہرچہ خواہد بگوید و بکند و استیلا واستعلا نماید و بندہ نیز با خواجہ بندگی و فروتنی کند ے دیگرے راچہ مجال دیارائے آنکہ دریں مقام درآید و دخل کند و از حد ادب بیروں رود وایں مقام پائے لغزبسیارے از ضعفا و جہلا و تضرر ایشان است ('' ملخصا'' مدارج النبوۃ کشوری ج:١)

ترجمہ: آقا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے بندے کو جو چاہے کہے اور کرے اور عظمت وسطوت کا اظہار کرے اور غلام بھی اپنے آقا کے روبرو بندگی اور عجز کا اظہار کرے کسی دوسرے کی کیا مجال و طاقت ہے کہ اس مقام میں آ کر مداخلت کرے اور حد ادب سے باہر نکلے۔ یہ مقام بہت سے ضعیفوں اور جاہلوں کی لغزش کا اوران کے ضرر کا ہے۔

بات ہو رہی تھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرزِ فکر و بیان کی، جو یہ ہے کہ جس طرح آج بھی نعت کا ایک اہم عنوان حضور پرنور ﷺ کی نورانیت ہے، صدر اول میں بھی یہی صورت حال تھی بلکہ حق یہ ہے بعد والوں نے نعت کا انداز اور نعت کے مضامین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح عشق و ادب میں ساری امت کے امام اور استاد ہیں یونہی اظہار عشق و ادب میں بھی بعد میں آنے والوں کے مقتدا و پیشوا ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ حضور پر

نور ﷺ نے قرآن پاک اپنے رب سے سیکھا

الرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ (الرحمٰن:۱،۲)

ترجمہ: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک خود حضور پرنور ﷺ سے سیکھا

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ (اٰل عمران:۱۶۴)

ترجمہ: رسول (ﷺ) ان (مومنوں) کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

لہٰذا بعد کی امت میں کوئی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر قرآن کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ان سے زیادہ اس پر عمل کرسکتا ہے۔ جب یہ حضرات اپنے اشعار میں حضور پرنور ﷺ کو 'نور' کہتے ہیں تو بعد والوں کا بھی وطیرہ ہوگیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پرنور ﷺ کی یکتائی کی دہائی دیتے ہیں تو کس کو جرأت ہے کہ اس راستے سے ہٹے۔ ہاں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع اجماع امت کی خشتِ اول ہے اور ان کا طرز عمل دوسروں کے لئے حجت قطعیہ ہے۔ بلاشبہ وہ معیارِ حق ہیں: پوچھئے قرآن پاک سے فتویٰ۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

ترجمہ : پھر اگر وہ بھی یونہی ایمان لائے جیسا تم لائے جب

[redacted]

تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہیں۔

ویسے بھی کسی کا تعارف کرانا ہو تو وصف مشترک سے نہیں کرایا جا سکتا۔ مثلاً آپ اپنے کسی دوست کا تعارف کسی اور دوست سے کرانا چاہتے ہیں تو یہ نہیں کہیں گے کہ 'جی یہ ایک بشر صاحب ہیں'۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ بشر ہیں۔ پوچھنے والے کا مطلب بھی یہ ہرگز نہیں تھا کہ بشر ہیں یا کوئی اور مخلوق۔ بشریت تو واضح ہے، اگلی بات کیجئے جو مخصوص ہو۔ مثلاً صاحب مولانا ہیں، پرنسپل صاحب ہیں، جج صاحب ہیں یا ڈاکٹر صاحب ہیں۔ اگر اسی بشریت پر ہی اصرار کریں گے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ آپ انھیں مولانا پرنسپل جج یا ڈاکٹر نہیں مانتے۔

کفار انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں انھیں بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ہم جیسے بشر) کہنے پر زور کیوں دیتے تھے، اس سے ان کا مقصود یہی ہوتا تھا کہ ہم آپ کو نبوت سے سرفراز نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک نبی کو بشر کے لباس میں نہیں آنا چاہیے اور آئے تو وہ نبی نہیں رہتا۔ انھیں سمجھایا جاتا کہ نبی کا لباس بشریت میں آنا تمھارے فائدے کے لئے اور تمھیں فیض دینے کے لئے ہے۔ اگر انسانوں کی ہدایت کے لئے کفار کے مطالبے کے مطابق کوئی فرشتہ بھی آتا تو بشر کے لبادے میں آتا۔ مگر شرک و کفر کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے

لوگوں کی سمجھ میں نور کہاں سے آئے۔ کتنا احمقانہ معیار تھا ان کا، ایک طرف وہ جانوروں ،سنپولیوں،درختوں ، ندیوں پہاڑوں کو بھی خدا مان لیتے تھے دوسری طرف وہ بشر کا نبوت کے مقام تک پہنچنا محال جانتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک ہر چھوٹی بڑی چیز خدا تو ہوسکتی ہے مگر نبی ہونے کے لئے فرشتہ ہونا شرط ہے۔ انھیں بتایا جاتا تھا کہ جسے تم اپنے جیسا دیکھ رہے ہو، یہ صرف دیکھنے کی حد تک ہی تم جیسا ہے ورنہ جو اس میں صلاحیتیں اور طاقتیں ہیں وہ فرشتوں میں بھی نہیں۔ وہ اللہ جو سب کا خالق و مالک ہے اس نے ایسے ہی بشر کو اپنی خلافت سے نوازا تھا اور سب فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علم سے ان کا علم کم اور اس کی قدرت و طاقت سے فرشتے کی طاقت کم۔ فرشتے اس کے نوکر ہیں ، خادم ہیں مگر اخلاقی اعتبار سے نہایت ہی پستی میں گرے ہوئے لوگ جب اپنی اور ساتھیوں کی 'بشریت' کے کرتوت دیکھتے تھے تو احساس کہتری کا شکار ہو کر سمجھ بیٹھتے تھے 'بشر' سراپا شر ہوتا ہے، وہ کسی بڑے منصب کے لائق کہاں۔ انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے جیسا بشر تمہارے تصور میں ہے، واقعی اس سے خیر کی توقع کم ہے مگر

جس پر اللہ فضل فرمادے اور جسے گویا اللہ بشریت کی رزالتوں سے نکال کر صالحیت کی جلالتوں تک پہنچادے، اس کے مقام کو فرشتے پا تو کیا سمجھ بھی نہیں سکتے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ (ابراہیم۔۱۱)

ترجمہ: ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے

دیکھئے بشر پر اللہ کا خصوصی فضل ہوتا ہے تو اسے نبوت ورسالت کے لئے منتخب فرمالیتا ہے اور اس کی صلاحیتوں میں کئی گنا اضافہ کردیتا ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ (الانعام:۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

آیئے ان مخصوص صلاحیتوں کی بہار دیکھیں

نبوت اور سامعہ: حضرت سلیمان علیہ السلام پرواز میں ہیں۔ چیونٹیوں کی ملکہ انھیں بلوں میں گھس جانے کا حکم دیتی ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (النمل۔۱۹)

ترجمہ: تو اس کی بات سے مسکرا کر ہنسا۔

نبوت اور شامہ :(سونگنے کی طاقت) برادرن یوسف علیہ السلام کا قافلہ آپ کا پیراہن لے کر مصر سے چلتا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام ملک شام میں فرماتے ہیں

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ (یوسف۔۹۴)

ترجمہ جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا بیشک یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ گیا ہے۔

نبوت اور مشاہدہ: ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں رب نے فرمایا

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام۔ ۷۶)

ترجمہ:اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

مفسرین کے مطابق آپ کو ایک پتھر پر کھڑا کر کے فرمایا گیا کہ اوپر دیکھو تو اوپر کی ہر چیز دکھائی گئی پھر نیچے دیکھو تو تحت الثریٰ تک ہر چیز دکھائی گئی اس ساری وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ بشر پر خصوصی توجہ دے کر اسے نبوت سے سرفراز فرماتا ہے تو اس کی صلاحیتوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ پھر وہ عام بشر نہیں رہتا۔ دیکھنے میں تو وہ بشر ہی نظر آرہا ہے جس طرح حضرت جبریل انسانی شکل میں ہی بارگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوجایا کرتے تھے (جیسا کہ

اوپر گزرا) مگراس کی نورانی قوتیں اور صلاحیتیں اعلان کر رہی ہیں کہ

'بشر کجا' 'نبی کجا'

بشریت ظاہر تھی، لباس تھی۔ نبوت حقیقت تھی، اندر نور ہی نور تھا۔ کافروں کی ظاہر بین آنکھیں 'غیب' کیا دیکھتیں اور غیب کیا مانتیں۔ انھیں بشریت کے سوا کچھ نظر نہ آتا، چنانچہ وہ نبوت کا انکار کر دیتے اور تباہ و برباد ہو جاتے۔ حضرت مولانا روم علیہ الرضوان فرماتے ہیں

کافراں رادیدۂ بینا نہ بود

نیک و بد در دیدشاں یکساں نمود

ترجمہ: کافروں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہیں تھی، انھیں اچھی بری چیز یکساں نظر آتی تھی۔

مختصر یہ کہ صحابہ کرام علیھم الرضوان نے نور سمجھا، نور مانا اور نور کہا۔ ان کی نعتیں اس بات پر گواہ ہیں کہ وہ حسب موقع نور اور یکتائی جیسے مضامین کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بناتے تھے۔ حضور انور ﷺ کے چچا حضرت عباس علیہ الرضوان نے خیبر سے واپسی پر نعت سنانے کی اجازت چاہی جو مل گئی۔ اس میں ایک شعر یہ بھی تھا (باقی نعت بھی گویا میلاد نامہ ہے)

وَأَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ

وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْأُفُقُ

ترجمہ: اور جب آپ پیدا ہوئے، آپ کے نور سے زمین چمک

اٹھی اور آفاق روشن ہو گئے۔

پھر شاعر دربارِ رسالت کے یہ اشعار تو زبان زدِ خاص و عام ہیں

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ
وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءً ا مِنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

ترجمہ: یارسول اللہ آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا (بلکہ) آپ سے زیادہ جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں (لہٰذا دیکھنے کا کیا سوال ہے) آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ کو یوں پیدا فرمایا گیا جیسا آپ چاہتے تھے۔

دیکھا حضور پرنور ﷺ کے چچا جان نے آپ کے نور محیط ارض و سما کو خراج تحسین پیش کیا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی یکتائی کا مضمون نہایت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ یعنی کافروں کے قول بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ہمارے جیسا بشر) کہنے کی بجائے ایمان والوں کی نمائندگی کی اور یکتائی کا مضمون اس طرح ادا کیا کہ یہ انداز بھی یکتا ہو گیا۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ قصیدۂ نعت لکھ کر ایمان و امان پانے آئے تو بارگاہ رسالت ﷺ سے سب کچھ ملا۔ اسی میں ایک شعر یوں ہے

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ

مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلٌ

ترجمہ: بیشک رسول اللہ وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھینچی ہوئی چمکتی تلوار ہیں۔

یاد رہے کہ انھیں آپ نے انعام میں اپنی لا جواب نورانی چادر عطا فرمائی۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعزاز یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ خود ان کے لئے ممبر بچھواتے اور انھیں اس پر بٹھا کر ان سے نعت سنتے اور ان کے لئے دعا فرماتے اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (اے میرے اللہ اس کی امداد روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ فرما) آپ نے نعت خوان کے اس اعزاز پر غور کیا..........آخر کیوں؟ اس لئے نہیں کہ نعت صرف حضور ﷺ کی نعت ہے، بلکہ اس لئے کہ حضور پرنور ﷺ کی نعت اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد اور اس کے بہترین احسانات کا ذکر ہوتا ہے جو اس کے حبیب پاک ﷺ کے شامل حال ہوتے ہیں۔گویا حضور ﷺ کی نعت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا شکر ہے

وَ اَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ٥ (الضحیٰ۔۱۱)

ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعت کی اجازت لی تو انہیں بھی دعا سے سرفراز فرمایا نیز فرمایا کہو اللہ تعالیٰ تمھارے منہ کو سالم رکھے۔

تھانوی صاحب اجازت دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(چونکہ حضور کی مدح خود اطاعت ہے اس لئے آپ نے) ارشاد فرمایا کہو

اللہ تعالیٰ تمھارے منہ کو سالم رکھے۔

حضور ﷺ کے نور کا ذکر صرف نور کے لفظ سے نہیں ہوا بلکہ دوسرے الفاظ سے بھی ہوا ہے مثلاً قرآن پاک میں سراجاً منیراً (چمکا دینے والا آفتاب) والشمس، والضحیٰ، والفجر، جیسی قسمیں بھی دراصل مفسرین کے نزدیک حضور پرنور ﷺ کے روئے پرنور کی قسمیں ہیں اور واللیل (رات کی قسم) میں دراصل حضور ﷺ کے موئے مبارک کی قسم ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

اگر نہ واسطہ موئے و روئے او بودے
خدائے خلق نہ گفتے قسم بہ لیل و نہار

یعنی اگر آپ کے چہرۂ مبارک اور گیسوئے عنبرین کا واسطہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ دن اور رات کی قسم ذکر نہ فرماتا۔

قرآن پاک کے تتبع میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو شعر ملاحظہ فرمایئے

لَنَا شَمْسٌ وَلِلْاٰفَاقِ شَمْسٌ
وَشَمْسِیْ فَوْقَ مِنْ شَمْسِ السَّمَاءِ
وَشَمْسُ النَّاسِ تَطْلَعُ بَعْدَ فَجْرٍ
وَشَمْسِیْ تَطْلَعُ بَعْدَ الْعَشَاءِ

ترجمہ: ایک لوگوں کا سورج ہے، ایک ہمارا سورج ہے۔ اور لوگوں کے سورج سے ہم اہل بیت کا سورج بہتر ہے کیونکہ

لوگوں کا سورج تو صبح کو طلوع ہوتا ہے (اور شام کو غروب) مگر
ہمارا سورج رات کو بھی غروب نہیں ہوتا (بلکہ جب دن بھر کی
مہمات اور مصروفیات نپٹا کر گھر تشریف لاتا ہے تو اس کی چمک
دھمک کے کیا ہی کہنے)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ ذوق محبت تابعین کو ورثے میں ملا اور حضور پرنور ﷺ کی نعت کے چرچے رہے اور ورفعنا لک ذکرک کی تفسیریں ہوتی رہیں۔ کوئی ایسا فقیہ، محدث، عارف نظر نہیں آتا جس نے حضور ﷺ کی بارگاہ نور میں دل کے جذبات کا نذرانہ شعر کی صورت میں ادا نہ کیا۔ اس دور کے بہترین اور مشہور ترین نمائندے حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انھیں کے قصیدے کے اشعار دیکھ لیجئے۔

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ الْوَرٰی
کَلَّا وَ لَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَ
اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُّوْرِکَ الْبَدْرُ اکْتَسٰی
وَ الشَّمْسُ مُشْرِقَۃٌ بِنُوْرِ بَھَاکَ

ترجمہ: نہ ہوتے آپ تو ہوتا نہ کوئی شخص بھی پیدا
ہے اک سرکار کا صدقہ ظہور عالم امکاں
ہوا ہے ماہ کامل آپ ہی کے نور سے روشن
ہوا مہر درخشاں آپ ہی کے فیض سے رخشاں

یہ تھے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے ائمۂ تفسیر و حدیث بھی اس بارگاہ عرش پناہ میں اپنے اپنے زمانے میں خراج تحسین پیش کرتے رہے۔ کسی طرف سے حکیم الاسلام مولانا روم سٹیج پر آئے اور زمزمہ سرا ہوئے

سید و سرور محمد نور جاں . بہتر و مہتر شفیع مجرماں

کسی طرف سے فخر الاولیاء حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ آ گئے اور فرمانے لگے۔

کلیمے کہ چرخِ فلک طور اُوست
ہمہ نور ہا پرتو نور اُوست

عشق کی ایک اور آواز ابھری۔ یہ رئیس العاشقین حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ ہیں۔

صلی اللہ علیٰ نور کزوشد نور ہا پیدا
زمیں از حب او ساکن فلک در رشک وے شیدا

لو بارگاہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں قصیدۂ نور لئے مجدد ملت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ بھی آ گئے

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

لیجئے حکیم الامت اقبال علیہ الرحمہ کا ترانہ بھی سن لیں۔ آپ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کر رہے ہیں

چشم ہستی صفت دیدۂ اعمیٰ ہوتی

دیدۂ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

خیر چودہ صدیوں سے یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ساری امت اپنے اپنے رنگ میں نور کے نغمے گا رہی ہے۔ہاں انگریزوں کی منحوس آمد کے بعد نجد و دیوبند کے جیالوں کو کسی نے سمجھایا کہ (نبی کی) 'بشر کی سی تعریف کرو بلکہ اس میں بھی اختصار کرو'۔چنانچہ انھوں نے پہلی قوموں کی طرح بشریت سے آگے کچھ ماننے سے انکار کر دیا،مناظرے ہوئے،مجادلے ہوئے،مذاکرات اور مباحثے ہوئے مگر جو سبق سیکھا تھا،اس پر اڑے رہے۔حالانکہ بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی اعتراف کر چکے تھے

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کچھ بھی کسی نے بجز ستار
سوا خدا کے بھلا کوئی تجھ کو کیا جانے
تو شمس نور ہے شپر غط اولوا الابصار

اور دیوبند کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اپنی کتاب نشر الطیب میں بڑی تفصیل سے حضور ﷺ کے نور کے دلائل دے چکے تھے۔مگر یار لوگوں نے نہ اپنے قاسم العلوم والخیرات کی پروا کی اور نہ اپنے حکیم الامت کو پلے باندھا۔ہاں انھوں نے نور مانا مگر حضور ﷺ کو نہیں،بلکہ اپنے مولویوں کو۔کیا غضب ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے معاذ اللہ نور نہ ہونے پر مناظرے کرتے رہے مگر اپنے مولوی کو نور ماننے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی۔مثلاً

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی مولوی خلیل انبیٹھوی کے بارے میں تذکرۃ الخلیل میں فرماتے ہیں

(۱)......مولانا خلیل احمد تو نور ہی تھے۔ان میں نور کے سوا کچھ نہیں

(برطانوی مظالم کی کہانی)

تھانوی صاحب کی کتاب حکایات اولیاء کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو،

(۲) ''مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔وہ شخص ایک فرشتۂ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا''۔(برطانوی مظالم کی کہانی)

اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی ملتان جیل میں تھے تو قاضی صاحب نے مولوی احمد علی صاحب لاہوری کو کس رنگ روپ میں دیکھا۔ یہ مولوی مناظر صاحب کے قلم سے پوچھئے،

''قاضی صاحب کہتے ہیں کہ میں ان (لاہوری صاحب) کی کوٹھڑی کے پاس سے گزرتا تو یہ معلوم ہوتا کہ اللہ کا نور اللہ کی بارگاہ میں سربسجدہ ہے''

(برطانوی مظالم کی کہانی)

ہم حضور ﷺ کو اللہ کا نور کہیں تو شرک لیکن نجد و دیوبند کے سپوت اپنے مولویوں کو کس بے تکلفی سے 'اللہ کا نور' اور 'نور ہی نور' کہہ رہے ہیں اب شرک کا کوئی

خوف نہیں ۔غور سے پڑھئے ایک مقام آرہا ہے۔کہ گدایانِ کوئے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام بھی اپنے آقا و مولا حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کا ذکر خیر اس انداز میں نہیں کر سکتے ، اور کوئی کرے تو اسے شرک سمجھتے ہیں ۔ تاہم نجدیوں دیوبندیوں کے نزدیک ان کے مولوی کیا ہیں ۔درج ذیل اقتباس کو دیکھئے جو شیخ الاسلام نمبر سے لیا گیا ہے اور مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے بارے میں ہے

"تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس کے عرش عظمت وجلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کر سکے کہ رب العلمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کے تمہارے گھروں میں بھی آ کر رہے گا"۔(برطانوی مظالم کی کہانی از مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری)

اعظم جتھے دل لگ جاوے اوتھے عیب نظر نہیں آندا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

32

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ محبت: محبوبانِ خدا کے کمالات کے منکرین کا اپنا کمال دیکھا کس طرح مولانا حسین احمد ٹانڈوی کو خدا بنایا جا رہا ہے، مزید ایک بار اس عبارت کو پڑھئے اور ان 'اندھوں' کے مست نظارۂ جمال ہونے کی کیفیت ملاحظہ کیجئے جو خدائے یکتا کے محبوب یکتا علیہ التحیۃ والثناء میں نور کی کرن تک دیکھنے کے بھی منکر ہیں۔ ہاں ہاں دوبارہ پڑھئے۔

''تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس کے عرش عظمت وجلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کر سکے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر کے تمھارے گھروں میں آ کر رہے گا'' (شیخ الاسلام نمبر)

کیا مطلب؟ یعنی مولانا حسین احمد ٹانڈوی جو گاندھی جی کے بندۂ بے دام تھے، گلی کوچوں میں نہیں پھر رہے تھے، خدائے پاک جو چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے پاک ہے، پھر رہا ہے، ظاہر میں وہ ایک مولوی تھا یعنی حسین احمد ٹانڈوی، مگر باطن میں وہ ان کے نزدیک خدا ہی تھا۔ جس شخص کو تم فانی انسانوں سے عجز و انکسار سے پیش آتا دیکھ رہے ہو، اسے اگر مولانا حسین احمد ٹانڈوی سمجھتے ہو، تو غلط ہے حقیقت میں (معاذ اللہ) خدا ہے جو اس لباس میں اتنی نیاز مندی دکھا رہا ہے۔ پھر ہاں ہاں تم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اللہ رب العالمین تمھارے ساتھ تمھارے گھروں میں آ کر رہے گا، لیکن ایسا ہو گیا کیونکر تمھارے گھر میں جسے تم حسین احمد ٹانڈوی خیال کرتے ہو، یہ وہی اللہ رب العلمین ہی تو ہے، دیکھا عشق کا کمال؟ کسے کہاں تک پہنچایا جا رہا ہے، اور دیکھی محبت کی نگاہ؟ کسے کیا دیکھ رہی ہے، غیر جانبداری سے تحقیق کر لیجئے کیا دیوبندی حضرات نے کبھی اللہ رب العلمین کے سب سے بڑے محبوب و مطلوب حضور شافع یوم النشور ﷺ کی شان میں یہ انداز اختیار کیا ہے اور کبھی یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اللہ رب العلمین ہی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں رحمۃ للعالمین کا لبادہ اوڑھ کر گلیوں میں پھرا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ فرزندان دیوبند کی محبت کا منتہیٰ ان کے اساتذہ و مشائخ ہیں، ان کی محبت انھیں ملاؤں سے شروع ہوتی ہے اور انھیں پر آ کے ختم ہوتی ہے۔ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا رویہ عشق و مستی کا

نہیں، بغض وعناد کا ہے، غلامانہ نہیں، باغیانہ ہے، مومنوں والا نہیں، منکروں والا ہے۔ مگر اپنے ملاؤں اور پیروں کے بارے میں جو انداز اختیار کرتے ہیں، فرمایئے اگر یہ بھی شرک نہیں تو شرک کسے کہتے ہیں۔ ہم مظلوم و مسکین جو دن رات ان کے تیروں کی زد میں رہتے ہیں، کیا ہم میں سے کسی نے بھی کسی پیر فقیر کے بارے میں یہ کچھ کہا ہے۔ بلکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع اور دنیا و حشر میں اللہ رب العلمین کے بعد ہمارا سب کچھ ہیں، کیا ان کیلئے بھی کبھی یہ انداز اپنایا جو دیو بندی قلم کار اپنے دیو بندی پیر حسین احمد ٹانڈوی کیلئے اختیار کئے ہوئے ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ کہیں تو یہی عرض کرتے ہیں۔

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

مقام حبیب ﷺ: گویا ہم جو کچھ بھی اپنے آقا و مولا ﷺ کو مانتے ہیں، بعد از خدا ہی مانتے ہیں، انھیں ہرگز ہرگز خدا نہیں کہتے، رب العالمین نہیں کہتے، ہمارے عظیم بزرگ، شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ جو عشق رسول ﷺ میں بھی نہایت اونچے مقام پر فائز ہیں، فرماتے ہیں

مخواں اورا خدا از بہر حفظ شرع و پاس دیں
دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املا کن

اسی نقطہ نظر کی آزاد ترجمانی کرتے ہوئے ایک شاعر بارگاہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں عرض کرتا ہے۔

خدا تیرا خُدا ہے ، تو خدا کا پاک بندہ ہے
خدا تو تُو نہیں ، نور خدا ، شان خدا تو ہے
تری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھ کو شایاں ہے
مگر اک ناروا یہ ہے کہ یوں کہیے 'خدا تو ہے'

اسی بات کو امام بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے مشہور ومقبول قصیدہ بردہ شریف میں یوں واضح کیا ہے۔

دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِی نَبِیِّھِمْ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً وَّاحْتَکِمِ
وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ
حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

ترجمہ: جونصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہا وہ نہ کہہ، اس کے سوا جس قدر چاہے آپ کی مدح میں کہہ اور سن اور جو شرف بھی چاہے آپ کے ذات سے اور جو عظمت بھی چاہے آپ کی شان سے منسوب کر کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فضل کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ کہنے والا اپنے منہ سے ظاہر کر

سکے۔(یعنی عیسائیوں کی طرح خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہنا، باقی سب کچھ ٹھیک ہے۔

غور فرمایا آپ نے بزرگانِ دین میں سے جس نے بھی محبوب اعظم، شفیع اُمم رسول اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف کا ارادہ کیا، سخت احتیاط و پابندی کا مظاہرہ کیا اور صاف صاف فرمادیا کہ کہیں جوش میں ہوش نہ گنوا دینا اور حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو 'خدا' نہ کہہ دینا، ہمارے اقبالؔ کو لے لیجئے، کتنا پیار تھا انھیں محبوب رب العلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نگاہ ایمان ان کے نزدیک نگاہ عشق و مستی ہی تو ہے، اور نگاہ عشق و مستی بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا ! !
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسٓ، وہی طٰہٰ

ایک یہ نگاہِ عشق و مستی ہے کہ خدا کے بعد کائنات کی سب سے بڑی شخصیت کو بھی 'خدا' یا 'رب العلمین' نہیں دیکھتی بلکہ اول و آخر، قرآں و فرقاں اور یٰسٓ و طٰہٰ ہی دیکھتی ہے۔ اور دوسری طرف صورتِ حال یہ ہے کہ پیر صاحب گھر میں نہیں رہتے یہ خدا صاحب ہیں جو گھر میں رہتے ہیں اور یہ پیر صاحب نہیں جو بازاروں میں ٹہل رہے ہیں بلکہ رب العلمین صاحب ہے جو اس لبادے میں چکر

لگا رہا ہے، (معاذ اللہ)

طرزِ رضا: آیئے اب اس شخصیت کی طرف جو اہل محبت کا امام ہے مگر نجد و دیوبند نے اہل بدعت اور اہل شرک کے امام کے طور پر پیش کیا ہے اور جس کے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈا بڑے شد و مد سے صرف اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنے اللہ کے سب سے بڑے محبوب ﷺ کا باغی نہیں تھا جس طرح نجد و دیوبند کے جیالے اللہ اور اس کے سب سے بڑے محبوب ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے تھے وہ برداشت نہیں کرتا تھا۔ ہاں ہاں یہ ہیں اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ جنھیں یارسول اللہ کہنے، حضور پرنور ﷺ کے علومِ واسعہ کا اقرار کرنے اور آپ کی بے مثل عظمت کے گیت گانے پر مشرک کہا گیا۔ وہ ساری عمر اس حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے گن گاتے رہے مگر بتاؤ تو کبھی انھوں نے حضور پرنور ﷺ کو خدا کہا، ہرگز نہیں، کہیں نہیں، ایک بار نہیں۔ کہیں رب العلمین کہا، قطعاً نہیں۔ کتنے دکھ کی بات ہے جو اپنے پیر کو بھی خدا اور رب العلمین کہہ رہا ہے، اسے تو توحید کا ٹھیکیدار سمجھا جائے بلکہ اس کی تحریر اہتمام سے علما کے جریدے میں شائع کی جائے پھر اسے عام کیا جائے اور حیرت یہ ہے سارے بیابان نجد و دیوبند میں سے کسی طرف سے کوئی احتجاجی آواز بلند نہ ہو۔ اور جو محبوب اکرم ﷺ کی شان میں ایسا کوئی لفظ بھی استعمال نہ کرے جو خدا کی ذات کیلئے خاص ہو، مثلاً واجب الوجود، اسے معاذ اللہ بدعتی و مشرک کہا جائے۔ کیا آپ کو معلوم ہے

اعلیٰحضرت نے حمد و نعت میں کیا فرق بیان کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں

"حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو
لوگ آسان سمجھتے ہیں، اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر
بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچا جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص
ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا
چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلا حد نہیں اور
نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے"

(ملفوظات حصہ دوم)

وہ لوگ جنہیں محبوب خدا حبیب کبریا علیہ افضل التحیۃ والثناء کے عشق کا کوئی ذرہ بھی مل جاتا ہے، شرک سے بچ جاتے ہیں (جیسا "اتحاد ملت کی ضرورت وصورت" میں کہیں مضمون آچکا ہے) اس لئے کہ حضور پرنور ﷺ شرک سے سخت بیزار ہیں اور حضور ﷺ کا عاشق طبعاً ایسی ہر بات سے گریزاں ہوتا ہے جو اس کے محبوب ﷺ کو ناگوار ہو) اس کی واضح مثال خود اعلیٰحضرت فاضل بریلوی بھی ہیں۔ اللہ کا نام پاک جس ادب و احترام سے آپ لکھتے ہیں، ان کے معاصرین میں سے کوئی نہیں لکھتا اور جس طرح توحید کا مضمون آپ نے نکھارا ہے آپ کے زمانے میں کسی اور صاحب نے نہیں نکھارا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جنھیں اعلیٰحضرت سے خداواسطے کا بیر ہے اور وہ کوئی موقعہ بھی فتویٰ شرک لگائے بغیر 'ضائع' نہیں کرنا چاہتے،

اگرانھیں کو'توحید'ہی کے معیار پراعلیحضرت فاضل بریلوی کے مقابل لایا جائے تو یہ عجیب بات کھل کرسامنے آجائے گی کہ ان کی توحیداس فخر عاشقان رسول ﷺ کی توحید کے مقابلے میں سخت مجروح، ناقص اور بےنور ہے۔ اگر چہ مخالفین ظاہراً توحید ہی کواپنا اوڑھنا بچھونا بنائے بیٹھے ہیں تاہم حقیقت میں 'توحید' کے نام پر 'توحید' کوسب سے زیادہ 'شرک آلود' کرنے والے بھی وہی ہیں ۔ یہاں ایک حدیث پاک یادآگئی جسے علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

"حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" مجھے تم پراس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھتارہے گا۔ حتیٰ کہ اس پرقرآن کی رونق آجائے گی اوراسلام کی چادراوڑھے رکھے گا جب تک اللہ نے چاہا، پھروہ اس چادر سے صاف نکل کرپس پشت پھینک دے گا۔ اوراپنے پڑوسی کومشرک کہہ کراس پرتلوار چلانے لگے گا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی! دونوں میں سے شرک (کے فتویٰ) کا زیادہ مستحق کون ہوگا؟ شرک کی تہمت میں آنے والا یا شرک کی تہمت لگانے والا۔ آپ ﷺ نے فرمایا 'شرک کی تہمت لگانے والا شرک (کے فتویٰ) کا زیادہ مستحق ہے" (تفسیرابن کثیرج۲ص۲۶۵مطبوعہ مصر)

یہ فیصلہ سنا آپ جو کائنات کے سب سے بڑے نبی اور اللہ کے بعد سب سے بڑے حاکم ﷺ نے صادر فرمایا ہے۔یعنی فتویٰ شرک کا زیادہ مستحق خود وہی ہے جو اہل ایمان و توحید کو بلا وجہ مشرک ٹھہرا رہا ہے۔ہاں ہاں کتنی عجیب صورت حال ہے کہ بظاہر عموماً شرک کا فتوی لگاتے ہیں،کون؟ فرزندان نجد و دیوبند اور کن پر؟ اہل سنت پر (جنھیں وہ بریلوی کہتے ہیں) حقیقت میں فتوی شرک کے زیادہ مستحق کون؟ خود مشرک کہنے والے یعنی نجد و دیوبند کے جیالے

دیوبند کی پیر پرستی: اور زندہ ثبوت اس کا اوپر گزر گیا یعنی یہ عام مسلمانوں کو پیر پرست اور مشرک کہنے والے خود اپنے پیر کو خدا اور رب العالمین کہتے ہوئے شرماتے نہیں۔'پیر پرست' اصل میں تو وہ ہے جو پیر کو خدا کہے یا رب العالمین اور ظاہر ہے یہ لفظ دیوبندی کہہ رہے ہیں اپنے پیر ٹانڈوی کو۔اس سلسلے میں فاضل بریلوی قدس سرہ کا رد یہ و عقیدہ کیا ہے؟ فتاوٰی رضویہ کی ج ۶ میں ایک مختصر سا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے

> "الجواب: مرشد کو خدا کہنے والا کافر ہے اور اگر مرشد اسے پسند کرے تو وہ بھی کافر۔مرشد برحق کی قدم بوسی سنت ہے اور سجدہ ممنوع ہے"

غرض اعلیحضرت' ان کے خاندان بلکہ اہل سنت کے کسی عالم دین کی نظم و نثر میں یہ مضمون آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ اس نے معاذ اللہ، اللہ کے سوا کسی کو'خدا' یا'رب العالمین' کہا ہو،مگر نجد و دیوبند کے صنم خانے ان آلائشوں اور نجاستوں سے

اٹے پڑے ہیں۔ان کے ہاں توصیف وتنقیص کاایک مخصوص انداز ہے۔جب یہ اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں تواس کے محبوبوں کے اوصاف وکمالات کاانکار ہی انھیں مقصود ہوتا ہے۔حالانکہ اللہ کی قدرت بیان کرنا مقصود ہو یا رحمت، دونوں صورتوں میں مخلوق کے حوالے سے بات عام فہم اور مدلل ہو جائے گی۔حمد یہ ہے کہ اللہ نے مخملیں زمین بچھائی اور سنہری آسمان کی چھت سجائی۔اللہ نے پہاڑوں کی میخیں گاڑیں، سمندر بنائے اور ندیاں جاری کر دیں وغیرہ اسی طرح بیان کرتے جایئے جو مخلوق جتنی عظیم ہوگی، اس کے حوالے سے اللہ کی عظمت اور واضح ہوگی۔اگر حق یہی ہے تو اللہ کی ساری مخلوق میں سوچئے سب سے ارحم واکرم، سب سے اعظم و افخم احسن واجود حضور ﷺ کے سوا کون ہے۔دیکھئے حضور پرنور ﷺ کی نعت تو حمد کا بہترین مضمون ہے، کیوں نہ ہو اللہ نے خود حضور ﷺ کو 'برہان' بنا کر بھیجا ہے اور برھان فرمایا ہے۔حضور پرنور کی ذات اللہ کی ذات کی مظہر اور حضور ﷺ کی صفات اللہ کی صفات کی برہان ہیں۔یعنی

دعویٰ ہے کہ اللہ یکتا ہے	اور دلیل یہ کہ حضور ﷺ یکتا ہیں
دعویٰ ہے کہ اللہ عالم الغیب ہے	اور دلیل حضور پاک ﷺ کے علم غیبیہ
دعویٰ اللہ ارحم الرحمین ہے	اور دلیل حضرت محمد ﷺ کا رحمۃ للعلمین ہونا
دعویٰ ہے کہ اللہ قادر مطلق	اور دلیل حضور ﷺ کے معجزات وتصرفات

حمد ونعت کی یکجائی: حقیقت تو یہی ہے کہ اللہ کی شان وعظمت اس کی مخلوق

کے حوالے سے ظاہر ہوتی ہے اور حضور پرنور ﷺ چونکہ 'برھان' ہیں اس لئے حمد کا مضمون بھی سب سے زیادہ مدلل و محکم اس وقت ہوتا ہے جب حضور ﷺ کی خدا داد عظمتوں کو حمد کی دلیل ٹھہرایا جائے دراصل 'حمد و نعت' کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا مثلاً "حضور ﷺ پیکر حسن و جمال ہیں" یہ نعت ہے اور "اللہ نے حضور پرنور ﷺ کو پیکر حسن و جمال بنایا، یہ حمد ہے۔ دیکھئے قرآن پاک

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۝

ترجمہ: بیشک ہم نے تجھے کوثر عطا کی

تو ظاہر ہے اللہ کا کوثر عطا فرمانا حمد ہے اور حضور ﷺ کا کوثر لینا نعت ہے۔

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ!

اور سیکھنے کا نتیجہ؟ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

وہی رب ہے جس نے تم کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بنایا تجھے حمد ہے خدایا

دیکھا آپ نے قرآن سے نعت گوئی سیکھنے والے نے حمد و نعت کو کس طرح یکجا کیا، مگر نجد و دیو بند کے سپوتوں نے اللہ و رسول کو بھی ایک دوسرے سے جدا سمجھا اور ان کی شان و عظمت کو بھی ایک دوسرے کی نفی خیال کیا۔ ان کم بختوں کی توحید کچھ

یوں ہے کہ "اللہ خالق ہے، ساری قدرتوں کا مالک ہے، کسی کو کچھ نہیں دیتا اور اگر کسی کو کچھ دے تو توحید کمزور ہو جاتی ہے، اس کے سوا کسی کو نہیں ماننا چاہئے، سب نبی ولی مل کر مکھی کا پر نہیں بنا سکتے، اس کے حضور ذرہَ بے مقدار سے بھی کمتر ہیں۔ ان کے نزدیک اگر اس کی رحمتوں کا ذکر کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے، ان کے خیال میں اللہ کے نزدیک معاذ اللہ دوست ودشمن سب برابر ہیں۔ اس کی بارگاہ میں کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا، معاذ اللہ! معاذ اللہ اللہ کی رحمت کا مضمون ان کے مزاج ہی کے مطابق نہیں ہے، آپ بھی تقویت الایمان دیکھ لیں اللہ کے پاک بندوں اور خلیفوں کو بتوں کی طرح (معاذ اللہ) بے بس، بے علم، سمجھنا ہی ان کی توحید کا اہم عنوان ہے۔ اس ناپاک کتاب میں انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف ہرزہ سرائی کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے، میں اسے نقل کرنے کی بھی جرات نہیں رکھتا۔

نبی علیہ السلام سے بغض اور پیر سے عشق: ہاں حمد ونعت میں ان کا انداز یہی کچھ ہے یعنی اللہ نے کچھ نہیں دیا 'حمد' اور حضور ﷺ نے کچھ نہیں لیا 'نعت' ہے۔ ہاں جب اپنے پیروں اور ملاؤں کی مدحت سرائی پر آتے ہیں تو ان کے ذہن کی پرواز، فکر کی بلندی اور قلم کی روانی دیدنی ہوتی ہے، اور اس کی دلیل یہی عبارت جس سے اس قسط کا آغاز ہوا یعنی اپنے پیر ٹانڈوی کو خدا اور رب العلمین کہہ دیا۔ یہ مسئلہ ایک جگہ نہیں، تقریباً ہر جگہ ہے مثلاً تقویت الایمان میں انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے بغاوت سکھانے والے اسمٰعیل نے صراط مستقیم میں اپنے پیر سید احمد بر

یلوی کی جو شان بیان کی ہے، وہ پڑھ کر دیکھ لیں۔' آخر کیوں؟ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے بغض وعداوت ہے اور اپنے ملاؤں سے محبت وعقیدت۔ حضور پر نور ﷺ کا ذکر شروع کرتے ہیں تو حرف حرف پر انھیں شرک کا خطرہ محسوس ہوتا ہے اور اپنے آقاؤں کا ذکر کرتے ہیں تو شرک وکفر میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس کی ایک واضح مثال تو یہی 'شیخ الاسلام نمبر' ہے جس کے چند اقتباسات آپ نے گذشتہ قسط کے آخر میں ملاحظہ فرمائے اور دوسری مثال مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرثیے ہیں جنھیں مولانا محمود الحسن صاحب دیو بندی نے نظم کیا۔ مولانا نے اپنے پیر کو تمام مشائخ ماضی وحاضر کے کمالات ومقامات کا جامع بتایا اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں لاکر اپنے پیر کو حتی المقدور واضح برتری دی بلکہ بانی اسلام ﷺ کا ثانی تک کہہ دیا۔ اس سلسلے میں ان کا شعر یوں ہے

زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعل ھبل، شاید
اٹھا دنیا سے کوئی 'بانی' اسلام کا ثانی

یعنی نفس پرست لوگ مولانا رشید احمد گنگوہی کی وفات پر اعل ھبل (یعنی اے ھبل اونچا ہو) کا وہی نعرہ لگا رہے ہیں جو حضور پر نور ﷺ کے وصال شریف کے موقع پر کفار نے لگایا تھا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ بانیٔ اسلام کا ثانی دنیا سے کوچ کر رہا ہے بانی اسلام میں دو احتمال ہیں، حضور ﷺ کی ذات پاک جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک۔ شاعر نے اگر حضور ﷺ ہی مراد لئے

ہیں تو بھی کسی مولوی کو، پیر کو یا کسی اور بڑی سے بڑی شخصیت کو بانیٔ اسلام کا ثانی کہنا کسی بھی امتی کی ہمت وجرأت سے بالاتر ہے، یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب کسی شخصیت کو کم از کم حضور سید الانبیاء علیہم السلام کا ثانی ہی گردانا جارہا ہے تو اس کے سامنے باقی انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی کیا حیثیت ہوگی، چنانچہ اسی مرثیے میں ایک شعر یوں ہے

قبولیت اسے کہتے ہیں ، مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مختصر یہ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ ان کے کالے ادنیٰ غلاموں کا لقب بھی یوسف ثانی ہے۔ (معاذ اللہ) ایک گنگوہی صاحب ہی نہیں، ان کے نزدیک ہر مرد مقبول کی یہ شان ہوتی ہے۔ (اب دیوبند میں کتنے مقبول ہیں، ان کے خیال میں ان گنت، ان کے ادنیٰ غلاموں کی گنتی بھی محال، ان میں سے ہر ایک کا مرتبہ یہ ہے کہ اپنی 'روسیاہی' کے باوجود اتنا حسین ہے کہ اسے 'یوسف ثانی' کا لقب مل جاتا ہے۔ دیکھا مقام نبوت 'صلحائے' دیوبند کی نظر میں) مقام نبوت کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر بڑے سے بڑا غیر نبی ان کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ امت کی دو عظیم ترین شخصیتیں جنھیں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا وزیر فرمایا اور قرب تمام ودوام عطا فرمایا، یعنی حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔ ان کے حوالے سے مولوی گنگوہی کا مرتبہ کیا ہے، محمود

الحسن کا عقیدہ ملاحظہ ہو

وہ تھے صدیق اور فاروق، پھر کہئے عجب کیا ہے

شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی !

اس میں سب سے حیرتناک شعر وہ ہے جس میں بظاہر مولٰنا نے مولانا گنگوہی کی قبر کو طور سے 'خود کو موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے اور باقی بات پر خود غور کر لیں کہ مولانا کیا کہنا چاہتے ہیں۔

تمھاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار اَرِنی مری دیکھی بھی حیرانی!

صرف تربت پر کھڑے ہو کر اَرِنی کہتے جاتے تو ہجر کی بے چینی کا اظہار تو ہو جاتا تھا مگر مولانا رشید احمد گنگوہی کی شان ظاہر نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے مرید صادق نے ضروری سمجھا کہ تربت کو طور سے تشبیہ دے کر بات کی جائے کہ ہر سمجھنے والا سمجھ جائے کہ قبر میں ایسی شخصیت جلوہ گر ہے جسے مخلوق میں سے کسی فرد سے نہیں خالق ہی سے تشبیہہ دی جائے ۔اب پھر پڑھئے فتاویٰ رضویہ کی عبارت جو اوپر درج کی جا چکی ہے۔'مرشد کو خدا کہنے والا کافر ہے اور اگر مرشد بھی اسے پسند کرے تو وہ بھی کافر،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

33

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جیسے یہ حقیقت کسی بھی مسلم (بلکہ غیر مسلم) سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلامی عقائد میں سب سے پہلا، سب سے اہم اور سب سے ضروری عقیدۂ توحید ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کسی کو شک نہیں کہ عقیدۂ توحید کے بعد سب سے پہلا، سب سے اہم اور سب سے ضروری عقیدۂ رسالت ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں توحید کا عرفان عرفان رسالت پر منحصر ہے اور عقیدۂ توحید کے قبول ہونے کا دارومدار اسی کے وسیلے پر ہے۔ مثلاً کوئی بدبخت اگر رسالت کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کی توحید بھی بارگاہِ ربوبیت میں قبول نہیں اور گوئی بدنصیب اگر دن رات لا الہ الا اللہ کی رٹ لگا تا رہے مگر جب تک محمد رسول اللہ کا اقرار نہیں کرتا، اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ حقیقت یہی ہے خدا کو وہی صدقِ دل سے مانتا ہے جو اس کے رسول کو صدق دل سے مانتا ہے، خداوند کریم نے اپنی پہچان کا ذریعہ رسولوں کو ہی بنایا، اس لئے تاریخ انبیاء علیہم السلام گواہ ہے کہ ماننے والوں نے پہلے رسول کو پہچانا اور مانا اور پھر اس کے ذریعے سے اللہ کی وحدت و یکتائی کا عقیدہ اختیار

کیا، غالباً ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پہلے کسی نے اللہ کو پہچانا ہو اور بعد میں اس کے رسول کو۔ قرآن پاک نے بھی منصب رسالت کو اللہ کی پہچان کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ (الفتح:۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین
کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔

ھو (وہ) اسم ضمیر ہے اور یہ بھی مبہم ہے اور الذی (وہ جو) اسم موصول ہے اور اس میں بھی ابہام ہے۔ یہ دونوں ابہام کیسے ختم ہوئے۔ ضمیر کا ابہام اس کے مرجع سے (یعنی ھو) اور اسم موصول کا صلے یعنی اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ سے۔ صلہ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ (یعنی اس نے بھیجا اپنے رسول کو) اس میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح یہاں ضمیر کا ابہام مرجع سے اور اسم موصول کا صلے سے دور ہوا، یوں ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت میں جو ابہام بھی پیدا ہوگا، وہ رسول کے بغیر دور نہ ہوگا۔

حضور ﷺ کو گویا اپنی قدرت کا عظیم نشان ٹھہرایا گیا۔ مگر قرآن پاک نے کچھ اور چیزوں کو بھی قدرت کی نشانیاں ٹھہرایا ہے۔ مثلاً البقرہ کی آیت ۱۶۴ کے ترجمے پر غور کیجیے

"بیشک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں اور
رات، دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں

وہ چیزیں اٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا اللہ نے بادلوں سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے، (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں'' (سورۃ البقرہ ۲۶۴)

یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں اور ان کے علاوہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی نشانی ہے مگر یہ سب نشانیاں خاموش ہیں۔ چنانچہ سورج، چاند، ستاروں، پہاڑوں اور دریاؤں کو لوگوں نے خدا مانا مگر کسی نے اپنے خدا ہونے کی نفی نہیں کی، ہاں ایک دلیل ناطق ہیں اور وہ ہیں حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء۔ وہ ایسی ناطق دلیل ہیں کہ جو خاموش دلیل ان سے وابستہ ہوئی وہ بھی ناطق ہوگئی، مثلاً ڈوبا سورج انھوں نے دوبارہ طلوع کیا، ان کے فرمان پر چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے اور ابوجہل کی مٹھی میں کنکر بولے۔ یہ چیزیں خاموش تھیں مگر سورج نے آپ کے حکم پر پھر کر، چاند نے دو پارہ ہو کر اور کنکروں نے کلمہ پڑھ کر بتا دیا کہ اگر حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول نہ ہوتے تو ہم ان کا حکم کیوں مانتے اور یوں حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی جو ان چیزوں نے زبان حال سے دی ہے گویا اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی بن گئی۔

خاموش اور ناطق دلیل کی یہ تحقیق غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے ان کے نزدیک عالم ارواح میں

جب اللہ تعالیٰ نے سب روحوں سے فرمایا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) سب نے جواباً کہا بلیٰ (کیوں نہیں، تو ہمارا رب ہے) سب سے پہلے یہ جواب حضور پرنور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے پھر سب نے حسب مرتبہ دیا۔ لہٰذا اس 'بلیٰ' کے سبب اپنے رب کی محبت وانس ہر انسان کے خمیر میں داخل ہے۔ دنیا میں اسی جذبے سے اس نے اپنے رب کی تلاش شروع کی، جس نے عقل کے ذریعے تلاش کی وہ دہریہ بن گیا جس نے حواس کو رہبر بنایا وہ مظاہر پرست بن گیا۔ تلاش کا اصل ذریعہ وہ تھا جو خود معبود حقیقی نے ارشاد فرمایا

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

(ترجمہ وہ وہ ہے جس نے اپنا رسول بھیجا)

رسول کا وسیلہ درمیان میں ہوگا تو اللہ مل جائے گا ورنہ ناممکن۔ غزالی زماں نے ایک عام مثال پیش کی ہے

''ایک مثال سنئے کہ ایک پیالی میں چائے رکھی ہے اور آپ کو معلوم نہیں کہ اس میں چینی ہے یا نہیں تو آپ اس کو دیکھتے رہیں تو کیا آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں چینی ہے؟ بالکل معلوم نہیں ہوگا۔ آپ اپنے کان میں ڈالیں کہ شائد چینی کی آواز کان میں آجائے تو آپ کو پتا نہیں چلے گا۔ آپ اس میں انگلی ڈال کر دیکھتے رہیں کہ کبھی شائد انگلی کو پتا چل جائے کہ چینی ہے یا نہیں، ہزار برس گزر جائیں، تلاش جاری رہے گی

مگر کامیابی نہیں ہوگی۔کامیابی اس وقت ہوگی جب آپ ایک
گھونٹ چائے پئیں گے۔وہ گھونٹ قوت ذائقہ سے مس ہوگا
تو قوت ذائقہ بتادے گی کہ چینی ہے یا نہیں۔تلاش کا ذریعہ اگر
غلط ہوگا تو تلاش جاری رہے گی مگر کامیابی نہیں ہوگی۔اللہ تعالیٰ
کی پہچان کا ذریعہ صرف عرفان رسالت ہے۔اور رسول کے
وسیلے کے بغیر خدا کا ملنا ناممکن ہے۔''

وہ لوگ جنھوں نے حضور پرنور ﷺ کی غلامی اختیار کیے بغیر خدا کی تلاش کی ، بڑے بڑے سائنسدان ، بہت بڑے فلسفی ،علوم وفنون میں زبردست ماہر ہونے کے باوجود اپنے اللہ کا اتا پتا نہ پا سکے۔دنیا میں چاند سورج اور دیگر مظاہر کی پوجا کرنے والے حقیقت کی پہچان کیوں نہ کر سکے،اس لیے کہ انھوں نے اس راستے کو چھوڑ دیا جو منزل آشنا کرنے والا تھا۔یہ ان کی بدقسمتی تھی مگر حیرت تو دیوبندی ونجدی علماء پر آتی ہے۔انھوں نے قرآن پڑھا مگر صاحب قرآن سے محبت نہ کر سکے۔بلکہ جوں جوں قرآن پاک پڑھتے ، نبی سے بغض وعداوت کا مرض بڑھتا گیا۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ (البقرہ ۱۰)

ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی

جب قرآن پاک ہی ان کے اندر داخل نہ ہو سکا تو اور کون سا نور تھا جو ان کی شب تاریک کو سحر آشنا کر سکتا۔یہ قریب آکر قریب نہ آسکے اور عمر بھر حیرت و ضلالت کی تاریک ترین وادیوں میں بھٹکتے رہے۔اللہ کے ولی اللہ کے نبی ﷺ پر

جان نچھاور کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے نبی ﷺ کی محبت سے مخمور اور دوسروں کو مخمور کرنے والے ہوتے ہیں مگر اس کے برعکس دیوبندی پیر ہوں یا مولوی عموماً عشق و محبت سے محروم اور عموماً بغض و عداوت سے مخمور ہوتے ہیں۔مشائخ اہل سنت کی خدمت میں رہ کر بھی دل محبت عشق رسول ﷺ سے مالا مال ہو جاتے ہیں اور ان دیوبندیوں کی صحبت میں بیٹھ کر جس نبی اعظم ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں، اسی پر نکتہ چینی بڑھنے لگتی ہے۔کبھی ان کے علم کا انکار، کہیں ان کے اختیار کی نفی، کہیں ان کے امتیازات پر حملہ، کہیں ان کی عملی قوت کی فوقیت سے روگردانی۔

حضور پرنور ﷺ اور اللہ کے دوسرے محبوبان با کمال کے کمالات کا انکار عموماً شرک کے بہانے سے کرتے ہیں مثلاً وہ دیوار کے پیچھے کی اس لئے خبر نہیں رکھتے کہ یہ شرک ہے۔ہاں ہاں ان کے ہاں سب سے بڑا بہانہ شرک ہی ہے۔مگر اس وقت یہ حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب دیکھتے ہیں کہ یہ بہانۂ شرک صرف حضور پرنور نبی اعظم شفیع عالم ﷺ اور دوسرے محبوبان خدا کے کمالات کے انکار کے لیے وقف ہے۔مثلاً حضور پرنور ﷺ مدینہ منورہ سے ہمیں ملاحظہ فرماتے ہیں نجدی یا دیوبندی اسے اس لیے نہیں مانتا کہ اس کے نزدیک یہ شرک ہے۔اس کے خیال میں یہ وصف اللہ کا ہے، کسی اور کا نہیں ہو سکتا اور اس سوچ میں وہ اتنا پکا ہے کہ اس کے نزدیک گویا خدا بھی یہ وصف کسی کو نہیں دے سکتا۔مگر اس کے ساتھ ساتھ حیرت کی بات یہ ہے اس قسم کے تمام کمالات جنھیں وہ شرک سمجھتا ہے اپنے اساتذہ اور مشائخ کے لیے مانتا ہے بلکہ جس شخص پر بھی مہربان ہو مان لیتا ہے، اور اسے ایسے موقع پر

شرک کا کوئی کھٹکا نہیں رہتا۔ چنانچہ علمائے دیو بند میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری جیسے عالم فاضل کی کتاب براہین قاطعہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو اور سوچئے ایک ہی جملے میں علم کا اقرار کس کے لیے ہے اور علم کا انکار کس کے لیے ہے

> ''الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان، ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے؟ کہ شیطان و ملک الموت کو تو یہ (علم کی) وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے'' (براہین قاطعہ)

کتنی سینہ زوری ہے؟ کیسا مکروفریب ہے یا کیسی جہالت ہے؟ اگر حضور پرنور ﷺ کے لیے علم محیط زمین ثابت کرنا شرک ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا علم خاصۂ خدائے واحد ہے ورنہ شرک نہ ہوتا۔ اور اگر واقعی شرک ہے تو ابلیس اور ملک الموت کے لیے کیونکر ثابت ہو گیا، پھر وہ بھی نص سے۔ تو بتایئے ابلیس اور ملک الموت کے لیے ایسا علم جو خاصۂ خدائے واحد ہے ثابت کرنا شرک کیوں نہیں، کیا یہ دونوں (پناہ بخدا) ہیں کیا نجد و دیو بند سہارنپور کے فضلا کو اس بات کا علم نہیں کہ جو وصف بھی خداوند واحد و یکتا سے مخصوص ہے وہ کسی بھی اور میں مانا جائے تو شرک ہے اور جو مخصوص نہیں وہ کسی بھی دوسرے میں ماننا شرک نہیں۔ یہ بات از حد جاہلانہ ہے کہ خدائے واحد کا کوئی خاصہ کسی ایک کے لئے مانا تو توحید ہوا اور کسی دوسرے کے

لیے مانا تو شرک ہو۔ پھر مانا تو کس کے لیے تو انکار کیا تو کس لیے۔ کیسی بدنصیبی ہے کہ حضور ﷺ کا کلمہ بھی زبان پڑھے مگر عظمت سے انکار بھی ہے وہ بھی شرک کے ڈر سے۔ یعنی عظمت کا انکار اس لیے ہے کہ کہیں خدا سے شرک نہ ہو جائے۔

ہاں اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کا انکار کرنے والے دیکھ ذرا اپنی عبرت ناک حالت کو، تو اس لیے اس عظمت کا منکر ہے کہ شرک نہ ہو جائے، ارے بد بخت تو شرک سے کیسے بچ سکتا ہے شرک سے بچانے کے لیے خدا نے اپنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھیجا ہے، تو اس کو مانتا، اس کی عظمت کا انکار نہ کرتا تو خدا اس کے صدقے اور صلے میں تجھے شرک سے محفوظ رکھتا مگر نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا مقابلہ کر کے شرک سے بچنا چاہتا ہے تو دیکھ شرک تجھے کیونکر گھیرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ میں علم محیط زمین مان کر تو شرک سے بچ گیا، مگر ملک الموت اور شیطان کیلئے اس خاصۂ ذات واحد کو ثابت کر کے تو شرک میں پھنس گیا۔ اسے خدا کا خاصہ ماننا اور پھر اسے نص سے ثابت کرنا دوہرا کفر ہے۔ گویا یہ سمجھنا کہ خدا کا خاصہ بھی کسی دوسرے میں بھی ہو سکتا ہے شرک ہے اور اسے نص سے سمجھنا گویا شرک پر نص کو گواہ لانا ہے جو کفر سے کم نہیں۔

گر براند نرود گر برود باز آید
مگس کفر بود خال رخ وہابی

حقیقت یہی ہے کہ جن لوگوں نے صرف اس لیے دامن رسالت نہ تھاما کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی و تقلید اور غلامی ان کی عزت نفس کے خلاف ہے، جیسا کہ ابو جہل اور اس کے ہمنوا، وہ دونوں جہانوں میں ذلیل ہوئے اور ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی عزت سے محروم ہو گئے۔ اللہ جل مجدہ نے عزت اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے مختص کر دی اور ان کے سچے غلاموں کے لیے، چنانچہ فرمایا

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (المنافقون:۸)

ترجمہ: اور عزت اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

یونہی جن لوگوں نے یہ خیال کیا کہ نبی کا دامن توسل تھاما جائے اور ان کا ادب و احترام بجالایا جائے تو اللہ کی توحید میں فرق آجائے گا، ایمان کی شمع گل ہو جائے گی اور شرک کی ظلمات دل و دماغ پر چھا جائے گی۔ وہی لوگ نور توحید سے محروم ہو گئے، ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور شرک کی پگڈنڈیوں میں کھو کر راہ نجات سے کہیں دور نکل گئے۔ اس کی مثال براہین قاطعہ کے مذکورہ اقتباس میں دیکھئے کہ کس طرح بڑے بڑے عالم حضور پرنور ﷺ میں علم محیط ارض نہ ماننے والے شرک سے بچنے کا بہانہ لگا کر اسی خاصہ باری تعالیٰ کو شیطان اور ملک الموت میں مان کر شرک میں الجھ رہے ہیں۔

مزید غور کیجئے کیا آپ نے دیکھا بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے استدعا و استعانت وغیرہ سے روکتے رہے اور پھر دھیرے دھیرے انھوں نے خدا سے مانگنے سے بھی روکنا شروع کر دیا ہاں ہاں نماز جنازہ کے بعد دعا کس سے کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے نا۔ مگر یار لوگوں نے اسے بھی بدعت ٹھہرا دیا ہے۔ یونہی نماز کے بعد کی اجتماعی دعا کے بارے میں بھی سنا ہے کہ روکنے کے پروگرام

بنائے جارہے ہیں، اور فتوؤں کا آغاز ہو گیا ہے۔

حضور پرنور ﷺ کے ساتھ دیوبند و نجد کے سپوتوں کو جو بغض و عناد ہے اس کا ایک پہلو تو یہی ہے جس کا اوپر ذکر آیا۔ یعنی جو فضائل و کمالات وہ اپنے شیوخ و اساتذہ سے منتھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حضور پرنور ﷺ کے لیے صاف انکار کر دیتے ہیں، اور یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں ''ایسا ماننے سے شرک لازم آتا ہے''۔ کتنی تکلیف دہ یہ صورت حال ہے کہ جن سے انہیں بغض ہے، وہ رب کے سب سے بڑے نبی علیہ السلام ہونے کے باوجود ان فضائل و کمالات کو ان کے خیال میں حاصل نہیں کر سکتے اور جن سے انہیں پیار ہے وہ شیطان ہو کر بھی ان کے خیال میں ان فضائل و کمالات سے آراستہ ہو جاتا ہے۔

بغض رسول کے سلسلے میں نجد و دیوبند کے سپوتوں کو ایسی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ خصوصی فضائل جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اعظم ﷺ کے سوا کسی اور نبی کو بھی مرحمت نہیں فرمائے، یہ ان کی تخصیص سے دوٹوک انکار کر جاتے ہیں اور انہیں ہر مسلمان سے چسپاں کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ مثلاً رحمۃ للعلمین صرف حضور ﷺ ہیں اور تیس پاروں میں عام صالحین تو ایک طرف کسی نبی، رسول بلکہ اولعزم پیغمبر کو بھی رحمۃ للعلمین نہیں فرمایا گیا۔ بات ظاہر ہے جس طرح ہر نبی اپنی امت کے لیے رحمت ہے جو سارے عالمین کا رسول ہے، وہ سارے عالمین کے لیے رحمت ہے یعنی رحمۃ للعٰلمین ہے۔ مگر نجد و دیوبند اللہ تعالیٰ کے حبیب اعظم ﷺ کی اس شان کو کیونکر برداشت کرتے، انھیں ہر مسلمان کو رحمۃ للعٰلمین کہنے کا فتویٰ دے دیا (انصاف سے بتایئے اس سے زیادہ رسول دشمنی کیا متصور ہو سکتی ہے) پھر یہ کسی ایک کی رائے نہیں، رشید احمد گنگوہی، اشرفعلی

تھانوی اور کئی دوسروں کا یہی طرزِ فکر ہے۔اس سلسلے میں یہاں صرف گنگوہی کا فتوی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو فتاوی رشیدیہ حصہ دوم میں یوں تحریر ہے۔

''استفتا۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ لفظ رحمۃ للعالمین مخصوص آنحضرت ﷺ سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں''

الجواب: ''لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول ﷺ کی نہیں''

غالبًا آپ پڑھ چکے ہیں اللہ جل مجدہ نے اپنے حبیب اکرم و اَعظم ﷺ کی شان و عظمت کو ازحد نمایاں کرتے ہوئے اسے ''خاتم النبیین'' (یعنی آخری نبی) فرمایا مگر آپ حیران ہوں گے کہ بانی دارالعلوم دیوبند کی اولین علمی تحقیق یہ ہے کہ خاتم النبیین کا معنی 'آخری نبی' نہیں بلکہ اس سے مراد ہے افضل نبی۔

نبی اکرم ﷺ کی صحیح و متواتر حدیثوں میں خاتم النبیین کے معنی 'آخری نبی ہے اور آخر میں آنے کو حضور ﷺ نے فضیلت کا سبب قرار دیا ہے۔ نانوتوی کے نزدیک اسے فضیلت قرار دینا عوام کی رائے ہے، اہل فہم کی نہیں۔ دیکھیں، ان کی فہم، فہم رسالت سے کس قدر باغی ہے۔ چنانچہ ان کی فہم نے مرزا قادیانی کی 'رہنمائی' کی اور اسے ایسی دلیل سے مشرف کیا، کہ اس کی شان دجالی کئی گناہ مزید چمک اٹھی۔ نانوتوی صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں

بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین کے معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ

فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس ص ۳)

یاد ہے حضور ﷺ نے خود اسے مدح فرمایا اور اس کا معنیٰ آخری نبی ہونے کی بھی تصریح فرمائی اور اس کے مدح ہونے کی۔ مگر بانی دارالعلوم دیوبند بانی اسلام ﷺ کے خلاف کھلم کھلا محاذ آرائی پر آ گئے ہیں۔

عام مسلمان بھی جانتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور قبل بعثت بھی کبیرہ و صغیرہ گناہوں سے ان کا دامن کردار پاک و صاف رہتا ہے۔ نانوتوی صاحب نے اسے بھی گوارا نہ کیا، چنانچہ منصب نبوت کی عظمت گھٹانے کے لیے اور شاید مرزا قادیانی جیسے ملعونوں کیلئے راستہ مزید صاف کرنے کیلئے اس نے نبوت کو (معاذ اللہ) دروغ صریح یعنی کھلم کھلے جھوٹ سے بھی ملوث کرنے میں شرم محسوس نہیں کی۔ خیال فرمایئے نبوت کا سب سے اہم اور نمایاں وصف 'الامین' اور 'الصادق' ہونا ہے، خدانخواستہ اگر نبی ان دو اوصاف سے بھی آراستہ نہ ہو تو اس کی ساری تعلیمات بے اعتبار ہو جاتی ہیں۔ بلکہ توحید اور دوسرے عقائد کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ مگر یہ عام مسلمانوں کو کافر و مشرک و بدعتی کہنے والا گروہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبیوں سے ایسا بغض رکھتا ہے کہ معاذ اللہ انہیں دروغ صریح سے بھی معصوم نہیں مانتا۔ اب اس عبارت کو دیکھئے جس میں یہ دھما کا کیا گیا ہے۔

> ''پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں، ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں''
>
> (تصفیۃ العقائد)

آپ نے نجد و دیوبند کے قصابوں کو مقام نبوت کے خصائص پر معاذ اللہ

ہاتھ صاف کرتے دیکھا؟ نبوت کا کونسا اختصاصی وصف ہے جو ان کی زبان سے محفوظ و مامون رہا خصوصاً اپنے بے مثل و پاک پیغمبر کی کس شان کا انھوں نے انکار نہیں کیا۔ایک وہ امتی ہیں کہ اپنے نبی مکرم ﷺ کا ذکر خیر آتے ہی، ان کا نام نامی سنتے ہی، بلکہ ان کے ذکر کی طرف اشارہ ہوتے ہی سر جھک جاتا ہے۔پیشانی پر محبت کا نور چمکنے لگتا ہے اور آنکھوں میں فرط شوق سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔اور ایک یہ نجد و دیوبند کے سپوت ہیں کہ منصب نبوت بھی معاذ اللہ ان کے نزدیک کوئی ہنسی مذاق کی چیز ہے دیکھئے ''نوائے وقت'' ۲۰ اگست کے کالم 'سرراہے' کا پہلا شذرہ

> ''گذشتہ روز نوابزادہ نصر اللہ خان کی رہائش گاہ پر صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے جے۔یو۔آئی (ق) کے سربراہ مولانا اجمل قادری نے کہا ہے کہ 'ہم نوابزادہ صاحب کو سیاست کا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔اور ان کی سیاست میں ایمان لانے کا اعلان کرتے ہیں۔انھوں نے کہا کہ ہم کبھی صدر پرویز مشرف کے حامی نہیں رہے،،

حضور پرنور ﷺ کا اسوہ حسنہ جو سب کے لیے ہے، اس کی ہمہ جہتی سے کسی کو بھی انکار نہیں، آج تک بلکہ قیامت تک کیلئے سیاستدانوں کے لیے بھی یہی سرمایہ ہدایت ہے مگر دیوبند کا فاضل سیاست کے میدان میں اپنی پسند کا نبی گھڑ کے اس پر ایمان لانے کا اعلان کررہا ہے، سب اہل نجد و دیوبند اپنا نفع نقصان دیکھ لیں، ان کی کیا رائے ہے۔میری مجبوری ہے کہ کسی کو ایمان کا سودا کرنے پر مبارکباد نہیں دے سکتا۔

یہ تھا دیوبند کا فرزند، اب آیئے سعودی عرب کے نجدی سربراہ شاہ سعود کے طرز عمل ہوا یہ کہ ستمبر ۱۹۵۶ء میں بھارتی وزیر اعظم سلطان ابن سعود کی دعوت پر

ریاض پہنچا، تو استقبال اس نعرے سے کیا گیا

مرحبا یا رسول السلام نہرو

یعنی خوش آمدید اے پیغمبر امن نہرو۔

نہرو جو اسلام کا، سلامتی کا اور انسانیت کا دشمن تھا، کشمیر کے ظلم و ستم کی ابتدا اسی کے ہاتھوں ہوئی تھی، بلکہ سرزمین ہند میں وسیع پیمانے پر مسلم کش فسادات کی بنیاد بھی اسی کے دور میں پڑی تھی۔ پھر کوئی امن و سلامتی کا علمبردار ہی سہی اسے رسول السلام یعنی امن و سلامتی کا پیغمبر بنا دینا سخت غلط ہے اور مقام رسالت کی توہین بھی۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ اسلام کو اسلام اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ امن و سلامتی کا دین ہے اسی بنا پر حضور پرنور ﷺ کو جب پیغمبر اسلام کہا جاتا ہے تو اس میں امن و سلامتی کے پیغمبر ہونے کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔ تو اپنوں اور پرایوں میں جو مفہوم حضور ﷺ کے لیے مختص ہو چکا ہو، اسے کوئی خصوصاً ایسا شخص جو خود کو حرمین شریفین کا خادم کہتا ہے، کسی اور شخصیت کے لیے اختیار کرے تو بہت ہی افسوس کا مقام ہے۔ ایسا بد نصیب شرک فی الرسالۃ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لَا یَشْعُرُوْنَ (انھیں شعور نہیں) کی مہر اس کے دل پر لگ چکی ہے۔

شاہ سعود کی اس حرکت سے عالم اسلام بیقرار ہو گیا، ہر کہیں شور مچا، پاکستان میں بھی مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے احتجاج کیا، اخبارات نے ایمان افروز اور غیرت انگیز اداریئے لکھے۔ خود ہندو اخبارات نے اس پر تبصرے کیے۔ بھارتی اخبارات کے اداریوں میں 'خوش آمدید پیغمبر امن' کے تحت حسب ذیل جملے بھی موجود ہیں۔

☆ پردھان منتری شری جواہر لال نہرو پیغمبر اسلام ﷺ کی دنیا میں پہنچے تو ان کا استقبال پیغمبر امن کے نعروں سے کیا گیا۔

☆......اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو اسلام کے معنی امن کے ہیں۔سلامتی کے ہیں۔ پیغمبر اسلام کے معنی بھی امن وسلامتی کے پیغمبر ہیں۔

☆......پیغمبر اسلام ﷺ کے ملک کے باسیوں نے پنڈت جی کی عزت افزائی کے لیے دینی لفظ منتخب کیا جس پر اسے ناز ہے، جس کی وجہ سے دنیائے اسلام میں عرب دیش کی عزت ہے۔

☆......پنڈت جی کے اس دورے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ تو وقت بتائے گا مگر اس سے کفر اور کافر کے فلسفے میں تبدیلی ہوگئی ہے'' (روزنامہ تیج دہلوی ۲۷ ستمبر ۱۹۵۶ء)

نوٹ: محترم جناب ریٹائرڈ کرنل محمد انور مدنی صاحب نے 'حضرت سیدہ صادقہ امینہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت شان' پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا یہی نام ہے۔اس کے دیباچے سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

34

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر یہ کہ اللہ کے عرفان کا دارومدار تو تھا ہی اللہ کے شاہکار قدرت، حبیب اکبر، آئینہ صفات حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کے عرفان پر اور خود حضور پرنور ﷺ کے عرفان کا دارومدار آپ کی سیرت طیبہ کے مقدس گوشوں اور صورت مقدسہ کے نورانی جلووں کے علاوہ آپ کے تصرفات وکمالات پر۔ قرآن پاک نے بعض اہل مکہ وطائف کے اس زعم باطل کی کئی جگہ تردید فرمائی جن کے نزدیک نبوت کسی دولتمند اور امیر کبیر کو ملنی چاہیے تھی۔ قرآن پاک نے تصریح فرمادی

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے (کنزالایمان)

گویا نبوت ورسالت محض وہبی ہے اس کیلئے اپنی تگ ودو بے معنیٰ ہے۔ یہ دنیا کمانے سے حاصل ہوتی ہے نہ یہ دنیا کی چیز ہے (جیسے مرزا قادیانی کذاب کا تصور تھا) اور اس کا فیصلہ خود اللہ کو کرنا ہوتا ہے کہ کسے رسول بنائے اور کسے نہ بنائے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ان دانشورانِ قریش پر جو حضور پرنور ﷺ کے

بجائے خود کو نبوت و رسالت کا اہل سمجھتے تھے۔ جن احمقوں کے پاس 'دولتِ فانی' عقلِ عیار، کے سوا کوئی خوبی نہیں تھی، وہ نبوت کے مستحق بنتے تھے۔ نبوت و رسالت تو سچے رب کا سچا پیغام امانت و دیانت سے اس کے بندوں کو پہنچانے کا نام ہے۔ اس کیلئے ظاہر ہے سچے اور امانتدار انسان کی ضرورت ہے نہ کہ دولت و ثروت والے کم عقل کی جس کو بتوں کی بے بسی اور بے حسی بھی نظر نہیں آتی اور بڑے شوق سے ان کے سامنے اپنی جبینِ نیاز جھکا دیتا ہے۔ سچا اور امانتدار ہی نہیں، سب سے سچا اور سب سے زیادہ امانتدار ہونا چاہیے اور وہ اس ماحول میں کون تھا؟ ظاہر ہے وہی ذاتِ قدسی صفات جسے اپنے پرائے الصادق اور الامین کہتے تھے۔ یوں تو صدق و امانت ہی دو وصف کافی ہیں جن سے کسی کی عظمت کو پہچانا جائے مگر ان کے علاوہ بھی فکر و عمل کے کسی گوشے کو دیکھا جائے تو بعثت سے قبل کے زمانے میں بھی کیا کہیں کسی کو کوئی کمی نظر آتی ہے۔

مکہ معظمہ میں کیا کچھ نہیں ہوتا تھا، ان سب کو پیشِ نظر رکھئے اور پھر سوچئے کہ ان گوناگوں معائب و معاصی کے سیلاب میں ایک شخصیت پوری استقامت کے ساتھ چٹان پر یوں کھڑی نظر آتی ہے کہ کوئی موجِ گناہ بھی اس کی جوتی کے تلوے تک نہیں پہنچ پاتی، کیا محض اتفاق سے ہے، ہرگز نہیں، عقل سے کہو، پورے خلوص سے فیصلہ دے، یقیناً یہ کسی جلیل القدر نگہبان کی حفاظت کا نتیجہ ہے۔ ہاں ہاں جسے سب بالاتفاق 'الصادق' اور 'الامین' کہتے تھے، یقیناً نبوت کا وہی حقدار تھا جو

سچے رب کا سچا پیغام لے کر امانت و دیانت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس کے بندوں تک پہنچا سکتا۔ پھر یہ شخصیت رحیم و کریم ہے، غریب نواز ہے، یتیم پرور ہے، سراپا ایثار ہے، ایفائے عہد میں اس کا کوئی ثانی نہیں، یہ فیصلہ فرمائے تو قتل و خونریزی کے امکانات تک رک جاتے ہیں، شرم و حیا اور مہر و وفا گویا اسی کے دم قدم سے زندہ ہیں، پھر یہ سب اوصاف پورے معاشرے کے علم میں ہیں اور مکہ معظّمہ میں اور اس کے نواح میں کوئی نہیں جو اس سراپا خیر شخصیت کی عظمتِ اخلاق سے شناسا نہ ہو۔

پھر قدرت نے ایک اور خصوصیت بھی اسے بخشی ہے، اس کی دعا تیر بہدف ہے۔ اس کے بچپن کا زمانہ ہے، لوگ خشک سالی سے بلبلا اٹھے ہیں، جناب عبدالمطلب کے پاس آتے ہیں اور دعا کی درخواست کرتے ہیں، اپنے بتوں کو آزما آئے ہیں، پتھروں کے ہاں سے اپنی قسمت پھوڑنے اور ذلت نچوڑنے کے سوا کچھ نہیں ملا۔ ان کا تجربہ ہے کہ عبدالمطلب کا گھر دارالشفا اور دارالسخا ہے۔ عبدالمطلب اپنے اسی گورے چٹے سراپا حسن پوتے کو باہر لاتے ہیں اور اُن سے دعا کراتے ہیں، کام بن جاتا ہے چھم چھم بارش ہونے لگتی ہے، جنگل میں منگل کا سماں بن جاتا ہے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیئے ہیں، دربے بہادیئے ہیں

ہاں ہاں یہ چلتے ہیں تو بادل سایہ کئے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ بیٹھتے ہیں تو بادل بھی ٹھہر جاتے ہیں اور چلتے ہیں تو وہ بھی متحرک ہو جاتے ہیں۔ شام و یمن کے کاہن اور راہب ان کی بعثت کی خبریں دے رہے ہیں اور حلیہ اور دوسری علامات نبوت خود مکہ معظمہ کے تاجروں کو بتاتے ہیں۔ اتنا اہتمام آخر کس لئے تھا، محض اس لئے کہ یہ سب کے نبی ہیں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سو سب انھیں پہچان لیں کوئی کسی ذریعے سے اور کوئی کسی ذریعے سے۔ انھیں پہچان لیں گے تو اپنے رب کو پہچان لیں گے جس نے اپنے محبوبِ یکتا کو یکتا صورت، یکتا سیرت اور یکتا قدرت و تصرف سے نوازا ہے۔

نجد و دیوبند کے محققین اور موحدین کو ٹھنڈے دل (اگر انھیں ٹھنڈا دل نصیب ہے) سے غور کرنا چاہئے کہ نبوت کی پہچان کا ذریعہ خود رب قدیر و حکیم نے کیا ٹھہرایا ہے۔ اور آپ بھی دین حنیف کی کوئی خدمت سرانجام دینا چاہتے ہیں تو عظمتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف عنوانوں پر ایمان لاؤ اور دوسروں کو پورے خلوص سے اس طرف متوجہ کرو۔ اس وقت تک سچی بات یہی ہے کہ تمھارا رویہ اللہ کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ غلامانہ و عاشقانہ نہیں بلکہ باغیانہ و معاندانہ ہے۔ تم قرآن پاک پڑھتے پڑھاتے ہو، تمھیں آخر اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی کہ دین کی بات نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہی کی عظمت سے چلتی ہے۔ دنیا آج جن مسائل میں گھری ہوئی ہے، اس کا حل قرآن مجید میں یقیناً

ہے اور عملاً اس کا ثبوت سیرت طیبہ ہی سے ملے گا، اللہ کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تھوڑے عرصے میں ارد گرد کی دنیا کو کونسا نظام دیا اور کس طرح عدل و امن سے معمور کر دیا، عقل انسانی کیلئے از حد حیران کن ہے۔ پھر اس کی مزید تشریح و تفسیر ان خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت طیبہ میں ملتی ہے جو اس خواجۂ دارین ﷺ کے بلاواسطہ زیر سایۂ دامن تربیت پاتے رہے ہیں۔ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرت طیبہ قبل از بعثت دیکھیں، بعثت کے بعد قیام مکہ پھر ہجرت مدینہ اور مابعد کے واقعات، ہر گوشہ نور اور ہر عنوان رخشندہ نظر آتا ہے۔ ایمان سے کہئے کیا بہترین اخلاق کے علاوہ لاجواب تصرفات بھی دل و دماغ کو منور کرنے والے ہیں کہ نہیں اور سچ پوچھئے تو حق و باطل میں نکتہ امتیاز کیا ہے اسے سمجھنے کیلئے سیرت پر خوب غور کرنا ہوگا۔ اگر فکر و تدبر کا فقدان ہے تو اہل فکر و تدبر سے پوچھئے

بہ مشتاقاں حدیث خواجہ بدر و حنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشم آشکار آمد

اور اقبال کے اس شعر پر بھی غور کیجئے

جو قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہے محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

غزوات میں جہاں حضور پرنور ﷺ کی عسکری قیادت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نظم و ضبط جیسے عنوانات جاذب قلب و نظر ہیں وہاں تصرفات کی اپنی اہمیت بھی

ہے۔ جنگِ بدر کے ذکر میں جہاں حضور پرنور ﷺ کا کفار کے مرنے کی جگہ کی نشاندہی کا بیان آتا ہے اور جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوق شہادت کے قصے سنے پڑھے جاتے ہیں، وہاں حضور پرنور ﷺ کے ایک مٹھی ریت پھینکنے کا تذکرہ بھی موجود ہے جس کا ایک ایک ذرہ ایک ایک کافر کی آنکھ میں پہنچا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ایک دن پہلے کافروں کے مقتل کی خبر دے کر حضور پرنور ﷺ کے حوصلے بڑھائے اور ایک مٹھی ریت سے قریباً تین ہزار کفار بھگائے۔ یہ ہے وہ فیضان سماوی جو حضور پرنور ﷺ کے صدقے میں آپ کی امت کے شامل حال ہے۔ اور تاریخ اسلام میں سینکڑوں ایسے معرکے آپ کو نظر آئیں گے جہاں فتح روحانی شخصیات کی برکات وتصرفات سے رونما ہوئی۔ کسی کو نہ ماننے کا جنوں ہو تو الگ بات ہے ورنہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی بیسیوں ایسے واقعات پیش آئے جو فیضانِ سماوی کی زندہ تفسیر ہیں۔

حضور پرنور ﷺ کے علم غیب کے جلوے، حضور وشہود کی تجلیاں، خداداد اختیارات کی وسعتیں، بیکس پروری کے شواہد، امداد واعانت کی مشکلکشائیاں، نعرہ تکبیر کے ساتھ نعرۂ رسالت کی گونج حضور ﷺ کی تعلیم وتلقین میں کہاں کہاں نہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کا صدق دل سے مطالعہ کر لیجئے اور ان میں کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کر لیجئے کہ حضور ﷺ کے کمالات کا ذکر کہاں کہاں اور کیسے کیسے آیا ہے۔ پھر تفاسیر اور تواریخ وسیر میں یعنی

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے بعد کے اسلامی ادب میں رسول اللہ ﷺ کی لامحدود عظمتوں رفعتوں اور شوکتوں کے تذکرے جابجا موجود ہیں، علمائے نجد و دیوبند کو عقل نہ آئی انھوں نے ذکر رسول ﷺ کے اس غلبے کے باوجود اسے مٹانے کی ناپاک کوشش کی اور چند لوگوں کو روسیاہ کر کے ہی دم لیا۔ سچ فرمایا اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

ان کی ناپاک کوششوں کا یہ پہلو کہ وہ القابات و اعزازات جو صرف حضور پرنور ﷺ کیلئے مخصوص ہیں، انھوں نے ان کے مفہوم میں ردوبدل کرنے کی کوشش کی یا انھیں مخصوص نہیں مانا۔ مثلاً 'خاتم النبیین' کی اصل روح ہی یہ ہے کہ حضور ﷺ ایسے کامل و اکمل نبی ہیں کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد ابدالآباد تک کسی اور نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ مگر بانی دیوبند نے مدرسہ دیوبند کی خشت اول رکھنے کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ خاتم النبیین سے آخری نبی مراد لیں تو اس سے مدح کا پہلو ہی نہیں نکلتا، لہذا حضور ﷺ کے زمانے میں یا بعد میں کوئی نبی مبعوث ہو جائیں تو خیر سلاّ ہے، خاتمیت بدستور قائم رہے گی۔ رحمۃ للعلمین کے بارے میں انھوں نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر یہ لفظ بولا جا سکتا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔

علمائے نجد و دیو بند کو نجانے حضور پر نور ﷺ سے بغض کیوں ہے، تقریباً ہر جگہ انھوں نے اسی ناپاک ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً مولانا قاسم نانوتوی، ہاں ہاں خاتم النبیین کا معنی بدلنے والے مولوی نے اپنی اسی کتاب تحذیر الناس میں اور بھی کئی گل کھلائے ہیں اور کھل کر ابولہبی ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے مثلاً ایک جگہ نبی علیہ السلام کی غیر نبی پر عملی فضیلت کا یوں انکار کرتے ہیں

''انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں''

دیکھا آپ نے انبیاء علیہم السلام کی برتری کا انکار کس دھڑلے اور کس ڈھٹائی سے کیا ہے، فرمایئے کہ اگر انبیاء علیہم السلام جن کی ادا ادا پر مقبولیت کی مہر لگی ہوتی ہے اور جو اپنی امت کیلئے کامل و احسن نمونہ بنائے جاتے ہیں اگر وہ خود اپنی امت کے افراد کے برابر نیکیاں نہیں کر سکتے تو مقتدا کس معنیٰ میں اور ان کی اطاعت کیوں؟ حیرت ہے کہ جنھیں اللہ نے معصوم بنایا ہے ان سے غیر معصوم کو بڑھایا جائے۔ کیسی جہالت ہے اور کتنی خود سری ہے۔

اب آیئے انبیاء علیہم السلام کے علم کی طرف جس کی برتری کا نانوتوی صاحب نے مندرجہ بالا عبارت میں اقرار کیا ہے کہ دیو بند و نجد کے سپوتوں نے اسے کس حد تک تسلیم کیا ہے۔

''ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے سب
یکساں بے خبر ہیں اور نادان'' (تقویت الایمان)

انصاف سے سوچئے یہاں بڑے بندوں سے کیا مراد ہے اور بے خبر اور نادان کنھیں کہا گیا ہے۔

؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

بات بات میں تعفن ہے اور یوں لگتا ہے جیسے بدبختوں نے مقام نبوت کی توہین ہی کو مقصدِ زیست ٹھہرالیا ہے، جیسے عشاق رسول (ﷺ وعلیہم الرضوان) بہانے بہانے سے اپنے محبوب اعظم واکرم ﷺ کے ترانے شروع کر دیتے ہیں اور عنوان کوئی بھی ہو، جب تک وہ اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کا ذکر نہ کرلیں، انھیں چین نہیں آتا۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے بقول

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو
نمکیں حسن والا ہمارا نبی !!

نجد و دیوبند کے زاغ خور جب تک گستاخی کر کے مسلمانوں کا دل نہ تڑپا لیں، شاید انھیں کھانا ہضم نہیں ہوتا۔

حق یہ ہے کہ دیوبندی سفینے کے ناخداؤں نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تباہی کیلئے کوئی کسر نہیں چھوڑی، انسان کیلئے سب سے زیادہ مہلک بے ادبی کا زہر ہے، دیوبندیوں کی ایمانی خودکشی کا ایک اور منظر دیکھئے کہ جس علمی برتری کا ایک

جگہ اقرار کیا ہے، اسے کس حد تک نبھایا ہے۔

''خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں''۔

اب ایمان اور انصاف سے غور کیجئے، حضور پرنور ﷺ نے کتنے اشخاص کے بارے میں مختلف اوقات میں فرمایا کہ جسے جنتی دیکھنا ہو اس کو دیکھ لے، فرمایئے صحابہ کرام میں سے مقدس ترین گروپ کو عشرہ مبشرہ کہنے کا کیا سبب ہے، بے شمار احادیث میں قبر، حشر اور جنت و دوزخ کی جو تفصیلات بتائی گئی ہیں، کیا علم کے بغیر ہیں، حضور پرنور ﷺ کو قرآن پاک میں شہید فرمایا گیا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے بیہقی وقت نے یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا (البقرہ) تا کہ یہ رسول تم پر شہید یا گواہ ہوں کے تحت جو ایمان افروز و ہابیت سوز عبارت لکھی ہے، اسی کو دیکھ لیتے آپ فرماتے ہیں، (آسانی کیلئے ترجمہ ہی پیش کیا جا رہا ہے)

''رسول اکرم ﷺ اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجے میں ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کونسا حجاب اس کی ترقی میں مانع ہے لہٰذا حضور ﷺ تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمانی درجوں کو،

تمہارے اچھے برے اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو جانتے پہچانتے ہیں، اس لئے ان کی گواہی بحکم شرع بھی امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے"(تفسیر عزیزی)

پھر حضور پرنور ﷺ کا لَا اَدْرِیْ فرمانے کا مطلب کیا ہے، صرف یہ کہ اٹکل پچو اور محض ظن وتخمین سے نہیں جانتا بلکہ اللہ کے فضل سے یقینی طور پر جانتا ہوں۔ ورنہ وہ آیات جن میں حضور ﷺ کے مقام محمود پر فائز ہونے کا یا مومنوں کے جنت میں اور کفار و مشرکین کے دوزخ کے عذاب میں داخل ہونے کا ذکر ہے کیا مطلب ہوگا۔ پھر بخاری و مسلم کی ان روایات کا کیا کرو گے جن میں صراحت سے حضور ﷺ نے سب اہل جنت کے جنت میں اور اہل دوزخ کے دوزخ میں داخل ہونے تک کے حالات بیان فرمائے ہیں اور جنہیں تھانوی صاحب جیسے دیوبندی حکیم الامت نے نشر الطیب میں لکھا ہے۔

پھر وہ حبیب کریم ﷺ جو زمین و زماں اور مکین و مکاں سب کی خبر رکھتے ہیں، ان کے نام پاک سے اس قسم کی حدیث گھڑنا کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں اور اس کا راوی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کو ٹھہرانا ستم بر ستم ہے جنھوں نے اس روایت کے بارے میں وضاحت سے مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ

جوابش آنست کہ ایں سخن اصلے ندارد
و روایتے بداں صحیح نشدہ

(یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بے اصل ہے اور یہ روایت صحیح نہیں۔)

کتنی خوفناک رسول دشمنی ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس روایت کو بے اصل قرار دے رہے ہیں اور دیوبند کا محقق ومفتی خلیل احمد انبیٹھوی اسی کو پھر انھیں کے نام سے پیش کر رہا ہے اور استدلال کر رہا ہے کرشمہ بغض نہیں تو کیا ہے۔ سوچئے آدمی جس نبی کا کلمہ پڑھے اسی کی شان وعظمت گھٹانے کیلئے بھی اگر ایسے ہتھکنڈے اختیار کرتا ہے، تو کیونکر معلوم ہوگا کہ اس کے سینے میں ایمان کی کوئی رمق موجود ہے اور اسے حضور ﷺ کا امتی ہونے کا کچھ بھی احساس یا شرم ہے۔ خلیل احمد انبیٹھوی ملت دیوبند کا معمولی فرد نہیں، مناظر ہے، ترجمان ہے، مورخ ہے، مدرس ہے، اتنا اہم شخص ہونے کے باوجود جھوٹ بولتا ہے اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی شان کو چھپائے۔ لعنت ہو اس جھوٹی توحید پر جس نے اس کو باغیٔ رسول ﷺ بنا دیا ہے اور لعنت ہو اس شیطانی علم پر جس نے اسے گستاخ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام بنا دیا ہے۔

سوچئے حضور پرنور ﷺ سے انھیں بغض ہے تو آخر کس بنا پر ہے۔ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ نے ان کا کیا بگاڑا ہے، وہ تو کسی کا بھی نہیں بگاڑتے، وہ تو کسی کا بگاڑنا چاہتے ہی نہیں کیونکہ ان کی طبیعت مقدسہ کا جوہر خاص رحمت ہے۔ وہ سرا پا رحمت ہیں اس لئے سنوارتے ہی سنوارتے ہیں۔ جو عمر بھر کے دشمنوں کو ایک جنبش لب سے معاف فرما دے، اس کے خلاف ہونا بلا وجہ نہیں تو کیا ہے۔ بدترین

بیوفائی نہیں تو کیا ہے

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپِ سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے

علمائے دیوبند کی اخروی تباہی کیلئے یہی کافی ہے کہ انھوں نے اس محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معاذ اللہ ٹکر لی جس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے آداب خود اللہ نے سکھائے ہیں اور جن کی آواز سے اپنی آواز کا محض بلند ہونا بھی تمام عبادات و حسنات کے اکارت جانے کا سبب بن جاتا ہے

ادب گاہے است زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

بلکہ دوسرے مصرعے کو یوں بھی پڑھا جاسکتا ہے

نفس گم کردہ می آید عتیق و جبرئیل اینجا

عتیق یعنی صدیق اکبر جیسی افضل البشر بعد الانبیاء رضی اللہ عنہ اور جبرئیل سید الملائکہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی شخصیات بھی سانس روک کر اور سراپا ادب و نیاز بن کر ان کے ہاں حاضر ہوتی ہیں۔

یہیں سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ فرزندان نجد و دیوبند نے اسلام کی کیا تبلیغ فرمائی اور کہاں تک کافروں کو مسلمان کیا۔حق یہ ہے کہ انھوں نے جھوٹ سوچا، جھوٹ بولا اور جھوٹ پھیلایا، اور جھوٹ بھی وہ جو باغیان رسالت کا جھوٹ

ہے، یعنی سب سے زیادہ مہلک جھوٹ اگر جھوٹ ہی ان کو مقصود نہیں تھا تو جہاں بخاری کی کتاب الجنائز کی ایک روایت میں واللہ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم کے الفاظ موجود ہیں، وہیں اسی کتاب الجنائز میں یہ روایت بھی موجود ہے جو نجدی و دیوبندی کی عیب بین نگاہوں سے ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک دن تشریف لے گئے اور اہل احد پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی پھر منبر کی طرف واپس ہوئے اور فرمایا

إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا

ترجمہ: میں تمہارا میر ساماں ہوں اور تمہارا گواہ ہوں اور میں بخدا اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کل کنجیاں یا زمین کی سب کنجیاں دی گئی ہیں اور بخدا مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ان خزانوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کرو گے۔

پھراس کے علاوہ اور کئی ایمان افروز احادیث بخاری شریف اور صحاح ستہ میں ہیں مگر دشمن نہیں دیکھتے یہ الفاظ قرآن پاک میں بھی ہیں مگر وہاں واللہ (اللہ کی قسم) نہیں

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ط اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ○

(الاحقاف:۹)

ترجمہ: تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔ (کنزالایمان)

غور کرو تو بات کھل جاتی ہے حضور نبی کریم ﷺ قیاس اور اٹکل سے نہیں بلکہ وحی سے جانتے ہیں، کیوں! اٹکل سے وہ جانیں جن پر وحی نہ آتی ہے اور وحی کا علم ہی تو سب سے یقینی ہے اس لئے نبی کا علم ہاں ہاں ہر نبی کا یقینی ہوتا ہے، بہر حال یہ آیت تو دیکھ لی مگر درج ذیل نظر نہیں آئیں۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

(بنی اسرائیل:۷۹)

ترجمہ: قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمھاری حمد کریں۔

کا ارشاد بھی موجود ہے

اور پھر کلام ربانی میں یہ وعدہ بھی جگمگ چمک رہا ہے۔

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝

ترجمہ: اور بیشک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۝ (سورۃ الضحیٰ)

ترجمہ: اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اس قسم کی اور کئی آیتوں کے ہوتے ہوئے ما ادری سے چمٹے رہنا بغض نہیں تو اور کیا ہے کسے معلوم نہیں کہ اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا یعنی قرآن پاک کے بعض آیات و الفاظ دوسری آیات و الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔ اسی لئے تدبر فی القرآن یعنی قرآن پاک میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

کتنے غضب کی بات ہے جس محبوب اکرم و اعظم و اعلم ﷺ سے خود اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر فرمایا!

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (النسآء:۱۱۳)

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

یعنی جو چیز بھی ماضی میں حضور ﷺ کے علم میں نہیں تھی، رب نے سکھا دی۔ نجدیوں اور دیوبندیوں کی توحیدی آنکھ کو یہ آیات نظر کیوں نہیں آتیں، کیا آپ نے سیرت کی کتابوں میں نہیں پڑھا کہ یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ کر

توریت میں حضور ﷺ کے ذکر خیر کا انکار کرتے تو آپ انہیں توریت پڑھنے کا حکم دیتے، وہ پڑھنے لگتے تو حضور ﷺ کے ذکر کی آیات پر ہاتھ رکھ لیتے پھر اللہ کے حبیب ﷺ انہیں فرماتے کہ ہاتھ ہٹا کر پڑھو تو وہ پڑھتے اور ذکر حبیب ﷺ کی عظمتوں کے بیان سے شرمندہ ہو جاتے۔ آج کل نجدیوں اور دیوبندیوں کیلئے بھی یہی شرمندگی مستقل ہوتی جارہی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

35

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ لوگ جو صرف اتنی بات جانتے ہیں کہ قرآن پاک مسلمانوں کی مذہبی کتاب ہے، خواہ وہ خود بھی مسلمان نہ ہوں بلکہ عیسائی، یہودی، ہندو اور سکھ ہی کیوں نہ ہوں، انھوں نے قرآنِ پاک کو دیکھا تک نہ ہو، پھر بھی اس بات کو سمجھنا ان کے لئے دشوار نہیں کہ جب قرآنِ پاک پر فرزندان اسلام کا ہی ایمان ہے اور اس 'کتاب' کا تعلق دین اسلام سے ہے تو لامحالہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کتاب میں ضرور مسلمانوں کے نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کی شان ہوگی۔ خصوصاً جبکہ وہ نازل بھی اُنھیں ﷺ پر ہوئی ہے۔ خدانخواستہ بفرض محال اگر اس کتاب میں مسلمانوں کے نبی ﷺ کی شان وعظمت کا ثبوت نہ ہوتا تو یہ مسلمانوں کی کتاب ہی کیوں ہوتی اور مسلمان اس پر ایمان ہی کیوں رکھتے۔ اور ایسی کتاب اگر واقعی آسمانوں سے نازل ہوئی ہے تو اسی شخصیت پر کیوں نازل ہوتی جس کے خلاف اسے پرچار کرنا تھا۔ یہ (معاذ اللہ) کسی دشمن پر نازل ہوتی۔ ہمیں افسوس

ہے جو دیوبند کے بزرگ ہم آتی ہے کیوں کی بات کو نہ تو اپنا سکا نہ ہی نبی کریم ہے نہیں سمجھ پائے اور اسی کتاب سے اپنی نصیحت ﷺ کے خلاف مثال ڈھونڈتے ہیں جس پر وہ نازل ہوئی۔ اہم یہ لوگ خوب سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک میں تو محبوب کریم ﷺ کی عزت و عظمت ہی کا بیان ہے مگر ان پر ایمان لانا انہیں کسی طرح برداشت نہیں لہذا اسی قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ توڑ مروڑ کر یوں بیان کیا جائے کہ حضور ﷺ کی عزت و عظمت کا پہلو دب جائے یا نظروں سے اوجھل ہو جائے ۔ اس تکلف کا فائدہ ان کی نظر میں یہ ہوگا کہ جس ذات پاک ﷺ سے انہیں ازلی بغض ہے، ان کے خلاف یہ لوگ زہر بھی اگل سکیں گے اور قرآن سے بظاہر اپنا تعلق بھی قائم رکھ سکیں گے۔ اگر صاف صاف یوں کہہ دیا جائے کہ (معاذ اللہ) ہم نبی کو مانتے ہیں نہ ان کی پیغمبرانہ عزت و عظمت کو اور نہ ہی قرآن پر ہمیں ایمان ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی دھوکے میں نہیں آئے گا اور انجام تو کھلوا کر جان کا خطرہ لاحق ہوگا۔

آیئے اب قرآن پاک کو ایمان والوں کے ایمان کی روشنی میں دیکھیں۔ ان کے نزدیک یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو اس کے حبیب پاک ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس کی ہر آیت ایک معجزے کی حیثیت رکھتی ہے (اور قرآن پاک میں لفظ آیت معجزے کے لئے بھی آیا ہے) چنانچہ اس کتاب میں ٦٦٦٦ آیات گویا حضور ﷺ کے ٦٦٦٦ معجزات ہیں۔ اب یہ آیات اگر حضور پرنور ﷺ کی شان و عظمت بیان کرتی ہوں تو معجزہ ہوں گی ورنہ نہیں۔

چنانچہ ظاہر ہے اگر قرآن پاک کی یہ آیات بینات حضور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ہیں تو لازماً ان میں آپ ﷺ کی عزت وعظمت کے ہی مختلف زاویوں کا ذکر ہوگا۔ کہیں حضور ﷺ کے علم وسیع کا بیان ہوگا تو کہیں ذکر رفیع کا، کہیں آپ کی مشکل کشائی کا ذکر ہوگا تو کہیں حاجت روائی کا، کہیں آپ کی سیرت کے جلوے مذکور ہوں گے تو کہیں صورت کے، کہیں بصیرت وفراست کا تذکرہ ہوگا تو کہیں بصارت وسماعت کا، کہیں آپ کی تعلیم وتفہیم کا حال ہوگا تو کہیں تبلیغ وتذکیر کا۔ غرض جب یہ کتاب مقدس خود حضور پرنور ﷺ پر ہی نازل ہوئی ہے تو اس کے مضامین کا مرکزی نقطہ محبوب پاک ﷺ کی عزت وعظمت ہی ہوگا۔ چنانچہ اہل ایمان کے نزدیک بھی قرآن پاک کا یہی تصور ہے۔ حضرت میاں صاحب نے بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کیا خوب عرض کیا ہے

شداں مداں زیراں زبراں شان تری وچ آئیاں
عاماں لوکاں خبر نہ کائی، خاصاں رمزاں پائیاں

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب قدس سرہ نے کتاب ''شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن'' کے مقدمے میں ثابت کیا ہے کہ ''قرآن پاک کو بنظر ایمان دیکھا جائے تو اس میں اول سے آخر تک نعت سرور کائنات معلوم ہوتی ہے'' بے شک یونہی ہے اس لئے کہ بعض آیات تو وہ ہیں جن میں حضور ﷺ کی نہایت ہی واضح طریقے سے نعت ہے جیسے سورۃ الکوثر کی آیات، سورۃ الانشراح اور

سورۃ الضحیٰ سب کی سب۔ان کے علاوہ بھی کسی آیت میں رحمت تامہ کا بیان ہے تو کسی میں نبوت عامہ کا، کہیں آپ کے تصرفات کا ذکر ہے تو کہیں تجلیات کا، کسی آیت میں حلم و وقار کا بیان ہے تو کہیں خلق سراپا بہار کا، کہیں آپ کی ولادت کی بات ہے تو کہیں بعثت وہجرت کی، کہیں آپ کے جہاد کا تذکرہ ہے تو کہیں فتح مبین کا، کہیں آپ کی قیل وقال کی گفتگو ہے تو کہیں حسن و جمال کی، کہیں شمائل کا ذکر ہے تو کہیں خصائل کا، کہیں شہر جاناں کی قسم ہے تو کہیں عمر جاوداں کی، کہیں آپ کی اتباع واطاعت کی تلقین ہے تو کہیں محبت ومودت کی، کہیں تعظیم وتکریم کا حکم ہے تو کہیں صلوٰۃ وتسلیم کا۔اس قسم کے مضامین کا نعت ہونا تو کسی سے مخفی نہیں۔

جن آیات میں اللہ کریم جل مجدہٗ نے حضور ﷺ کے اہل بیت اطہار یا اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومحامد بیان یا آپ کی امت کے اولیاء بلکہ خود امت کا مجد وشرف بیان کیا،وہ بھی آپ ہی کی عظمت اور مدحت کا ایک پہلو ہے۔ جن آیات میں متقین ،ذاکرین ،تائبین وغیرہ صالحین کا ذکر خیر ہے،وہ بھی گویا حضور پرنور ﷺ کی اطاعت واتباع کی برکات کا ذکر ہے۔بلکہ قرآن پاک نے خود اپنی تعریف کی ہے،وہ بھی حضور ﷺ کی نعت کا ایک حسین عنوان ہے کیونکہ یہ ساری کتاب ہدایت حضور ﷺ کے معجزات کا بیان ہے اور مجموعہ

جہاں قرآن کریم میں انبیائے سابقین علیہم السلام کا ذکر خیر ہے وہاں بھی گویا یہ مراد ہے کہ اگر ان کی شان ایسی بلند ہے تو ان کے سردار وسالار ﷺ کی

رفعتِ شان کا کیا عالم ہوگا۔ ان کی بے ادبی کر کے جو قومیں ہلاک ہوئیں اور عذاب الٰہی سے نیست و نابود ہوئیں ان کے ذکر سے بھی گویا مقصود حضور ﷺ ہی کے دشمنوں کو تنبیہ ہے۔

قرآن کریم میں جن آیات کا تعلق حمد الٰہی کے ساتھ ہے بہت سے مقامات پر وہ قُل سے شروع ہوتی ہیں مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اب غور کیجئے ھو اللہ سے حمد شروع ہوئی ہے اور آخری آیت تک جاتی ہے۔ قُل کے شامل ہونے سے نعت بن گئی۔ یعنی اے محبوب کریم ﷺ تم اپنی پیاری میٹھی حق گو زبان سے میری توحید بیان کرو۔ گویا یہ حضور محمد عربی شہنشاہ کائنات ﷺ کا وسیلہ ہے کہ دنیا کو توحید کی سمجھ آ جائے۔

اے رضا فیض ہے احمد پاک ﷺ کا
ورنہ ہم کیا سمجھتے خدا کون ہے

پھر وہ آیات حمد جن کی ابتدا قل سے نہیں ہوتی اور بظاہر ان میں صرف حمد کا مضمون ہی ہوتا ہے، غور کریں تو ان سے یہ بات مترشح ہے کہ جس ذات ستودہ صفات کی یہ حمد ہے، اس کا سب سے زیادہ قرب اس محبوب پاک ﷺ کو میسر ہے جس پر یہ کلام نازل ہوا ہے، چنانچہ اگر حمد قدرت الٰہی کے بیان پر مشتمل ہے تو یہ محبوب ﷺ اس قدرت کا بہترین و کامل ترین مظہر ہے اور اگر حمد رحمت و رزاقی کے حوالے سے ہے تو بھی یہی محبوب اس کا مظہر یکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذات محمود

اگرارحم الراحمین ہے تو اس کا حبیب محمد ہے ﷺ اور رحمۃ للعلمین۔

اگر آیات کا تعلق احکام سے ہے تو بھی نعت حبیب ﷺ کا مضمون اندر ہی اندر موجود ہے۔ اور وہ یوں کہ مثلاً نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تو دے دیا مگر ان کے تفصیلی مسائل کا بیان حبیب کریم معلم عظیم ہادی فخیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رہنے دیا۔ گویا قدرت کا منشا یہی ہے کہ امت محمدیہ ﷺ اپنے والی کی محتاج ہی رہے اور اس محبوب پاک ﷺ کی ہدایت ورحمت سے بے نیاز ہونے کا تصور بھی نہ کر سکے، اسی لئے قرآن پاک میں منصب نبوت کے ضمن میں فرمایا!

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرۃ)

ترجمہ: یہ محبوب اہل ایمان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے

غرض قرآن مقدس کی ہر آیت میں حضور پرنور ﷺ کی مدح ونعت کے مضامین ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ کوئی نہ مانے یا نہ ماننے پر تلا ہوا ہو تو الگ بات ہے ورنہ جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا کوئی جاہل سے جاہل بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ قرآن مسلمانوں کی مذہبی وآسمانی کتاب ہو، پھر بھی اس میں مسلمانوں کے نبی ﷺ کی تعریف نہ ہو یا یہ جس شخصیت مقدسہ پر نازل ہوا ہے، اسی کے خلاف ہو۔ کتنی حیرت انگیز یہ صورت حال ہے کہ جس بات کو عارف و عامی، عالم و جاہل، حکیم وسفیہ، اپنے پرائے سب سمجھتے ہیں، نجد و دیوبند کے فضلاء اپنی حکمت و دانائی کے باوجود، اپنے 'زہد وتقویٰ' کے باوصف اور بزعم خویش آسمان علم وفضل کے مہر وماہ ہوتے

ہوئے بھی تاحال نہیں سمجھ سکے۔ حضور پرنور ﷺ کے غلام قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو نعت نبی ﷺ کے مہکتے ہوئے چمن زاروں کے سدابہار پھولوں سے دامن دل بھرنے کے لیے اور نجد و دیوبند کے 'بندے' کلام مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو معاذ اللہ حضور پرنور ﷺ کے فضائل کا انکار سکھانے سیکھنے کے لیے۔ یعنی

خود تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

ایسے ہی لوگوں کے حق میں جو علم کے بغیر فتویٰ دیتے ہیں، حدیث میں ضلوا فاضلوا (یعنی خود گمراہ ہوئے پھر دوسروں کو گمراہ کیا) وارد ہے۔

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا گیا

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ

(ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: جو شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے کہ اس وجہ سے علماء پر فخر کرے یا ان پڑھوں سے جھگڑا کرے یا یہ سوچے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں ڈالے گا۔

دیانتداری سے سوچئے ایک طرف یہ مقاصد ہیں جن کی سزا جہنم ہے اور دوسری طرف یہ مقصد کہ اللہ کے محبوب اعظم جن کا خود بھی کلمہ پڑھتے ہیں، ان کی عظمت وشان کا انکار کرنے کرانے کیلئے علم حاصل کرنا، کیا وہ مقاصد برائی میں اس

آخری مقصد کے برابر ہیں، کہنا پڑے گا کہ ان مقاصد سے یہ آخری مقصد از حد گھناؤنا، شرمناک، باغیانہ اور کافرانہ ہے۔ کیسا برا عمل ہے محبوب اکرم، حسین اعظم، نبی انجم ﷺ سے بغاوت کر کے ان کے فضائل ومحامد کا انکار کرنا اور کیسی بری نیت ہے کہ قرآن مقدس کی آیات مقدسہ کے تراجم توڑ موڑ کے حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتوں کے انکار کی راہیں تلاش کرنا۔

حضور پرنور ﷺ کی ولادت و بعثت کے وقت دنیا، بلکہ بالخصوص مکہ معظمہ کی حالت کیا تھی۔ اہل مکہ کے مذہبی، سماجی اور سیاسی حالات کا نقشہ کیا تھا کسی پڑھے لکھے انسان سے مخفی نہیں۔ مگر محققان و واعظان نجد و دیو بند کی تقریر و تحریر کا مطالعہ کریں تو تصور کے پردۂ سیمیں پر کوئی اور ہی نقشہ ابھرتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اہل مکہ سب کے سب ایک خدا کے ماننے والے تھے۔ مگر خدا کے ساتھ ساتھ اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی مدد مانگا کرتے تھے، ہر طرف میلاد کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ ہر گھر میں گیارھویں شریف کا رواج تھا۔ حضور پرنور ﷺ کو لوگ حاضر وناظر اور دانائے غیوب مانتے تھے۔ اُٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ کی دھائی دیتے تھے۔ لوگ قبروں کو چومتے تھے۔ ایسے لوگ بھی تھے جو نبیوں کا دوسرے لوگوں سے درجہ زیادہ سمجھتے تھے اور حضور ﷺ کو اللہ کا نور جانتے تھے۔ سارے قریش مکہ نماز میں تو معمول کا درود شریف پڑھتے تھے مگر نماز کے بعد وہی درود شریف جو اہل شرک وبدعت آج تک پڑھتے ہیں پڑھا کرتے تھے یعنی

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

نماز کے بعد اجتماعی دعا کرتے تھے۔اور عموما تقریبات کے آخر میں قیام وسلام کا اہتمام کرتے تھے شرک اس حد تک راسخ ہو گیا تھا کہ بات بات میں حضور ﷺ کا بلکہ اُن کی آل پاک رضی اللہ عنہم کا بلکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا بلکہ عام اولیائے امت کا وسیلہ بھی بارگاہ خداوندی میں پیش کیا کرتے تھے اور اللہ کے محبوبوں کے بارے میں ان کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ دور سے سنتے ہیں اور امداد بھی کرتے ہیں گویا قریب ہی کہیں ہوں۔

نجد و دیو بند کے ترجمان اسی قسم کی ذہنی وتصوراتی فضا قائم کر کے تمام غصہ مسلمانوں پر نکالتے ہیں۔ان کی تحریروں میں موجودہ مسلمانوں کے بعض معمولات دے کر آخر میں اس قسم کا نتیجہ نکالتے ہیں وسوا ابو جہل کیساتھ شرک میں برابر ہیں، اور یہ بات بھی از راہ تکلف یا اپنا اعتبار جمانے کیلئے کہتے ہیں، ورنہ ان کے دل سے پوچھئے تو ابوجہل ان کا ہیرو ہے جس نے آخر تک اللہ کے سچے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے سرنگوں نہیں ہونے دیا اور ان کا سارا سرمایہ حیات ابولہب کا وہ اسوہ ہے کہ اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے اور شور مچا رہا ہے یا اس کی بیوی کا طرز عمل ہے جو جنگل سے کانٹے چن چن کر لاتی تھی تا کہ جن کے قدموں کے بوسے کیلئے عرش علیٰ بیقرار رہتا ہے، ان کے نیچے ان (کانٹوں) کو بچھایا جائے۔ہاں ہاں وہ شیطان صفت عورت جنگل کے کانٹے راستے میں بچھاتی

تھی اور یہ بدنصیب انکار کے کانٹے امت کی راہ میں بچھاتے ہیں کہ کوئی درِ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رخ نہ کر سکے۔

مختصر یہ کہ انھوں نے قرآن سمجھنے کی دانستہ کوشش ہی نہیں بلکہ ان کا مطمع نظر یہ رہا ہے کہ رشدی جیسے شیطانوں کی طرح قرآن پاک میں معنوی تحریف کر کے لوگوں کو گمراہ کریں۔ چنانچہ ساری امت اپنے اکابر کے زیر سایہ اور طریقے سے قرآن سمجھتی آئی ہے اور یہ چند غول بیابانی جواب کہیں سے ابھرے ہیں بالکل دوسری طرح۔ قرآن پاک ہمیشہ تک کیلئے ہے اور ہمیشہ کی طرح آج بھی اس سے رہنمائی لی جاسکتی ہے مگر

'کسی' دماغ میں بتخانہ تو کیا کہیے

غالب نے اپنے محبوب سے عشق کیا اور لوگوں نے اس پر محبوب کو پوجنے کا الزام لگایا، غالب نے الزام لگانے والوں کو احمق قرار دیا

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار

کیا پوجتا ہوں اس بت بیداد گر کو میں

خواہش یا محض شوق پر شرک کا فتویٰ لگا دینا کیسی حماقت کی بات ہے۔ یہ تو غالب نے اپنے محبوب کی محبت کے بارے میں بات کی۔ یہاں کائنات کا وہ محبوب اعظم ﷺ ہے جس کی محبت اللہ کی محبت ہے اور جس کی محبت کا حکم خود اللہ نے دیا ہے، اس کی محبت کے جذبۂ صادقہ کو مٹانے کا حکم دینا یا مٹانے کی کوشش کرنا،

حماقت ہی نہیں کفر ہے بلکہ اللہ کا مقابلہ کرنے کی بنا پر اسے شرک بھی کہا جا سکتا ہے۔

حق یہ ہے کہ طبیعت میں تھوڑی بہت راست بازی ہو اور آدمی کچھ نہ کچھ اخلاص سے قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش کرے تو پھر شداں مداں زیراں زبراں، حضور پرنور ﷺ کی مدح و ثنا ہی کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ورنہ سارا قرآن پڑھ جائیے، کچھ سمجھ نہیں آئے گی۔ نجد و دیوبند کے جیالے اخلاص سے سراسر خالی تھے، انھیں سارے کلام پاک میں کہیں بھی شان مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء نظر نہیں آئی۔ ورنہ قرآن پاک کا فیض تو محدود نہیں، اس گئے گزرے دور میں بھی غیر مسلموں کے گھروں میں جنم لینے والے گورے، کالے، ڈچ، فرنچ، افریقی اور امریکی قرآن پاک کے مختلف زبانوں میں ترجمے پڑھ کر مسلمان ہو رہے ہیں اور اسلام کے خلاف غلط سلط اور بے بنیاد پروپیگنڈے کی آغوش میں پلنے والے ہزاروں لوگ خواجۂ لولاک ﷺ کے سایۂ دامن کی پناہ میں آرہے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ نام نہاد مسلمان ہیں جو علم و فضل کے ایسے غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں کہ ہدایت کی ہوا کا کوئی جھونکا بھی ان کے گوش قلب تک نہیں پہنچ پاتا۔

جسے چاہا در پہ بلالیا، جسے چاہا اپنا بنا لیا!
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

اللہ کا کلام، اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا اور اللہ والوں نے پڑھا تو ہر ہر لفظ پر بلکہ ہر ہر حرف پہ یوں محسوس ہوا کہ

؎ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

یار لوگوں نے حضور ﷺ کے نور کا انکار کیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس میں دوسروں سے امتیازی شان کا اظہار ہوتا ہے جو کسی قیمت پر گوارا نہیں۔ جہاں گھٹی میں یہ بات بٹھادی گئی ہو، اور پہلے دن سے یہ سبق رٹا دیا گیا ہو کہ وہ ہم جیسے ہیں، ہم ان جیسے ہیں، کوئی فرق نہیں، کوئی امتیاز نہیں، کوئی اختصاص نہیں، وہ لوگ حضور پر نور ﷺ کے نور کو کیونکر برداشت کر سکتے، لاکھ سمجھاؤ کہ نور و بشر باہم متضاد نہیں اگر جناب جبریل علیہ السلام حضرت مریم کے پاس پورے پورے بشر بن کر آ سکتے ہیں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں انسانی لبادے میں حضور ﷺ کی بارگاہ عرش پناہ میں دیکھا تو بشر نور کیوں نہیں بن سکتا۔ قرآن پاک میں لفظ 'نور' دکھاؤ، احادیث مقدسہ جنھیں عظیم محدثین و کاملین نے نقل فرمایا سامنے لاؤ ہرگز نہیں مانتے، ایک ہی رٹ قرآن نے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فرمایا ہے۔ لہٰذا اور کچھ ماننے بلکہ سننے کو تیار نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ بشر ہیں، دوسرے انسانوں جیسے ہیں اور دوسروں سے سوائے وحی کے کوئی فرق نہیں۔

غرض ان کا مبلغ علم یہی ہے کہ چونکہ حضور ﷺ کو 'بشر' کہا گیا لہٰذا وہ دوسرے ابنائے بشر جیسے ہی ہیں یعنی یار لوگوں نے مقام نبوت کو بھی اپنی سطح تک نیچے لانے کی کوشش کی، مگر پوچھئے عاشقانِ رسول سے، تو انھوں نے اس خیال سے کہ اللہ کے محبوب و مطلوب ﷺ پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے، انھوں نے محبوب کی ہر

کت سے لفظ 'بشر' کو دوسروں کیلئے بھی سرمایۂ افتخار سمجھا اور اسے بھی کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ آفتاب علم وعرفان حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ اس مسئلے میں حضور ﷺ کی بشریت کا ذکر کریں تو کس معنیٰ میں، فرماتے ہیں، آپ کے ارشاد کا خلاصہ حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے آپ کے ارشاد کا خلاصہ یوں دیا ہے

''لفظ بشر مفہوماً اور مصداقاً متضمن بکمال ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو بشر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری ہے

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط (ص،۷۵)

(اے ابلیس جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا، اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا)

کیونکہ اس پیکر خاکی کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی اسلئے اسے بشر کہا گیا ہے اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے نیز یہی بشر ہے جو آپ کے الفاظ میں کمال استجلاء کیلئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن نشین ہوں تو بشر کہنا عین تعظیم وتکریم ہے (مگر چونکہ اس

کمال تک ہر کس و نا کس سوائے اہل تحقیق و اہل عرفان رسائی
نہیں رکھتا لہذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم
عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کیلئے جائز اور عوام کیلئے بغیر زیادت
لفظ دال پر تعظیم نا جائز ہے" (ضیاء القرآن بحوالہ فتاویٰ مہریہ)

اسی طرح ایک اور لفظ ہے 'عبد'۔ اس کا ترجمہ ہے بندہ، کلمہ شہادت میں اور التحیات میں سب پڑھتے ہیں

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں جناب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اللہ کے 'بندے' اور رسول ہیں۔

عبد کا معنی آ گیا 'بندہ' تو شور مچا دیا گیا، لو جی! ہم بھی بندے، وہ بھی بندے، پھر قرآن کریم میں کئی بار یہی لفظ عبدہ آیا ہے تو ان کے نزدیک حضور ﷺ کے ان جیسے بندہ ہونے پر قرآنی مہر تصدیق لگ گئی ہے۔ مگر یہ شور و غل کیوں؟ محض اس لئے کہ افکار و تخیلات کی فضا پر بغض کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جس لفظ سے بھی یہ نتیجہ نکال سکے نکالا وہ بالکل عام انسانی سطح پر ہیں، ادب و عشق یا ایمان و عرفان سے دل نا آشنا تھا کہ کچھ اور سوجھتا۔ مگر انھیں چھوڑیئے، آیئے ان کی طرف جنھیں نگاہِ عشق و مستی ارزانی ہو چکی ہے، مثلاً حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی طرف، وہ عبدہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے 'جاوید نامہ'

میں حلاج کی زبان سے اس کی تفسیر کی ہے چند شعر ملاحظہ ہوں

پیش اوگیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہ از فہم تو بالاتر است
زانکہ اوہم آدم وہم جوہر است
جوہر اُونے عرب نے انجم است
آدم است وہم ز آدم اقدم است
عبدہ ہم جانفزا ہم جانستاں
عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگ گراں
عبدہ دیگر عبدہ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہ با ابتدا بے انتہا است
عبدہٗ را صبح و شام ما کجاست
عبدہ چند و چگون کائنات
عبدہٗ راز درون کائنات
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تانہ بینی از مقام مارمیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

36

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کے محبوب اعظم حضور خواجۂ لولاک ﷺ کی عظمت یکتا کا مضمون ہو یا دوسرے محبوبانِ خدا کے مقامِ بلند کی بات ہو، اس کا سب سے بڑا داعی اور سب سے پہلا مبلغ قرآن حکیم ہی ہے۔ حق یہ ہے کہ جس عظمت کی تائید قرآن پاک سے نہ ہو سکے، اس کی حیثیت پرکاہ سی بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جن معجزات کا اور ان کی امتوں کے اولیاء کے جن تصرفات کا ذکر اس کتاب سرمدی میں آ چکا ہے، وہ معمولی نوعیت کے نہیں۔ انہیں پر غور کر لیں تو آخری امت کے اولیا و مقربین کے کمالات و تصرفات کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے، کتنی واضح بات ہے اللہ نے اپنے پاک بندوں کو کمالات عطا فرمائے اور پھر اللہ پاک نے ہی ان کا ذکر کیا، لہٰذا انکار کی گنجائش نہیں۔ اب جو شخص قرآن پاک کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے ٹھنڈا ہونے پر بھی ایمان رکھتا ہے اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے ٹھنڈا ہونے پر ایمان نہیں رکھتا، قرآن پاک کی صداقت و حقانیت پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔ نارِ نمرود کا ٹھنڈا ہونا جہاں

ابراہیم علیہ السلام کی عظمت شان کی دلیل ہے، وہیں رب کی قدرت کاملہ کا ثبوت بھی ہے، انکار کرنے والا بظاہر ابراہیم علیہ السلام کے معجزے کا انکار کر رہا ہے، مگر دراصل اللہ کے قادر مطلق ہونے کا انکار بھی ہے۔توحید کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کو سچا ماننے اور اس کے کلام میں کسی قسم کے شک وشبہ کو دخل انداز نہ ہونے دے، بدنصیب اس حقیقت سے غافل ہے اور قرآن پاک کے بیان فرمودہ حقائق پر بھی ایمان نہیں رکھتا تو اسے توحید سے کیا واسطہ مگر افسوس شیاطین دور حاضر نے بڑی چابکدستی سے پوری قوم کو بے وقوف بنانے پر کمر باندھ لی اور جو کفر کا تقاضا تھا، اسی کو توحید کا تقاضا قرار دیا۔پھر کیا تھا کفر کرتے رہے اور 'توحید' 'توحید' کا شور مچاتے رہے۔حتی کہ بعض کچے کان اس سے متاثر بھی ہو گئے اور وہ بھی بغیر کسی مزید تحقیق کے محض شور سن کر ہی شور کرنے والوں میں مل گئے ۔شور کرنے والوں کو اپنی تدبیر کامیاب دکھائی دی تو انہوں نے شور کی سریں اور اونچی کر دیں تو شور کرنے والوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جن لوگوں کا قرآن پاک پر ایمان تھا، وہ شور مچاتے اور بلند آہنگی کے ساتھ قرآنی تعلیمات ومعتقدات کا پرچار کرتے ،مگر فطرتاً صلح پسند وصلح جو ہونے کی بنا پر وہ حسن ظن سے کام لیتے رہے، یا یہ کہ وقت کے تقاضے سے غافل رہے اور اپنا فرضِ محبت پہچان نہ سکے۔نتیجتاً شور شرابے سے گریز کر کے عموماً شور کرنے والوں کو کھل کھیلنے کا پورا پورا موقع دیتے رہے۔

غور کیجئے کیا صورت حال ہوگی جب کسی بستی پر ڈاکو ہی حملہ کریں اور ڈاکو ہی شور مچائیں کہ لوگو لٹ گئے ،مارے گئے ،پکڑو دھکڑو، جانے نہ دو، بھاگنے نہ

پائے۔ ہاں ہاں خود توحید کے خلاف بغاوت کر کے اور خود قرآن پاک کی تصدیق نہ کر کے پھر خود ہی توحید کے لبادے میں منظر عام پر آنا توحید سے اس سے بھی بڑا مذاق ہے جسے ہم اپنی بے بس آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جو عملاً تقریباً دو صدیوں سے جاری ہے۔ ایک نسل کے بعد دوسری اور ایک گروہ کے بعد دوسرا میدان عمل میں اترتا ہے، شور مچاتا ہے، کچے کان متاثر ہو جاتے ہیں، شور اور بڑھتا ہے، اور یوں یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہاں اب اس شور میں جہاد کا نعرہ بھی لگایا جا رہا ہے۔ حضور پرنور ﷺ کی امت 'توحید' کی دلدادہ ہے تو پہلا نعرہ توحید کا اور اسے جہاد سے بھی پیار ہے تو دوسرا نعرہ جہاد کا۔ چنانچہ جو سلوک یار لوگوں نے توحید سے کیا، وہی جہاد سے کر رہے ہیں اور جس 'خلوص' سے توحید کا نعرہ لگایا، اسی 'خلوص' سے 'جہاد' کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ کبھی 'توحید' کے نشے سے سرشار ہو کر کسی مسجد پر حملہ کر دیتے ہیں تو کبھی کسی عالم دین کو رات کے وقت جلسے سے آتے ہوئے گھیر لیتے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں بھی ان کی چالیں بڑی باریک ہیں۔ وہاں اپنی مخصوص توحید کی اشاعت کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے پمفلٹ تقسیم کرتے ہین، وہ سب کے سب اہل سنت اور پرانی وضع کے مسلمان ہیں۔ یہ ان کے مزارات کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ ان کے بزرگوں کی شان میں اپنی مادری زبان استعمال کرتے ہیں۔ کشمیری بے چارے عجب عذاب سے دو چار ہیں۔ ایک طرف مشرک ہندو فوج جو جان کی دشمن ہے، ایک طرف یہ نام نہاد موحد جو ان کے ایمان کے دشمن ہیں۔ ہماری دعا ہے اللہ اپنے محبوبان عظام کے صدقے ان کی جان بھی محفوظ

رکھے، ایمان بھی۔

آپ نے سنا ہوگا حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ جو اسلام کے عظیم حکیم، حضرت اقبال کے روحانی مرشد اور نام نہاد حافظ سعید سے گالیاں کھانے والے صابر ولی ہیں، دو قسم کے یاروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تا توانی دور شو از یارِ بد   یارِ بد بدتر بود از مارِ بود

مار بد تنہا ہمیں بر جان زند   یار بد بر دین و بر ایمان زند

ترجمہ: جہاں تک ہو سکے برے یار سے دور رہ کیونکہ برا یار برے مار (یعنی سانپ) سے بھی برا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مار بد تو جان پر ہی حملہ کرتا ہے جبکہ برا یار دین و ایمان پر حملہ کرتا ہے۔

چونکہ یہ مجاہد پاکستان ہیں ہوسکتا ہے کشمیریوں کو پاکستان سے بیزار کرنا ہی ان کا مقصد ہو۔ بظاہر ایک عجیب سی بات ہے مگر یار لوگ اس قسم کے اعجوبوں کے عادی ہیں۔ بظاہر کچھ کرتے ہیں، بباطن کچھ اور مطلب ہوتا ہے۔ انہوں نے ہر دور میں ظاہر و باطن کو ایک دوسرے سے برعکس ہی رکھا ہے۔ فرمایئے منافق کی یہی تعریف نہیں ہے۔ یہ میں نے کیا کہا کہ اب 'توحید' کے ساتھ 'جہاد' شامل ہوگیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی توحید کے ساتھ اس قسم کا جہاد مربوط ہی رہا ہے۔ بلکہ اس قسم کی توحید شاید اس قسم کے جہاد کے بغیر پنپتی ہی نہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ توحید مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کے گھر پیدا ہوئی۔ اسی فضا میں پلی بڑھی۔ یہی اسمٰعیل صاحب 'جہاد' کرنے کے لئے پشاور کے علاقے میں تشریف

لے گئے اور وہاں تذکرۃ الرشید کی رپورٹ کے مطابق سب سے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکمِ یاغستان سے کیا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ان کے نزدیک حرام تھا۔ انہوں نے سکھوں کا نام لیا اور سرحد کے پٹھانوں کو نشانہ بنایا (کہ یہ ابھی انگریزوں کے زیر اثر نہیں آئے تھے) اپنے اپنے تعلقات ہوتے ہیں اور اپنی اپنی ترجیحات۔ مولانا اسمٰعیل دہلوی انگریزوں کو مہربان سمجھتے تھے اور جو نخلِ وفا انہوں نے بویا تھا، بعد میں ان کے ماننے والے اس کی آبیاری کرتے رہے۔ چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی جنھوں نے انگریز گورنر پنجاب کو درخواست دے کر وہابیوں کے لئے نام 'اہل حدیث' منظور کرایا تھا، نے انگریزی حکومت کو جس انداز میں خراج عقیدت پیش کیا ہے، وہ اس ایڈریس سے ظاہر ہے جو انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر گروہ اہل حدیث کی طرف سے پیش کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں

> "یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اس سلطنت میں حاصل ہے بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یہ یقین ہوسکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں" (وہابی مذہب بحوالہ اشاعت السنۃ)

ایک طرف پرانی 'توحید' کے سیدھے سادھے پرستار ہیں جو اپنے اللہ کے بعد اسی کے حبیب ﷺ کو تمام عظمتوں، عزتوں، رفعتوں، شوکتوں اور سطوتوں کا

مرجع سمجھتے ہیں، وہ ذکر کرتے ہیں تو اللہ کے بعد اس حبیب پاک ﷺ کا، اللہ کے بعد کسی کو اپنا محسن، مربی، چارہ ساز، مشکل کشا، حاجت روا جانتے ہیں تو اسی اللہ کے نائب اعظم رسول مکرم ﷺ کو۔ اللہ کی کبریائی کے ساتھ کسی کی دہائی دیتے ہیں تو اسی محبوب اکرم، حبیب اکرم ﷺ کی رسالت کی، چنانچہ دیکھا ہوگا پہلے نعرہ تکبیر پھر نعرہ رسالت، ان کے اللہ نے، ان کے ایمان نے، ان کے مشائخ نے اور ان کے اساتذہ نے جو بات ان میں سے ہر فرد کے ذہن نشین کرادی ہے، وہ یہ ہے کہ

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہی 'رسم وفا' ان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اسی کو یہ حاصلِ ایمان سمجھتے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو اسی عینک سے اور حدیث پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسی کی روشنی میں۔ ذرا خیال تو فرمایئے اللہ جل مجدہ نے محبت سے اپنے حبیب ﷺ پر کتاب محبت اتاری اور اہل محبت نے اہل محبت سے سیکھ کر اہل محبت کو سکھائی۔ وہ لمحے کتنے وجد آفریں ہوتے ہیں جب محبت سے یہ کتابِ محبت سیکھی سکھائی جاتی ہے اور وہ قلب ونظر کتنے اجالوں کے امین بن جاتے ہیں جن کو قرآنی انوار سے یوں سیراب ہونے کا موقع ملتا ہے۔ نئی اور خانہ زاد' توحید' کے علمبردار بھی رسم وراہ وفا سے واقف ہیں مگر ان کی وفاداری خدا کے دشمنوں اور اسلام کے باغیوں سے ہوتی ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور بغض ہے تو اللہ کے محبوبوں سے چنانچہ جو اللہ کا جتنا محبوب ہے، یہ اس سے اتنا ہی بغض رکھتے ہیں۔ اللہ کو سب

سے زیادہ محبوب وہ محبوب ہے ﷺ جس کی نسبت، غلامی، اتباع و اطاعت کی وجہ سے وہ دوسروں کو بھی اپنا محبوب بنالیتا ہے، انہیں کرامات سے نوازتا ہے، تصرفات عطا فرماتا ہے، انہیں کمالاتِ قدرت کا مظہر بنالیتا ہے۔ وہ اسی محبوب ﷺ کے صدقے سے جس کو جو نعمت دیتا ہے، دیتا ہے بلکہ اسی کے ہاتھوں اپنی ساری نعمتیں تقسیم کراتا ہے اور اسی کے ذریعے کسی کو قبول فرماتا ہے۔ بلکہ جو اس کا مقبول ہے اللہ کا مقبول ہے اور جو اس کی بارگاہ بیکس پناہ سے مردود ہے، اللہ کے ہاں بھی مردود ہے۔ اللہ اکبر، کیا شان ہے اس اللہ کے دربار میں اس کے حبیب پاک ﷺ کی کہ جس شخص نے سو سال مجاہدہ و ریاضت میں گزاری اور زہد و ورع میں کوئی کمی نہ آنے دی، بدقسمتی سے اس سے اس محبوب اکبر واعظم واکرم ﷺ کی شان میں ہلکی سی بے ادبی ہوگئی تو اس کی ساری عبادتیں ضائع، اس کے سارے جہاد مردود، اس کے سارے اعمال ضبط۔ پھر یہ ساری باتیں کسی سینہ گزٹ سے امت میں نہیں پھیلیں، کسی صوفی کے کشف سے معلوم نہیں ہوئیں، کسی فلسفی نے عقل کے زور سے انہیں دریافت نہیں کیا بلکہ ساری دنیا میں جو کتاب سب سے زیادہ محفوظ ہے، سچی اور ابدی ہے یعنی اللہ کی کتاب 'قرآن مجید' اس میں ہیں، اور بڑے واشگاف انداز میں ہیں مگر کتنے تعجب و حیرت کی بات ہے کہ نئی اور خانہ ساز توحید والوں نے پھر بھی ان تصریحات اور تنبیہات سے کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکالا، انہوں نے بغض رسول سے توبہ نہیں کی اور محبت رسول ﷺ کا راستہ نہیں اپنایا۔ قرآن پاک سے زیادہ معتبر، موثر اور بلیغ پیرایۂ اظہار کائنات میں ممکن ہی نہیں مگر افسوس ان پر کوئی اثر نہیں۔

انہیں اللہ کی جنت سے کوئی دلچسپی نہیں، انہیں اللہ کی دوزخ سے کوئی خوف نہیں، انہیں روزِ محشر کی رسوائی کا کوئی کھٹکا نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اللہ کے غضب کا کوئی ڈر نہیں۔ ہاں ہاں جس اللہ کی توحید کے عاشق بنے پھرتے ہیں، اس کی رضا کا کوئی شوق نہیں۔ ثابت ہوگیا کہ ان کی توحید اگر رحمانی وقرآنی ہوتی تو ان کا طرزِ فکر ایسا باغیانہ نہ ہوتا کہ جس محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ادب اللہ خود کرانا چاہتا ہے، اس کے ادب کو ہی شرک بنا دیتے ہیں حق یہ ہے کہ معاشرت کے بھی کچھ اصول وقوانین ہوتے ہیں، یہ وہ بدنصیب ہیں جن کی دلآزاریوں سے ساری فضا گھٹن کا شکار رہتی ہے۔

حالی نے سچ فرمایا تھا!

جس کو خدا کا خوف ہے، وہ ہے بزرگ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہے، مردِ شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں، اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رذیل ہے، دل کا کثیف ہے

اسلام کے بہی خواہ اور ملت اسلامیہ کے سچے ہمدرد جہاں اس بات پر پریشان رہتے ہیں کہ عموماً وہ دین کا جذبہ کارفرما نہیں رہا، ملت کے نوجوانوں کو عیاشی وفحاشی کا دلدادہ بنایا جا رہا ہے، مردوزن کا وہ اختلاط جو تہذیب حاضر کا خصوصی سیاہ کارنامہ ہے عام ہو رہا ہے، درآمدی فیشنوں نے دل و دماغ کو اپنے چنگل میں پھنسا رکھا ہے، ٹی وی اور دوسرے ذرائع ابلاغ کی برکت سے رقص وسرود کی محفلیں گھر

گھر میں پہنچ رہی ہیں، ہماری کالج میں پڑھنے والی بچیاں حیا سے نا آشنا ہوتی جارہی ہیں، نصف صدی گزرنے کے باوجود یہاں وطن عزیز میں اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی نصاب تعلیم مروج نہیں کیا گیا۔ غرض دل خون کے آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے کہ ہماری اصل منزل کیا تھی اور ہم کدھر جارہے ہیں، اس کا حل یہی تو ہے کہ خدا کا اور اس کیلئے اس کے رسول ﷺ کا عشق دلوں میں پیدا کیا جائے۔ حضور پرنور ﷺ کے کمالاتِ صورت و سیرت بیان کر کے قافلے کا رخ اپنے اصل قبلے کی طرح موڑا جائے، اسلام کو اپنے اپنے ماحول میں ہی سہی زیادہ سے زیادہ نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور دین حنیف کے حوالے سے معاذ اللہ اگر کوئی احساس کمتری کا شکار ہے تو اسے اس سے نکالا جائے۔ نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی نوع انسان پر جو احسانات کئے ہیں، اور اولاد آدم علیہ السلام کو قعرِ مذلت سے نکالنے کیلئے جو جو اقدامات کئے ہیں، انھیں بیان کیا جائے۔ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وہ معجزات جنھیں دیکھ کر کفار قدرت خداوندی اور عظمتِ نبوت پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے تھے انھیں بڑھ چڑھ کے بیان کیا جائے۔ اطاعت خداوندی کے جو فائدے عقبٰی میں ہوں گے صرف انھیں کو بیان نہ کیا جائے بلکہ اس دنیا میں بھی اس نے فکر و عمل کو جو روشنی اور قوت و برکت ملتی ہے، بیان کی جائے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ تھے کرنے کے کام مگر یار لوگوں کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ لوگ اگر اللہ کے ساتھ اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نام پاک لیتے ہیں، 'توحید حاضر' کے جیالے چڑھ جاتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نظر کرم اپنے ہر امتی کے شامل

حال ہے اور اسے احتیاط سے سفرِ حیات طے کرنا چاہیے، اس قسم کے جملے سن کر احتیاط تو ایک طرف رہی الٹا شرک شرک کا نعرہ لگا دیتے ہیں۔ اور سچی بات یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور امتی کا تعلق یہ بیچارے سمجھ نہیں پاتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں اس لئے کہ خود کو 'امتی' کہلوانا ان کیلئے غالباً بوجھ ہے۔ امتی بنیں تو تعلقات کی لطافت کو سمجھیں اور جب امتی ہی نہیں تو کیا سمجھیں اور کیونکر سمجھیں۔ ان کا اندازِ گفتگو بعض اوقات اتنا دلخراش ہوتا ہے کہ سننے والا آسانی سے یہ اندازہ لگا لیتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے سچے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دل سے نہیں مانتے اور جو کچھ یہ اول فول بک رہے ہیں، اللہ کے سچے نبی ﷺ کی شان اس سے وراء الوراء ہے۔

ہاں ہاں یہ خیالی بات نہیں، ایسا ہوتا ہے اور بعض دفعہ سلیم العقل لوگ صرف ان کی باتیں سن کر ہی یہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ میرے برادرِ طریقت راؤ نصر اللہ خاں مرحوم کا ایسا ہی واقعہ ہے۔ میرے محسن و مربی اعلیحضرت قیوم زمانی حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے انھیں بزم لاثانی ضلع ساہیوال کا صدر نامزد فرمایا تو ہمارا ان کا تعلق اور بھی بڑھ گیا۔ ایک دفعہ دورانِ گفتگو فرمانے لگے کہ میں نے دیوبندی گھرانے میں آنکھیں کھولیں اور ہمارے گھر والے ہی تھے جو اپنے گاؤں میں دیوبندی علماء کو تبلیغ کیلئے بلایا کرتے تھے۔ راؤ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ان دیوبندی علماء سے حضور ﷺ کے بارے میں ان کے خیالات سنے تو میرے دل نے گواہی دی کہ اللہ کے رسول ﷺ کی (معاذ اللہ) شان اتنی کمزور نہیں ہو سکتی اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، محض بغض و عداوت کی بنا پر

کہہ رہے ہیں۔ راؤ صاحب کے بقول اسی قسم کی تقریریں سن سن کر وہ اپنے گھر والوں کے عقیدے سے تائب ہو گئے اور پھر بعد میں وہ غوث زماں حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہو گئے۔

برادران عزیز، کسی کے نعروں پر نہ جایئے، کسی کی شکل سے دھوکا نہ کھایئے کسی کی من موہنی باتوں پر لٹو نہ ہو جایئے، ہاں ہاں یہ دیکھو اس کا اللہ کے پاک حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کیا رویہ ہے۔ باغیانہ ہے یا غلامانہ۔ باغیانہ ہے تو کسی لبادے میں ہو، کسی رنگ کا ہو اور چکنی چپڑی باتوں میں شاق ہو، اسے دنیا کا سب سے زیادہ بد بخت شیطان سمجھئے۔ ایسا کیوں نہ ہو، دنیا میں کون ہے جو اپنے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ان کی طرح مانتا ہے۔ آج کل کسی یہودی سے مل کر دیکھ لیجئے، اس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کس قسم کے عقائد و نظریات ہیں۔ کیا آپ نے کسی یہودی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تنقید کرتے دیکھا، کیا کسی عیسائی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے دیکھا۔ وہ تو ان کے معجزات چھپانے کے بجائے جو تین چار ہیں انھیں بڑھا چڑھا کے پیش کرتے ہیں اور انھیں نبی کے بجائے خدا مانتے ہیں۔ ایک یہ ہیں کلمہ بھی پڑھتے ہیں، بظاہر رسول بھی تسلیم کرتے ہیں، پھر بھی دن رات ان کے کمالات چھپانے اور ان کا انکار کرنے کرانے پر قسم کھائے بیٹھے ہیں۔ ایسے ناہنجار اور کہاں ہوں گے؟ ان کی باتیں سن کر اسلام میں کوئی کشش محسوس ہوگی یا کسے خداوند کریم و قدیر کی رحمتوں اور قدرتوں پر یقین آئے گا۔ مگر یہی تو یہ چاہتے ہیں کہ اندر والے

اسلام سے بددل ہوں اور باہر سے آنے کا ارادہ کرنے والے باہر رہیں۔ کیا آپ بھول گئے جب حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہاں یہودی بھی موجود تھے۔ حضور اکرم ﷺ انھیں دوران گفتگو اپنی تشریف آوری اور بعثت کا ذکر توریت میں پڑھنے کیلئے کہتے تو جہاں حضور ﷺ کا ذکر خیر آتا تو اس پر ہاتھ رکھ لیتے، تا کہ ذکر پاک چھپا رہے پھر حضور ﷺ انھیں فرماتے کہ ہاتھ ہٹا کر پڑھو وہ پڑھتے تو حضور ﷺ کا ذکر خیر بغیر کسی ابہام کے ہوتا۔ کسی حد تک یہی حال ان کا ہے بلکہ ان کا حال اور بھی زیادہ برا ہے۔ وہ یہودی وقتی طور پر سہی مان جاتے تھے، مگر یہ نہیں مانتے۔ ان کا انداز بعض اوقات اتنا بے رحمانہ ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ان کا مذاق اڑاتے ہیں مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ چنانچہ قیام پاکستان سے قبل کہتے ہیں کہ بھکھی شریف ضلع گجرات میں محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ کے لیے بریلی شریف سے تشریف لائے تو مولوی محمد شریف صاحب سابق شیخ الحدیث مسجد فتح پوری (دہلی) نے مناظرے کا چیلنج کر دیا۔ حضرت محدث اعظم قدس سرہ کو ثابت کرنا تھا کہ حضور سرورِ عالم، رحمت عالمیان ﷺ اپنے غلاموں کی امداد فرماتے ہیں جب کہ دیوبندی مناظر کو اس کا جواب دینا تھا۔ کہتے ہیں کہ دیوبندی مناظر کی قال وقیل سن کر ہندو سکھ کہتے تھے کہ مولوی صاحب اگر آپ کا نبی کچھ نہیں کر سکتا اور کچھ نہیں دے سکتا تو آیئے ہمارے ساتھ مل جایئے اور ہمارے مذہب میں آجایئے۔ غرض نجدی مناظر اور اس کے ہمنوا بڑی رسوائیوں کا بوجھ سر پر اٹھائے واپس ہوئے مگر حلقہ

گنبد رسول ﷺ پھر بھی نہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ۱۹۶۴ء کے لگ بھگ ان کی موت ہوئی تو کئی دن تک قبر سے بد بو آتی رہی۔ سچ ہے کافر ایک دفعہ جس کلمہ مقدسہ کو پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے منافق اسے لاکھوں بار پڑھ کر بھی مسلمان نہیں ہوتا۔ آخر کیوں؟ اس لیے کہ کافر نے اگرچہ ایک بار پڑھا مگر پڑھا دل سے ہے، اس کے برعکس منافق نے لاکھوں بار پڑھا مگر پڑھا صرف زبان سے ہے۔ قرآن پاک میں دیکھ لیجئے جو سزا منافق کی ہے، وہ اسی کے لیے ہے اور وہ سب سے سخت ہے چنانچہ

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا o (النساء۔۱۴۵)

ترجمہ: بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

مزید تفصیل دیکھنا ہو تو

وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الخ...... (سورۃ الفتح)

ترجمہ: اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو

دیکھی ترتیب ان کی جو ہمیشہ ہمیشہ نذرِ عذاب رہیں گے۔ پہلے منافق مرد و عورت اور پھر مشرک مرد و عورت۔ پہلے دور سے اب تک اہل ایمان کے عقائد و نظریات میں تبدیلی نہیں آئی یونہی منافقین کے افکار و خیالات میں یکسانیت موجود

ہے۔اُس دور کے منافقین کا زیادہ تر گزارہ حضور ﷺ کے کمالات صورت وسیرت کے انکار پر تھا اور دورِ حاضر کے منافقین بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے کمالات کو برداشت نہیں کرتے۔کوئی منافق حضور پرنور ﷺ کے علمِ غیب کا قائل نہیں تھا اور کوئی منافق حضور پرنور ﷺ کے علمِ غیب کا قائل نہیں۔کوئی منافق حضور پرنور ﷺ کو حاضر و ناظر نہیں مانتا تھا اور کوئی منافق حضور پرنور ﷺ کو حاضر و ناظر نہیں مانتا۔مختصر یہ کہ اس دور میں منافقت کا ظہور کمالات مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کے انکار سے ہوتا تھا اور اب بھی یہی حال ہے۔غور فرمایئے رب جبار وقہار نے منافقین کو سخت ترین عذاب کی وعید کی یعنی کن کو؟ ایسے گستاخان رسول ﷺ کو جو زبان سے توحید ورسالت کا اقرار بھی کرتے ہیں اور تصریح فرمادی کہ عذاب کے استحقاق میں مشرکین سے بھی پہلے نمبر انہیں کا ہے۔

غور کیا جائے تو سب سے زیادہ مستحق عذاب ہونے کی وجہ کفر،شرک یا نفاق نہیں بلکہ گستاخی رسول (ﷺ) ہے۔گستاخ کافر ومشرک ہو یا منافق،سخت ترین عذاب اسی کے لیے ہے۔آپ خود جائزہ لینے کی کوشش کیجئے،آپ کو معلوم ہو گا جس قدر بغض رسول ﷺ منافق کے دل میں ہے وہ کسی میں نہیں،کافر و مشرک ایک بار کلمہ پڑھ لیں تو بغض کی ظلمات دل سے نکل گئیں۔مگر منافق چونکہ کلمہ طیبہ کو اپنی گستاخی کی ڈھال بنالیتا ہے،لہٰذا اس کا جرم بھی زیادہ ہے اور سزا بھی زیادہ۔پھر اس کا یہ بغض بڑھتا ہی جاتا ہے خواہ آپ کوئی دلیل دیں،کوئی آیت سنائیں،کوئی حدیث پیش کریں،قرآن پاک فرماتا ہے

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ○ (البقرة۔١٠)

ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری ہے۔تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اوران کیلئے دردناک عذاب ہے بدلا ان کے جھوٹ کا۔

دیکھا آپ نے جھوٹ موٹ توحید کادعویٰ کرنے کانتیجہ......؟

مشرکینِ مکہ اور منافقینِ مدینہ کا نفسیاتی فرق بغور دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ مشرکین سے منافقین کی فطرت زیادہ مسخ ہوتی ہے۔مشرکین نبوت کا معجزہ دیکھ کراگر سچے دل سے ایمان نہیں لاتے تھے تو کم ازکم یہ مانتے تھے کہ واقعہ ضرور ہوا ہے،نبوت کے زور سے نہیں تو جادو کے زور سے ہی سہی،مگر منافقین ایسے معجزات دن رات دیکھتے تھے مگر اسے قابل غور ہی نہیں سمجھتے تھے،پھر مشہور ہے کہ حضور ﷺ کو ابوجہل اور ابولہب جیسے ملعون بھی 'الصادق' اور 'الامین' تسلیم کرتے تھے مگر منافقین قلب ونظر کے ایسے اندھے تھے کہ انھیں کسی اخلاقی خوبی کا دیکھنا بھی ناممکن تھا۔وجہ یہ کہ ان کی فطرت بہت بری طرح مسخ ہوچکی تھی۔

خیر بات ہو رہی تھی کہ منافقین کا عذاب سب سے سخت ہے کیونکہ انھیں حضور پرنور ﷺ سے بغض ہے،توحید کا نام اگر لیتے ہیں تو یہ وہ توحید نہیں جو بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ان کے غلاموں کوملتی رہی اور ملتی ہے۔ اور بخشش کا سبب بن جاتی ہے بلکہ ان کی توحید مسلمانوں کو دھوکہ دینے کا محض بہانہ

ہے۔ خیر بات یہی ہے کہ منافقین کا عذاب کھلے کافروں، ملحدوں، دہریوں اور مشرکوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اسے قرآن وحدیث کے علاوہ بعض سزا کے ان واقعات سے بھی دیکھا جا سکتا ہے جو دور حاضر میں بھی قدرت اپنی مخصوص حکمتوں سے دکھارہی ہے۔ مثلاً دورِ حاضر کا نامور گستاخ رسول جس کا نام غلام اللہ خاں تھا اور جو اپنے مخصوص حلقے میں شیخ القرآن کہلواتا تھا، کس طرح مرا، نہایت ہی عبرتناک ہے راولپنڈی کا یہ نام نہاد موحد دوبئی میں تقریر کے دوران کس طرح راہی ملک عدم ہوا، ایک چشم دید گواہ کی زبانی سنیئے، یہ گواہ اس سے متاثر ہوا اور اس کی موت دیکھ کر تائب ہوا پھر اس نے اپنے گاؤں کے قاضی صاحب کو سارا واقعہ لکھا۔ (اس خط کی نقلیں اس زمانے میں تقسیم ہوئی تھیں، ایک نقل ہم تک بھی پہنچی تھی۔ اب یہ کتاب ''گستاخوں کا برا انجام'' مصنفہ فیض ملت حضرت علامہ فیض احمد اویسی سے نقل کیا جارہا ہے

(دوبئی ۸۰۔۹۔۱۹)

جناب قاضی صاحب..................... السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت نیک چاہتا ہوں۔ صورت احوال یہ ہے کہ اس سے پہلے جو خط میں میں نے تازہ حالات اس وقت لکھے تھے، اب سارے یاد نہیں ہیں۔ مگر آپ نے لکھا کہ مجھ سے کسی نے تحقیق کی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر لکھتا ہوں کہ میں نے خود پہلے ان کی تقریر سنی جو انھوں نے یہاں کی، تقریباً دو گھنٹے تک آپ تقریر کرتے رہے۔ ہزاروں لوگ تقریر سننے

آئے ہوئے تھے، آپ یعنی غلام اللہ خاں صاحب نے خوب خوب [ل] آپ (ﷺ) کی گستاخی کی۔

میں خود بھی ان کا مداح تھا چونکہ مذہب سے لاعلم ہوں۔ آپ بھی مجھ سے اسی بارے میں ناراض رہتے تھے اور کئی بار میں نے آپ کو تحفے پیش کئے، آپ نے انکار کر دیا کہ میں تجھ جیسے بے ادب سے بات کرنا نہیں چاہتا، تحفہ کس طرح قبول کروں آج مجھے یہ باتیں یاد ہیں۔ گاؤں آ کر آپ سے معافی مانگوں گا تو تقریر کرتے ہوئے دل پر دورہ پڑا اور انھیں ہسپتال لایا گیا۔ وہ پلنگ سے اچھل کر چھت تک جاتے اور پھر زمین پر آ پڑتے۔ ڈاکٹر سب کمرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ میں چھپ کر دیکھتا رہا اور کانپتا رہا۔ اسی کشمکش میں تقریباً ایک گھنٹہ گزرا۔ پھر خاموشی ہوگئی کوئی اندر جانے کو تیار نہ تھا۔ میں نے ڈاکٹر کو بلایا جیسے کافی آدمی اکٹھے اندر گئے۔ اور دیکھا کہ ان کا رنگ سیاہ پڑ چکا ہے، زبان منہ سے باہر لٹک رہی تھی اور آنکھیں باہر ابل آئی تھیں۔ انھیں غسل دینے کو کوئی تیار نہیں تھا مجبوراً اسی طرح پیٹی میں بند کر کے پاکستان بھیج دیا گیا۔ میں تین چار دن بیمار رہا اور اٹھ اٹھ کر بھاگتا تھا پھر توبہ استغفار پڑھی اور کچھ میں ٹھیک ہوا۔ یہ تھی ان کی تقریر اور انجام خدا کی لاٹھی بے آواز تھی کام کر گئی۔ باقی باتیں خود آ کر سناؤں گا۔ دسمبر میں آنے کا ارادہ ہے۔ یہ خط قاضی صاحب کو دے دینا۔ گھر میں سب سے فرداً فرداً سلام۔

والسلام

فقط: تمہارا بھائی مختیار احمد

ل : گستاخی کیلئے 'خوب' کا لفظ جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

37

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور امتحان: 'اسلام' کیا ہے؟ ''گردن نہادن دراطاعت'' یعنی 'سرِتسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے'۔

یہ گویا اس کا لغوی مفہوم ہے۔ یہاں اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد ہے اللہ کے حکم کے آگے چون و چرا نہ کرنا اور اس کی طرف سے جو بھی ہدایت ہو اسے من وعن عملی جامہ پہنانا۔ غور کریں تو قرآن کریم میں اسلام کی یہی تشریح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زریں سیرت کے حوالے سے کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

(البقرہ۔۱۳۱)

ترجمہ: جب کہ اس سے اس کے رب نے فرمایا گردن رکھ، عرض کی میں نے گردن رکھی، اسی کے لیے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔

یہی اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یعنی میں نے رب العلمین کے حضور گردن

جھکا دی) بندے کا اعلان اسلام ہے۔ وہ اپنے اللہ کے ہر حکم کو دل وجان سے قبول کرنے کا عزم واعلان کردے تو یہی حقیقی اسلام ہے۔ اس پر آزمائش ہوگی، سخت امتحانات سے دو چار ہونا پڑے گا، مشکلات کا سامنا ہوگا۔ مگر بندۂ مومن کو ہر مصیبت خندہ پیشانی سے برداشت کرنی ہوگی اور ہر امتحان میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کا جذبہ اس کے ہر عمل کی جان ہونی چاہیے۔ دیکھیے اس سلسلے میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثال

وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ (البقرہ:۱۲۴)

ترجمہ: اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا، تو اس نے وہ پوری کردکھائیں۔

امتحان تو ہوگا۔ پھر امتحان جس قدر سخت ہوگا اسی قدر کامیابی پر جزا مرتب ہوگی، امتحان میں ناکام ہوگیا تو ذلت ورسوائی کے تاریک غاروں میں دھکیل دیا جائے گا اور کوئی پرسانِ حال یا مونس وغمخوار نہیں ہوگا۔ عزت تو کامیاب ہونے والوں کے قدم چومتی ہے، اسی آیت کا باقی حصہ پڑھ کے دیکھ لیں۔

قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ۝ (البقرہ:۱۲۴)

ترجمہ: (رب نے) فرمایا، میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ (ابراہیم نے) عرض کی، اور میری اولاد سے، (بھی کیا یہی وعدہ ہے) (رب نے) فرمایا، میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا

دیکھا! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا اعلان کیا گیا مگر کب، امتحان لینے کے بعد۔ اولادِ ابراہیم کے لئے بھی یہی قانون بنا دیا گیا، جو اسلام کو من وعن تسلیم کرے گا اور ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کر دے گا بلکہ امتحان کے وقت ثابت قدم رہے گا وہی امامت وعزت کے لائق ہوگا۔ ورنہ 'ظالم' قرار دیا جائے گا اور ظاہر ہے 'ظالموں' کی اللہ کے ہاں کوئی عزت نہیں۔ وہ یہاں آبرو کے مستحق ہیں، نہ عقبٰی میں۔

جو جتنا 'ظلم' کا مرتکب ہوگا، رحمت سے دور ہوگا

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ○

(الاعراف......۴۴)

ترجمہ: تو بیچ میں منادی نے پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر۔

لعنت یعنی رحمت سے دوری ظالموں کے لئے ہے اب قرآن ہی سے پوچھئے، رحمت کہاں ہے؟ فرماتا ہے (اسی سورۃ میں چند آیات بعد)

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ○

(الاعراف......۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

رحمت کی مزید تفصیل دیکھئے

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ (الاحقاف:۱۳)

ترجمہ: بے شک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت

قدم رہے، نہ ان پر خوف نہ ان کو غم۔

یہی اجر ہے اولیاء اللہ کا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (یونس.....۶۲)

ترجمہ: سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔

معلوم ہوا رَبُّنَا اللہ (ہمارا رب کہنے سے پوری کامیابی نہیں) پوری کامیابی ہے اس پر عملاً استقامت سے یعنی بہر حال و بہر آزمائش پوری طرح قائم رہنے پر، اور جو اہل استقامت ہیں وہی اولیاء اللہ ہیں، یا جو اولیاء اللہ ہیں، وہی اہل استقامت ہیں۔ ان اولیاء اللہ کی بظاہر پہچان؟ اسی سے آگے فرمایا

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ (یونس.....۶۳)

ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور (پھر ازراہ استقامت) پرہیزگاری کرتے ہیں۔

لیجئے ان اہل استقامت اولیاء اللہ کا اجر دیکھئے

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ط لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (یونس.....۶۴)

ترجمہ: انھیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

'بڑی کامیابی' کا اصل تصور بھی دے دیا اور حقیقت میں کون بڑے کامیاب ہیں، یہ بھی وضاحت فرمادی۔ان آیتوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا اللہ ہمارا رب ہے، اگر توحید ہے تو اس کے تقاضوں کو سوچ سمجھ کر عمل پیرا ہونے اور اس کے ہر حکم کی پوری طرح تعمیل کرنے کا نام تقویٰ ہے۔اسی کو استقامت کہا جائے گا۔ توحید کا اقرار تو آسان ہے مگر اس کے تقاضے پیش نظر رکھ کر ان کی تکمیل آسان نہیں۔اقبال فرماتے ہیں

بلرزم چوں مسلمانم بگویم　　　کہ دانم مشکلات لا الہ را

یہی حضرت علامہ اردو میں اسلام کی تشریح فرماتے ہیں

یہ شہادتگہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے الفاظ میں 'توحید' کا مفہوم یوں ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

حبیب و خلیل علیہما الصلوٰۃ والسلام: توحید وایمان پر استقامت یا تقویٰ کا امتحان ہوگا تو بندے کے سارے نظامِ فکر وعمل کو سامنے رکھا جائے گا اور بندہ اس میں کامیاب ہوگیا تو کامیاب قرار دیا جائے گا۔اس میں ناکام ہے تو گویا توحید وایمان کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہا۔رب نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو فرمایا

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانعام.....۱۶۲)

ترجمہ: تم فرماؤ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔

حضور پرنور ﷺ تو تمام معصوموں اور رسولوں علیہم السلام کے سردار ہیں۔ ان کی تو حیات طیبہ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر عمل اپنے اللہ کی رضا ہی کیلئے ہے، وہ توحید کی سب سے زیادہ عملی تفسیر ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اسلام کے حوالے سے جو تفصیل سے آیا، اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ بنی اسرائیل ان کی اولاد میں سے تھے اور یہودی وعیسائی بلکہ مشرکینِ مکہ بھی اولاد میں داخل ہونے کے سبب اُن کا احترام کرتے تھے اور انھیں گویا ایک سند کے طور پر سب مانتے تھے۔ منکروں اور دشمنوں کو قائل کرنے کیلئے ان کے معیار کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر کرکے ان سب کو دعوت توحید یا دعوت اسلام دی گئی لہذا انھیں کے عقائد و افکار کا بیان ضروری تھا، ورنہ جہاں تک عظمت و ہدایت کا تعلق ہے، قیام دنیا سے اختتام دنیا تک اس کا سب سے بڑا مرکز حضور پرنور سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلکہ سب انبیاء کرام علیہم السلام پہ جو بھی کرم ہوا، جو انھیں روحانی، عرفانی، ایمانی، دینی، دنیوی کمالات و سیرت وصورت عطا ہوئے، سب اسی مکی و مدنی داتا علیہ التحیۃ والثناء کا صدقہ ہے،

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

یاد رکھیں حضور پاک ﷺ کی ذات تمام صفات کا مجموعہ ہے

ان مذکورہ قوموں کیلئے اسوہ (مثالی نمونہ) تھے اب تمام قوموں کے

کیلئے ہمیں حبیب لبیب نبی آخرالزماں ﷺ کا اسوہ حسنہ ہی کافی ہے جیسا کہ ارشاد ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ
يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؁ (الاحزاب ۲۱)

ترجمہ: بیشک اللہ کے رسول میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے اس کیلئے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو (کنز الایمان، علامہ ...)

چنانچہ ان کیلئے حضور اکرم ﷺ بہترین نمونہ ہیں اور آپ کی سیرت طیبہ ہماری نظر میں جس میں ایک ایک عبادت بلکہ ایک ایک ادا اللہ کی رضا کیلئے وقف ہے۔

سب سے کڑا امتحان: غرض بات ہو رہی تھی بندے کے امتحان کی، یہ کئی طرح کا ہوتا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ؁ (البقرہ ۱۵۵)

ترجمہ: اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے، اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔

مگر سب سے کڑا امتحان جو نفس پر گراں ترین ہے اللہ کے محبوبوں کی

غلامی اور ادب و تعظیم کے ذریعے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کو سامنے رکھ کر ان کی غلامی اور ادب و تعظیم پر آمادہ ہو جائے اور پھر عملاً اس کا ثبوت دے تو اللہ کی طرف سے بڑے سے بڑا انعام اس کا منتظر ہوگا اور دونوں جہان میں خیر و عافیت ہی اس کا مقدر ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰىؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ (الحجرات:۳)

ترجمہ: بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کیلئے پرکھ لیا ہے، ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

دیکھا امتحان تقویٰ کا؟ کیسے ہوا؟ حضور رسولِ برحق ﷺ کا ادب کرنے میں آخر میں۔ فرمایا بخشش اور اجرِ عظیم ان کیلئے ہے اور مفسرین فرماتے ہیں اجر کے ذکر سے لھم (اُن کیلئے) کا پہلے آنا حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی یہ اجر انھیں کیلئے ہے جو مودب ہیں (دوسروں کیلئے نہیں)۔ یہ امتحان میں کامیاب ہونے والے کون تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ مختلف مقامات پر ان کی جاں نثاری، ادب و تعظیم اور اطاعت شعاری کا ذکر آیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر سب کچھ قربان کر دیا اور کسی رشتے ناتے کی بھی پروا نہیں کی، کسی بھی دنیوی مفاد کو خاطر میں نہ لائے اور کسی ڈر یا لالچ میں آکر درِ محبوب علیہ الصلوٰۃ

والسلام سے جدا نہ ہوئے، انھیں کیلئے فرمایا گیا

رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ اُولٰٓـئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ
اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (المجادلہ:۲۲)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ لوگ ہیں اللہ کا لشکر (لوگو!) خبردار ہو جاؤ بیشک اللہ کا لشکر ہی فلاح پانے والے لوگ ہیں۔ (البیان.....علامہ کاظمی علیہ الرحمہ)

سبحان اللہ، کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ رضا کی سند عطا فرما رہا ہے، انھیں اپنا لشکر یا اپنی پارٹی قرار دے رہا ہے۔ یہ آیت کا آخری حصہ ہے۔ اس کا پہلے حصے کا مضمون وہی ہے یعنی وہ اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی شخص یا کسی شے کی پروا نہیں کرتے۔

اللہ اللہ، صحابہ کرام اپنی جانوں، دلوں، مالوں کے نذرانے لے کر بارگاہ رحمۃ للعلمین ﷺ میں حاضر ہو رہے ہیں اور اللہ ان کی اس نیازمندی پر خوش ہو کر دو جہان کی نعمتیں ان پر وار رہا ہے اور دو جہان کی عزتوں کے تاج ان کے سروں پر سجا رہا ہے۔

منافقین: ان کے برعکس کچھ وہ لوگ ہیں جو مدینہ منورہ کی سرزمین میں رہتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نمازوں کے عادی ہیں، کبھی بادلِ ناخواستہ جہاد میں بھی چلے جاتے ہیں مگر محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی محبت سے محروم ہیں اور ادب و تعظیم سے خالی ہیں۔ ان کا دامن کردار سازشوں اور منصوبوں سے بھرا ہوا ہے اور یہ سازشیں

کس کے خلاف ہیں، جس محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان بے عشقوں اور بے دینوں کو اللہ نے 'منافق' کا نام فرمایا ہے جو کسی عزت کا مستحق نہیں۔ ہاں ہاں ان کا نام اُس نے اہلِ قرآن، لشکرِ طیبہ یا جیشِ محمد نہیں رکھا، منافق رکھا ہے اور منافق اس جنگلی چوہے کو کہتے جو کبھی ایک بل میں گھستا ہے، کبھی دوسرے میں۔ یا ایک سوراخ میں بار بار گھستا ہے، اور بار بار نکلتا ہے

آیئے قرآن پاک سے ان کے دعویٰ ایمان کی حقیقت دیکھیں۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون۔۱)

ترجمہ: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

قرآن ان منافقوں کو توحید کے دعویٰ میں جھوٹا نہیں کہہ رہا، عقیدۂ رسالت کے اظہار میں انھیں جھوٹا کہہ رہا ہے، اور اُن کی گواہی کے مقابلے میں اپنی گواہی ان کے جھوٹے ہونے کی دے رہا ہے۔ ہر گستاخِ رسول کو اس گواہی سے تنبیہ حاصل کرنی چاہئے اور اللہ کے قہر وغضب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

چند آیات بعد اُن کے تکبر کی وضاحت یوں فرمائی

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوَّوْا رُءُوْسَھُمْ وَرَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ○ (المنافقون:۵)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انھیں دیکھو گے کہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔

معلوم ہوا منافقوں کی سرکشی اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے بے پروائی ان کے غرور وتکبر کا نتیجہ ہے۔(اسی غرور وتکبر سے وہ 'حسد' کے مریض ہو گئے ہیں' یا 'حسد' نے اُنھیں مغرور ومتکبر بنا دیا ہے) سورۃ المنافقون کی پہلی آیت میں جو اوپر گزری ہے، میں منافقوں کے عقیدۂ رسالت پر ایمان ظاہر کرنے کا تو ذکر ہے، عقیدۂ توحید پر اُن کے ایمان کے اظہار کا ذکر نہیں آیا۔ آخر کس لئے؟ بظاہر یہی بات سمجھ میں آتی ہے منافق جب رسول ﷺ کو دل سے رسول نہیں مانتے تو یقیناً خدا کو بھی دل سے خدا نہیں مانتے اور یونہی جب کوئی رسالت پر ایمان لانے میں جھوٹا ہے تو بالیقیں 'توحید' پر ایمان لانے میں بھی جھوٹا ہے۔ اصل میں رسالت ہی توحید کی سب سے بڑی دلیل ہے، گویا رسول علیہ السلام کے ذریعہ ہی اللہ کی پہچان ہوتی ہے۔ جب کوئی رسول ہی کو نہ مانے، اللہ کو کیونکر مان سکتا ہے۔ اللہ کا رسول اللہ کی ذات وصفات کا سب سے بڑا عارف اور دوسروں کے لئے سب سے بڑا منبع عرفان ہوتا ہے۔ سو منافقوں نے جب رسول کی رسالت کو تہِ دل سے تسلیم نہیں کیا تو خدا کی توحید پر بھی اُن کا ایمان کیونکر ہو سکتا ہے۔

بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی منافق اپنے خیالات وافکار کے مطابق توحید کو کسی نہ کسی حد تک مانتا ہو مگر جب یہ توحید محض ظن وتخمین سے حاصل ہوئی ہے اور اس کی بنیاد عرفان رسالت پر نہیں ہے تو نہ یہ توحید توحید ہی ہے اور نہ بارگاہِ خداوندی میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہی ہے۔ بلکہ بفرضِ محال اگر توحید اپنے صحیح خدوخال کے ساتھ ہی سہی، کسی شخص کے آئینۂ فکر میں جلوہ گر ہو بھی جائے، تو بھی عقیدہ رسالت کے بغیر قطعاً قابلِ قبول نہیں۔

غور کیا آپ نے، اللہ نے اپنے محبوبِ اعظم سرورِ عالم ﷺ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا امتحان لیا، عقیدۂ رسالت پر ایمان دیکھ کر نہیں بلکہ ان کا ادب و تعظیمِ رسالت پرکھ کر۔ جو اللہ کے رسول ﷺ کا مؤدب نہیں، تو اس کا حضور ﷺ کو رسول ماننے کا دعویٰ بھی فضول و بےنور اور غلط و باطل ہے۔ ایمان کی اصل پہچان محبت اور تعظیم وادب ہے، منافقوں کا اس باب میں کیا رویہ ہے۔ فرمایا یہ رسول کو رسول مانتے ہی نہیں لہذا کسی امتحان کے اہل ہی نہیں۔ ہمارے ہاں میٹرک، انٹرمیڈیٹ کے امتحان ہوتے ہیں تو ہر کسی کو ان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ امتحان ہونے کی شرائط ہوں تو ان سے داخلہ فیس لی جاتی ہے اور امتحان میں بیٹھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یونہی جب منافقوں میں ایمان ہی نہیں تو ان کا امتحان کس بات میں ہو۔ ایمان نہیں تو توحید بھی نہیں، نماز بھی نہیں، روزہ بھی نہیں، جس کو صدقہ سمجھتے ہیں، صدقہ نہیں اور جو ان کے ہاں نیکی نظر آتی ہے نیکی نہیں۔ یا یوں سمجھو کہ لوگوں کو ان کی حقیقت دکھانے کے لئے ان کا امتحان ہوا مگر یہ سب ناکام ہو گئے اور سب پر

ظاہر ہو گیا کہ یہ منافق ہیں اور ان کے نماز روزے کی کوئی حیثیت نہیں۔

شیطان لعین: بات یہ ہو رہی تھی ایمان و اخلاص کا دعویٰ پرکھا جاتا ہے مگر کس طرح محبوبانِ خدا علیہم التحیۃ والثناء کی محبت و تعظیم و غلامی سے اور جو نا کام ہو جاتا ہے وہی کافر، منافق یا شیطان قرار دیا جاتا ہے۔ منافقوں کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے کس چیز نے دور رکھا، غرور و تکبر نے۔ (قرآنی وضاحت اوپر گزر چکی) اور بزمِ ہستی کے سب سے پہلے کافر، مرتد اور شیطان کس نے بنایا خلیفۃ اللہ کی بے ادبی نے؟ اور پھر اس بے ادبی کی بنیاد؟ وہی غرور و تکبر!

قرآنِ پاک نے صراحت فرمادی

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرۃ:۳۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے، منکر ہوا اور غرور کیا، اور کافر ہو گیا۔ (کنز الایمان)

تکبر عزازیل را خوار کرد　　بزندان لعنت گرفتار کرد

تفسیر عزیزی میں فخر المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

"ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے زمین

پر جن قابض تھے اور زمین کے حیوانات و نباتات سے مقدور بھر نفع اٹھاتے تھے۔ اور آسمان پر چلتے پھرتے تھے۔ جب اُن میں فتنہ وفساد اور خونریزی بہت ہوئی تو آسمان سے دنیا کے فرشتوں کو حکم فرمایا گیا کہ جنوں کو زمین کے اوپر سے دور کردو تاکہ زمین ان کی آلودگی سے پاک ہو۔ چنانچہ فرشتوں نے زمین پر آکر بہت سے جن مار ڈالے اور بہت سے جزیروں اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ ابلیس بھی انہیں میں سے تھا، اس کا نام عزازیل تھا اور علم وعبادت کی کثرت کے سبب سب جنوں سے ممتاز تھا، فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گیا اور عذر اپنا یہ بیان کیا کہ میں نے ظلم وقتل میں حصہ نہیں لیا۔ فرشتوں نے بھی اس کی شفاعت کی تو اللہ نے بھی اسے نکالنے اور مارنے سے محفوظ رکھا۔ اُس نے بہ سبب اس طمع کے کہ جب تمام جنوں کو نکالا گیا پس میں اُن کی جگہ کل زمین پر قابض اور متصرف رہوں گا، عبادت میں زیادہ کوشش کرنے لگا اور جس وقت جنابِ الٰہی کی طرف سے آسمان سے دنیا کے فرشتوں کو کوئی حکم پہنچتا کہ فلاں مہم میں ایسا اور ایسا کام کرو، یہ لعین سب سے آگے اور سب سے زیادہ اس مہم میں دوڑتا تھا۔ یہاں تک کہ آسمانِ دنیا کے فرشتوں میں اس کی قدر ومنزلت بڑھ گئی۔ اس

بنا پر وہ دل ہی دل میں منصب خلافت کی امید رکھتا تھا جب فرشتوں کو حکم ہوا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) تو وہ سمجھ گیا کہ خلافت کسی اور کو ملنے والی ہے۔ اس کی ساری بندگی جوریا سے کرتا تھا، بر باد ہوگئی۔ حسد کے جوش سے وہ اس خلیفے کی قدر و عظمت گھٹانے کی فکر میں رہتا تھا۔

رب تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے کھل کر مخالفت کی، حتی کہ اَبٰی یعنی سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ انکار حکمت طلب کرنے یا شاگردی اختیار کرنے کی نیت سے نہیں تھا بلکہ وہ خود کو حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر جانتا تھا اور استکبر یعنی تکبر کا اظہار کیا اور خود کو بڑا سمجھا۔ وہ سوچتا تھا کہ آگ سے پیدا ہوا ہوں اور سالہا سال عبادت میں مشغول رہا اور احکام بجالانے میں بڑا سرگرم رہا، ایسی چیز جس کا قالب میلی مٹی سے میرے سامنے تیار کیا اور بڑا قابل ذکر کام یا مہم اس سے واقع نہیں ہوئی، ابھی تک اس کا امتحان بھی نہیں لیا گیا، پھر مجھے اس کو سجدہ واتباع کرنے کا حکم حکمت کے خلاف ہے اور میرے حق خدمت کی ناقدردانی ہے۔ لہذا کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ "یعنی کافروں میں سے ہو گیا"

(تفسیر عزیزی: پارہ ۱)

دیکھا شیطان کا امتحان کسی مزید عبادت اور مہم سرانجام دینے سے نہیں ہوا بلکہ اللہ کے خلیفہ معظم کے ادب و تعظیم میں ہوا، اس نے انکار کیا تو اس کی تمام سابقہ عبادات و مہمات کو مسترد کر دیا گیا، وہ موحد ہی رہا نہ مومن، اب کچھ ہے تو صرف کافر اور شیطان و ابلیس، یعنی جو پہلے عزازیل تھا (یعنی عزت والا بندہ) اسے بوجہ بے ادبی جو از راہِ تکبر و حسد تھی، ذلیل کر دیا گیا اور اُس کے تمام مقامات شرف اس سے ضبط کر لئے گئے۔

غزالیٔ زماں حضرت علامہ کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں

''اس کا نام ابلیس اس لئے ہوا کہ نافرمانی کے بعد وہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو گیا اور اس کی صورت بھی بدل دی گئی۔ سریانی زبان میں اس کا نام عزازیل تھا اور 'عربی' میں حارث۔ لفظ شیطان کا مادّہ اگر 'شیطن' مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے ''حق سے دور ہونے والا'' اور اگر وہ 'شیط' سے ماخوذ ہو تو شیطان کے معنیٰ ہوں گے ''ہلاک ہونے والا اور جل جانے والا۔''

(التبیان مع البیان ص ۱۲۵)

شیطانِ ابلیس کے معانی کو ذہن میں رکھئے، ان پر بات کرنے سے پہلے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمالیں تاکہ ایمان میں نور اور دل میں سرور پیدا ہو، تفسیر کبیر از امام رازی قدس سرہ میں سجدہ کے حکم کی وجہ یوں مذکور ہے

اِنَّ الْمَلٰٓئِکَةَ اُمِرُوْا بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ لِاَجْلِ اَنَّ نُوْرَ

مُحَمَّدٍ ﷺ کَانَ فِیْ جَبْهَةِ اٰدَمَ

یعنی فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سجدے کا حکم اسی لئے ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور مبارک ان کی پیشانی میں تھا۔

تفسیر روح المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں

فَهُوَ ﷺ عَلَى الْحَقِيْقَةِ الْخَلِيْفَةُ الْاَعْظَمُ فِي الْخَلِيْقَةِ الْاِمَامُ الْمُقَدَّمُ فِي الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى وَلَوْلَاهُ مَا خُلِقَ اٰدَمُ وَلَا وَلَا (روح المعانی ص۲۰۰۔۲۰۱)

یعنی در حقیقت حضور ﷺ ہی اللہ کی مخلوق میں اللہ کے خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور اونچے آسمانوں میں سب سے مقدم امام حضور ﷺ ہی ہیں۔ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ آدم پیدا ہوتے اور نہ ان کے علاوہ کوئی چیز۔

موجودہ صورت حال: انصاف کیجئے جب اللہ کے خلیفۂ اول علیہ السلام کی بے ادبی کسی عابد وزاہد ومطیع کو عزازیل سے شیطان اور ابلیس بنا دیتی ہے تو اللہ کے خلیفہ اعظم ومقدم ﷺ کی گستاخی سے کتنا بڑا شیطان اور کتنا بڑا ابلیس تیار ہوتا ہے، شاید اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لئے سب سے زیادہ خطرناک شیطان کو نہیں فرمایا بلکہ ایسے ہر منافق کو جو علم کے لبادے میں آئے، چنانچہ ارشاد عالی ہے

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ كُلَّ مُنَافِقٍ عَلِيْمِ اللِّسَانِ (طبرانی کبیر)

بیشک سب سے زیادہ اپنی امت کے بارے جس سے خائف ہوں وہ ایسا ہر منافق ہے جس کی زبان عالمانہ ہو

آپ نے غور کیا، شیطان وابلیس بنانے والے اسباب کیا ہیں،

۱۔غرور وتکبر ۲۔حسد وبغض

اور جب وہ شیطان وابلیس بن گیا تو پھر کیا اضافہ ہوا۔ان دونوں ناموں سے نتیجہ نکالئے تو اب اس کے فکر وعمل کی دنیا کا انحصار مزید ان تین چیزوں پر ہے۔

۱۔ اللہ کی رحمت سے ناامید

۲۔ حق سے دُور

۳۔ ہلاک ہونے والا اور جلنے والا

اب آیئے کسی گستاخ وبے ادب کی سیرتِ نازیبا کا تجزیہ کیجئے اور شیطان سے لے کر اب تک کی تاریخِ کفر کو سامنے رکھئے، ہر گستاخ وبے ادب۔

۱۔ غرور وتکبر کا پیکر بھی ہوتا ہے۔

۲۔ حسد وبغض کا شکار بھی ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ کی رحمت سے ناامیدی بھی اس کے اخلاق کا خصوصی عنوان ہے۔

۴۔ وہ حق سے بھی دور رہتا ہے (اور یہ بالکل ظاہر ہے)

۵۔ آخر میں ہلاک وتباہ ہو جاتا ہے اور بغض وکفر کی آگ میں جلتے جلتے دوزخ کی آگ تک پہنچ جاتا ہے۔

اے برادرانِ عزیز! خوب غور کیجئے، محبوبانِ خدا کے گستاخوں کو اس دور

میں دیکھ لیجئے، کون ہے جو اس فریم ورک میں فٹ نہیں۔ واللہ ان کا مسئلہ بشریت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اللہ کے محبوب و مقبول پیغمبر علیہم السلام بھی ہمارے جیسے ہیں، ان کے غرور و تکبر کا نتیجہ ہے، چنانچہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو حقارت سے محض بشر دیکھا (اور خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ یعنی اے اللہ تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا) کہہ کر اسی عقیدے کی ابتدا کی جس پر آج اس کے حواری اور متبعین کاربند ہیں۔ اسی لئے حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

شاہ ﷺ را منگر تو اے نادان بطین
کیں نظر کرداست شیطان لعین
گر نہ فرزند بلیسی اے عنید!
پس ترا میراثِ آں سگ چوں رسید

یعنی اے نادان! کہیں حضور ﷺ کو اپنی طرح خاکی ہی نہ سمجھ بیٹھنا کیونکہ شیطان لعین کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔ اگر اے دشمن حق، تو شیطان کا فرزند نہیں تو اس کتے کی وراثت تجھے کیوں مل گئی۔

جس طرح شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام سے بغض و عناد تھا، یونہی اس کے 'فیض یافتگاں' میں اس کے بغض و عناد کا انداز باقی ہے، واللہ اللہ والوں کے کمالات کا انکار نیز اُن کے علم و عمل کی وسعتوں اور عظمتوں سے سرکشی اسی بغض و حسد کی بنا پر ہے۔

ہاں ہاں شیطان بھی شیطان ہو کر اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تھا، اور

موجودہ ایسے لوگ محبوبانِ خدا کی شفاعت اور دوسری برکات وعنایات کا انکار کر کے انھیں سے مایوس نہیں، بلکہ اللہ کی رحمت سے بھی کما حقہ مایوس ہیں۔ ان کے نزدیک بظاہر اللہ کے سوا کوئی کسی کے کام نہیں آ سکتا مگر غور کریں تو بباطن اللہ کی رحمت سے بھی نا امید ہیں۔ اللہ جس پر جو فضل وکرم فرماتا ہے، اپنے کسی محبوب کے صدقے میں فرماتا ہے، اور اللہ کا بندہ کسی کے کام آتا ہے تو اللہ کے فضل سے ہی آتا ہے۔ اب جس اللہ نے کمزور انسان کے لئے جسے جسے بھی وسیلہ وواسطہ اور سہارا بنایا ہے، انھیں ان کے وسیلہ وواسطہ اور امداد وبرکت سے شرک کی بو آتی ہے، لہٰذا اللہ سے رحمت کی امید کیونکر رکھیں۔ اوپر آپ قرآن پاک کا فیصلہ پڑھ آئے کہ اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب ہوتی ہے (گویا جسے رحمت کی ضرورت ہے، اس پتے پر پہنچے) سو اب یہ نہ وہاں جائیں گے، نہ رحمت ہوگی۔ خود حضور ﷺ نے اپنی امت کو ایک وظیفہ بتایا (جو اولین قسطوں میں کہیں آ گیا ہے)

يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ

یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو

فرمایئے، توحید کے سب سے بڑے مبلغ اور عالمِ ارواح میں سب انبیاء کرام علیہم السلام کو علمی وعرفانی تجلیات سے نوازنے والے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فیصلہ دیا ہے۔ کیا انھیں یقین آیا۔ نہیں ہرگز نہیں، مگر کیوں؟ اس لئے کہ رحمت حق سے ناامید ہو چکے ہیں (کسی پرانی قسط میں اس عنوان کے تحت بہت دلائل ہیں)

پھر جب اللہ حق ہے، اس کا نبی علیہ السلام حق ہے، اس کا قرآن حق ہے۔

اور انھیں ان سے انکار تو حق سے دور نہیں تو کیا ہیں۔

ہاں یقیناً شیطان گستاخی و بے ادبی سے جس طرح ہلاک ہوا، یہ بھی ہلاک ہو گئے، اور یہاں غم و غصہ کی آگ میں جلنا اور عقبٰی میں دوزخ کے مناسب حال طبقے میں ان کا جلنا مقدر ہو چکا ہے۔ حضور ﷺ یقیناً شافع ہیں مگر ان کے لئے جو شافع مانتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے

شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِھَا لَمْ یَکُنْ مِنْ اَھْلِھَا (الامن والعلی بحوالہ ابن منیع فی معجمہ)

ترجمہ: روزِ قیامت میری شفاعت حق ہے تو جو اس پر ایمان نہ لائے وہ شفاعت کے لائق نہیں (علامہ منادی نے تیسیر میں اسے متواتر فرمایا ہے)۔

حق یہ ہے کہ شیطان کے اپنے یہی اخلاق ہیں جن کی وجہ سے گستاخ ہوا اور پھر تباہ و برباد و ہلاک ہوا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا بدلا ان کی اولاد سے لینے کا پروگرام بنایا تو اسے پردے میں نہ رکھا بلکہ صاف صاف کہا اور وہ بھی اللہ کے حضور

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (ص: ۸۲۔۸۳ پارہ ۲۳)

ترجمہ: (شیطان بولا) تو تیری عزت کی قسم، ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے

ہیں (اُن پر میرا داؤ نہیں چلے گا)

حیرت ہے سب سے بڑا جھوٹا ہونے کے باوجود اللہ والوں کے مقابلے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کررہا ہے۔

شیطان کے گمراہ کرنے کا طریقہ: اس کے گمراہ کرنے کا طریقہ کیا ہے، اسے معلوم ہے اس کا اپنا کیا دھرا سب کچھ ایک محبوب خدا حضرت آدم علیہ السلام کی ایک گستاخی سے تباہ و برباد ہوگیا، چنانچہ اپنے 'شکار' پر بھی یونہی ورک کرتا ہے، اسے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے خلاف کرکے ان کا گستاخ و بے ادب بنادیتا ہے اور پھر پوری طرح انھیں حزب الشیطن میں داخل کرکے جو چاہتا ہے، ڈیوٹی ان کے ذمے لگادیتا ہے، کوئی اس کا چیلا درس دیتا ہے اور اس کے ذریعے قرآنِ پاک کی غلط ترجمانی کرکے اپنا مقصد پورا کرتا ہے، کوئی اسی کے خیالات کی نشرواشاعت کیلئے درس حدیث دیتا ہے، کوئی اکیڈمی بنارہا ہے اور کوئی 'جہاد' کا نعرہ لگاتا ہے، یہ درس قرآن، یہ درس حدیث، یہ تعلیمی ادارے، یہ جہاد اور مجاہدے سب ضروری ہیں اگر ان کا مقصد خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے اجالے پھیلانے ہوں مگر یہ سب باطل و حرام ہیں، جب ان سے اللہ کا مقابلہ کرکے اس کے محبوب بندوں کا گستاخ بنانا ہو۔ اسی لئے اللہ قرآن پاک پڑھنے والے کو ہدایت فرماتا ہے

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝
(النحل......۹۸)

ترجمہ: تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے۔

لیجئے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شیطان قرأت قرآن کے دوران بھی اپنے حملے جاری رکھتا ہے، حکم ہو رہا ہے اس کے خلاف اللہ کی پناہ مانگو۔ مگر فرمایئے اگر شیطان ہی قرآن پڑھ پڑھا رہا ہو تو زبان سے اعوذ پڑھنے کا فائدہ؟

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد!

ترجمہ: خدا سے ہم ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب (ہمیشہ) فضلِ رب سے محروم رہا۔ (بات یہ ہے کہ) بے ادب خود ہی برا نہیں، اس نے تمام دنیا کو بے ادب کر کے امن و ایمان کو آگ لگانے کی کوشش کی۔

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

38

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادب و تعظیم کی برکات: آپ نے دیکھا شیطان مردود خلیفۃ اللہ کا ادب نہ کرنے کی بنا پر ہلاک ہوگیا اور اس کی تمام عبادات مسترد کردی گئیں۔اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ (حضرت آدم علیہ السلام) کا ادب کرنے والوں کو کیا ملا۔اس سلسلے میں ایک بات تو بالکل ظاہر ہے یعنی ان کا سجدہ قبول ہوا، وہ فرمانبردار قرار دیئے گئے اور جس وبال میں شیطان لعین گرفتار ہوا، وہ اس سے بچ گئے۔مگر بزرگوں نے کچھ اور بھی برکات بیان کی ہیں۔سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔

سَمِعْتُ مَنْ يَّذْكُرُ اَنَّ اَوَّلَ الْمَلٰٓئِكَةِ خَرَّ سَاجِدًا لِلّٰهِ حِيْنَ اُمِرَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ اِسْرَافِيْلُ فَاَثَابَهُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ اِنْ كُتِبَ الْقُرْاٰنُ فِيْ جَبْهَتِهٖ (تفسیر عزیزی بحوالہ ابن ابی حاتم، ابوالشیخ)

ترجمہ: میں نے سنا اس شخص کو کہ بیان کرتا تھا تحقیق فرشتوں میں سب سے اولین جو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لئے

گرا، اسرافیل تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے اس جلدی کے سبب
یہ اجر دیا کہ اُس کی پیشانی میں قرآن لکھا گیا۔

تفسیر عزیزی میں ایسی ہی روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی ہے۔

دوسری روایات کے مطابق ''سب سے پہلے حضرت
جبریل سجدے میں جھکے پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر عزرائیل
پھر سارے فرشتے۔ اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو سب
سے بڑا درجہ عطا فرمایا گیا یعنی خدمت انبیاء علیہم السلام)''
(تفسیر خزائن العرفان)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق سجدہ کرنے کی بنا پر سفلی فرشتوں کو وسعتِ کمالات حاصل ہوئی اور علوی فرشتوں کو کمالات عالیہ عطا ہوئے اور خلیفہ کو سب کے لیے تقرب الی اللہ کا ذریعہ ٹھہرایا گیا۔

حضرت انسان کی تاریخ کا یہ ابتدائی دور تھا اور اسی دور سے اللہ والوں کے ادب کی اہمیت واضح کر دی گئی نیز ان کی بے ادبی کا وبال بھی ظاہر کر دیا گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی اور اُن کے بارے میں انسان دو گروہوں میں بٹتے رہے۔ جن لوگوں نے ادب کیا، انہیں ایمان کی توفیق ملتی رہی اور جنھوں نے بے ادبی کی، کفر کی لعنت میں گرفتار اور عذاب آسمانی سے تباہ و برباد ہوتے رہے۔

کون نہیں جانتا شیطان لعین نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہی بتائی تھی۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ (الاعراف:۱۲)

ترجمہ: تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔

گویا وہ خود کو آگ سے پیدا کئے جانے کی بنا پر اعلیٰ سمجھتا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کا بہانہ اس نے یہی بنایا کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اُس نے نبوت و خلافت کی عظمت و جلالت کو دیکھنے کی بجائے، ان کی بشریت یا ظاہری ڈھانچے کو سب کچھ سمجھا اور اسی سے انکار کا فیصلہ کیا۔ قرآن کریم میں بھی جس اولین کفر وارتداد کا ذکر ہے، وہ یہی ہے۔ بعد میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور جو لوگ ان کے اخلاق عالیہ اور تصرفات ظاہرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہیں اپنے اپنے ماحول میں بے مثال و لاجواب سمجھتے رہے، حلقہ بگوش ہوتے رہے، مگر جنھوں نے ظاہر تک نظر رکھی، وہ انہیں اپنے جیسا بشر دیکھ کر گستاخیوں کے مرتکب ہوئے اور ایمان سے محروم رہے۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد
کم کسے زابدال حق آگاہ شد
ہمسری با انبیا بر داشتند
اولیا را مثل خور پنداشتند

یہاں چلتے چلتے تفسیر نعیمی پ ۱ کا ایک ضروری اقتباس بھی ملاحظہ فرمالیں حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے تحت لکھتے ہیں

پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے کیونکہ وہ امت مصطفیٰ ﷺ کے خاتم الاولیاء یعنی آخری ولی ہیں۔مگر اس آیت میں خلیفہ سے حضرت آدم علیہ السلام ہی مراد ہیں کیونکہ یہاں سارے واقعات انہیں کے بیان ہورہے ہیں حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) چند وجہوں سے خلیفۃ اللہ ہوئے

۱۔ ایک یہ کہ یہ آسمانی اور زمینی چیز کے مجموعہ ہیں کہ ان کا جسم فرشی اور روح عرشی ہے

۲۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کی ساری صفات کے مظہر ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ ان کو رب نے اپنا علم عطا فرمایا جن سے انہوں نے قوانین اور قاعدے بناڈالے

۴۔ چوتھے یہ کہ ان کو اپنا کلام دیا کہ رب کے کلام کو اپنی زبان سے مخلوق تک پہنچایا

۵۔ پانچویں یہ کہ ان کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی جو رب کی قدرت کا پرتو ہے۔اگر چہ بظاہر فرشتے بڑے قوی ہیں لیکن نبی کی قوت وقدرت ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔

۶۔ چھٹے یہ کہ دنیا کی ہر چیز کو ان کے قبضے میں دیا گیا کہ حیوانات و جمادات بلکہ آسمان وزمین پر ان کی حکومت قائم ہوئی

۷۔ ساتویں یہ کہ جسمانیات کے علاوہ روحانیات میں بھی ان کا بہت دوردورا ہے کہ جنات فرشتے ان کے قبضے میں،خیال تو کرو کہ عرب کا ایک ناقہ نشیں شہنشاہ ﷺ آن کی آن میں زمین وآسمان کو طے فرماتا وہاں تشریف فرما ہو کر آگیا،جہاں فرشتوں کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔

مختصر یہ کہ اللہ کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور مقربین و صالحین علیہم الرحمہ اپنی اپنی شان کے لائق اللہ کے نائب اور دنیا جہان کے حکمران ہیں۔ جو ان کا ادب کرے گا، بامراد رہے گا اور جو بے ادب ہوگا، مارا جائے گا۔

پہلے دن سے یہی قانون ہے اور قیامِ قیامت تک نافذ رہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون نے بہتر ہزار جادوگر منگوائے۔ قرآن پاک نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ۝

(طٰہٰ:٦٥)

ترجمہ: بولے اے موسیٰ یا تو تم ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں

تفسیر نور العرفان میں اس کے تحت فرمایا

"اللہ تعالیٰ کو ان جادوگروں کا یہ ادب بہت پسند آیا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر پیش قدمی نہ کی بلکہ ادب سے اجازت چاہی۔ اس ادب کی بدولت انہیں دولتِ ایمان نصیب ہوئی"

(روح البیان، خزائن العرفان)

حضور پرنور ﷺ کا ادب: حق یہ ہے کہ آدم علیہ السلام و ابلیس علیہ اللعنۃ کا قصہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے تو اس کی اہم حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ مقصودِ کائنات حضور خواجۂ لولاک لما علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں محتاط رہیں کیونکہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کا انکار کرکے اور ان کی تعظیم نہ کرنے سے عزازیل جو معلم الملکوت تھا، ابلیس و شیطان بن سکتا ہے تو جو ذات پاک علیہ الصلوۃ والسلام آدم

علیہم السلام کا بھی وسیلۂ قبول توبہ ہے اور جس کے نور کی وجہ سے خود آدم علیہ السلام کو بھی سجدہ کرایا گیا تھا، ان کی بے ادبی سے کیا کیا عذاب و وبال نہ آئے گا۔ خصوصاً دورِ حاضر ادب نا آشنا اسی بات پر غور کر لیں کہ شیطان کیوں شیطان بنا اور جو حضور اکرم ﷺ کا بے ادب ہوگا، کیا اُسے شیطانِ اکبر کہنا یا سمجھنا زیادتی ہوگی۔

ہاں اہل علم کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے رضی اللہ عنہم کیوں کہتے ہیں اور اسی دور کے منافقین جو مسجد نبوی میں خود حضور ﷺ کی اقتدا میں نمازِ پنجگانہ ادا کرتے تھے، جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شانہ بشانہ شریک ہوتے تھے، حج وقربانی سے انہیں گریز نہیں تھا، آخر منافق کیوں کہلاتے ہیں اور انہیں رضی اللہ عنہم کیوں نہیں کہا جاتا۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود وہ صرف ادب رسول ﷺ سے محروم تھے۔ بے ادبی نے انہیں کہیں کا چھوڑا۔ اس دنیا میں رہتی دنیا تک ان کے لئے رسوائی رہ گئی اور آخرت میں دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ۔

مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ادب کر کے رب کو راضی کر لیا اور منافقین نے بے ادبی کر کے خدا کا غضب خرید لیا۔ ہاں ہاں خدا کا غضب بے ادبی کرنے والوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے سورۃ الفاتحہ میں دعا کرتے ہوئے اپنے اللہ سے جو کچھ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے، اس کا انتہائی نقطہ یا نچوڑ کیا ہے

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ترجمہ: ہم کو سیدھے راستے پر چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے
انعام کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا
صراط مستقیم والے کون ہیں؟ اللہ والے اور ان کی پیروی کرنے والے
مغضوب علیھم (جن پر غضب ہوا)
الضّآلّین (گمراہ)

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق مغضوب علیہم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ (خزائن العرفان)

صراط مستقیم تو یہی اللہ کے پاک بندوں کا راستہ مگر مغضوب علیہم یہودی ہیں جنھوں نے ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بے ادبی کی اور الضالین عیسائی ہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدۂ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو خدا مان کر شرک کیا۔ بظاہر قرآن پاک کی رو سے

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝ (لقمٰن: ۱۳)

ترجمہ: بے شک شرک بڑا ظلم ہے،

شرک یقیناً ظلم عظیم ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی کم ظلم نہیں ہے۔ منافق عموماً مشرک نہیں تھے مگر دوزخ کا پست ترین طبقہ انہیں کے لئے ہے (قرآن پاک) بلکہ صراحت کے ساتھ معذب گروہوں کے ذکر میں منافق مردوں اور منافق عورتوں کا پہلے اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کا ذکر بعد میں کیا۔

یہ باتیں آپ کئی بار سن چکے ہوں گے، یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے **ملجا وماوی علیہ التحیۃ والثنا** کا جس انداز میں ادب کیا کرتے تھے، اس

کی بعض جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ بات زیادہ مناسب محسوس ہوتی ہے کہ خود اللہ کے محبوب اعظم حضور پرنور ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ادب کی جو ادائیں سکھائی ہیں، ان کا ذکر سب سے پہلے کیا جائے۔

لفظ سلام کا ادب: ابی جہم سے روایت ہے کہ ایک بار حضور ﷺ حاجتِ بشری سے فارغ ہوکر بیرُ جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضرت ﷺ نے اس وقت جواب نہ دیا۔ پھر تیمم کر کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ سلام کا جواب دینے سے کوئی رکاوٹ نہیں تھی سوا اس کے مجھے طہارت نہ تھی۔ (دار قطنی: کتاب المجتبیٰ)

ظاہر ہے وعلیکم السلام کوئی آیت قرآنی نہیں جس کے پڑھنے کے لئے طہارت کا اہتمام کیا جائے بلکہ حدثِ اصغر سے طہارت قرات آیت کے لیے شرط بھی نہیں۔ مگر چونکہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے، اس لئے بلا طہارت اس کو زبان اقدس پر جاری کرنے سے تامل فرمایا

توریت کا ادب: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں چند یہودی حاضر ہوئے اور درخواست کی قف تک تشریف لے چلیں (اور قف مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ہے) چنانچہ حضور ﷺ بیت المدارس تک تشریف لے گئے اور مسند پر جو آپ کے لئے بچھائی گئی تھی، تشریف فرما ہوگئے۔ پھر انہوں نے عرض کی کہ ہم میں سے ایک شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوگیا ہے، حضور فرمایئے، کیا سزا ہونی چاہیے۔ حضور پرنور ﷺ نے ان سے توریت منگوائی۔ وہ لائی گئی تو حضور ﷺ نے مسند سے علیحدہ ہوکر اس پر توریت

رکھ دی، پھر فرمایا میں تجھ پر اور جس نے تجھے نازل کیا، ایمان لایا، پھر فرمایا کسی ایسے شخص کو بلاؤ جو تم میں بڑا عالم ہو، چنانچہ ایک جوان آیا اور رجم توریت سے ثابت کر دیا (جس کا یہود کو انکار تھا) (سنن ابوداؤد)

ذرا غور فرمائیے توریت اگرچہ تحریف کی زد میں آچکی تھی، اس کے باوجود حضور پرنور ﷺ نے اس کا ادب کیا۔ اس سے عبرت حاصل کریں نجدی ذہنیت کے وہ لوگ جو حرمین شریفین میں خود کرسی پر بیٹھتے ہیں اور قرآن پاک کو فرش پر رکھ کر دیتے ہیں یا جس ہاتھ میں قرآن پاک ہوتا ہے اُسی میں جوتا، اور وہ لوگ بھی عبرت پکڑیں جو قرآن پاک کے اوپر سے گزر جاتے ہیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے مگر نجد کو ادب اور شرم سے کیا واسطہ۔ حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہِ فلاں ابن فلان چیزے نیست

اور میں نے عرض کیا ہے

بندۂ فسق شدی ترکِ ادب کن نجدی
کہ درایں راہِ جفا شرم وحیا چیزے نیست

انبیاء کرام علیہم السلام سے منسوب تصویریں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مکہ معظّمہ میں حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس وقت عین کعبہ شریف کے اندر اور اردگرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے جنھیں پوجا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا تو سب بت سرنگوں کر

دیئے گئے۔ پھر فرمایا

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًاo (بنی اسرائیل۔۸۱)

ترجمہ: اور فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا

پھر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھا تو حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ میں تیر دے رکھے ہیں جن سے کفار فال دیکھا کرتے تھے۔ فرمایا انہیں قتل کرے، حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے زعفران منگوا کر تصویروں کو لگا دیا جس سے وہ مشتبہ ہو گئیں (مصنف ابن ابی شیبہ)

اس روایت کے تحت مولانا محمد انوار اللہ خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ 'انوار احمدی' میں فرماتے ہیں

"ظاہر ہے یہ تصویریں بھی بتوں کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم ہو چکا تھا اور فی الواقع ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طرف سے جیسے چاہا، بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات تو ضرور تھی کہ نام ان حضرات کا وہاں آ گیا تھا جس کے لحاظ سے حضرت ﷺ نے ان کو اگر مٹایا بھی تو معطر زعفران سے ورنہ مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔ سبحان اللہ! کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں

بزرگوں کا نام آگیا، پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو، اس کے ساتھ خاص ایک قسم کی رعایت ادب ہی کی گئی۔ جب خود آنحضرت ﷺ جن کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء (علیہم السلام) سے بڑھا ہوا ہے، ایسی بے اصل چیز کے ساتھ بلحاظ نام رعایت ادب کریں، تو ہم آخری زمانہ کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہئے جن کا بطور واقعی آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔ اگر ہم نے فرض کیا کہ واقع میں وہ چیزیں منسوب بھی نہیں۔ مگر آخر نام تو آگیا، اس کا لحاظ بھی ضرور ہے جیسا کہ اس حدیث سے ابھی ثابت ہوا۔ طرفہ یہ ہے کہ اس عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں۔ اگر سلسلہ اس کلام کا بڑھایا جائے تو ظاہر ہے کہ انتہا اس کی کہاں ہوگی (ص ۲۳۸۔ الکتاب، گنج بخش روڈ لاہور)

قبلہ کا ادب: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلَا یَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا یُوَلِّهَا ظَهْرَهٗ (بخاری شریف کتاب الوضو)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو قبلہ کو منہ

نہ کرے اور نہ پیٹھ کرے

آخر کیوں؟ صرف ادب قبلہ کے پیشِ نظر، چنانچہ کنز العمال کی ایک روایت میں صراحت ہے فلیکرم قبلة الله (یعنی اللہ کے قبلہ کی تعظیم کرے) سینکڑوں ہزاروں کوس دور رہنے والے بھی یہ ادب کریں کیونکہ شریعت کا منشا یہی ہے کہ عظمت والے انسان ہوں یا مکان، ان کا ادب بہر حال ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام وایمان کی روح ادب ہے اور سرورِ عالم ہادیٔ اعظم ﷺ نے اپنی امت کی تربیت کا عنوان خاص اسی ادب کو ٹھہرایا ہے، بڑوں کا ادب، مساجد کا ادب، زمزم کا ادب، آبِ وضو کے بقیہ کا ادب۔

بہتر یہ ہے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے قبل ان کی عظمت واہمیت کے بارے میں بھی ایک روایت گوش گزار کردی جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَلَمْ يَجِدْ قَلْبًا أَنْقٰى مِنْ قُلُوْبِ أَصْحَابِيْ وَلِذٰلِكَ اخْتَارَهُمْ فَجَعَلَهُمْ صَحَابًا فَمَا اسْتَحْسَنُوْا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَمَا اسْتَقْبَحُوْا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ (دیلمی فی الفردوس)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں کو دیکھا تو میرے اصحاب کے دلوں سے پاکیزہ تر کوئی دل نہ پایا، اسی لئے انہیں میرے اصحاب ہونے کے لئے پسند فرمایا، جس کام

کو وہ اچھا سمجھیں، اللہ کے نزدیک بھی وہ اچھا ہے اور جس کو وہ
برا سمجھیں اللہ کے نزدیک بھی وہ برا ہے

اب آیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز ادب کی طرف۔ ان کا عمومی و اجتماعی طرز ادب وہی تھا جس کی تصویر عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں کھینچی تھی جب وہ قریش مکہ کے سفیر و ترجمان بن کر حدیبیہ میں حضور پرنور ﷺ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔ (اردو ترجمہ حاضر ہے)

''عروہ نے کہا' اے قوم! قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں نے بہت بادشاہوں کے دربار دیکھے اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا مگر کسی بادشاہ کے درباری اس کی ایسی تعظیم نہیں کرتے جیسی (حضرت) محمد (ﷺ) کے اصحاب ان کی تعظیم کرتے ہیں، خدا کی قسم! جب وہ ناک چھنکتے ہیں تو آبِ بینی لوگوں کی ہتھیلیوں پر گرتا ہے جسے وہ اپنے منہ اور جسم پر ملتے ہیں اور جب وہ انہیں حکم دیتے ہیں تو وہ تعمیل میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی پر وہ اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ لگتا ہے جیسے وہ آپس میں لڑ مریں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور ان کی تعظیم و توقیر کی وجہ سے کوئی ان کی طرف تیز نگاہی سے دیکھ نہیں

سکتا۔انہوں نے تم پر رشد و ہدایت کا کام پیش کیا ہے تو تم اس کو قبول کرلو۔" (مواہب اللدینہ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

"آنحضرت ﷺ سے زیادہ کسی سے مجھ کو محبت نہیں تھی اور نہ کسی کی عظمت و بزرگی حضور ﷺ سے زیادہ میری آنکھوں میں تھی۔حضور ﷺ کے ادب کی وجہ سے آنکھ بھر کے حضور ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، چنانچہ اگر کوئی مجھ سے حضور ﷺ کا حلیہ مبارک پوچھے تو میں بیان نہیں کرسکتا۔" (مسلم شریف)

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی حال تھا۔دو دو سال گزر جاتے تھے، مگر کوئی بات پوچھ نہیں سکتے تھے حالانکہ حضور پرنور ﷺ کی رحمت عامہ بھی سب کو معلوم تھی۔

اب چند خصوصی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز ادب کی بعض روایات بیان کی جاتی ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔نماز کا وقت ہوا تو موذن نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر اقامت کہی اور انہوں نے امامت کی۔اس عرصے میں آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہوگئے۔جب نمازیوں نے حضور ﷺ کو دیکھا دستکیں دینے لگے تاکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جان لیں

کیونکہ ان کی عادت تھی کہ نماز میں کسی طرف نہیں دیکھتے تھے۔آپ نے دستکوں کی آواز سن کر گوشۂ چشم سے حضور ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔حضور ﷺ نے اشارے سے فرمایا کہ اپنی ہی جگہ قائم رہو۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس نوازش پر کہ حضور ﷺ نے امامت کا حکم دیا اللہ تعالی کا شکرادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہوگئے اور حضور ﷺ آگے بڑھ گئے۔نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا' اے ابوبکر جب خود میں نے تمہیں حکم دیا تھا تو اپنی جگہ کھڑے رہنے میں کون سی چیز رکاوٹ بنی' ۔عرض کی' یارسول اللہ ﷺ! ابی قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے بڑھ کے نماز پڑھائے' ۔

(قَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَثْبُتَ اِذْ اَمَرْتُكَ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَا كَانَ لِابْنِ اَبِي قَحَافَةَ اَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے اتنی زیادہ تالیاں کیوں پیٹیں۔جب نماز میں کوئی حادثہ ہوجائے تو سبحان اللہ پڑھو کیونکہ جب سبحان اللہ پڑھے گا تو امام اس کی طرف متوجہ ہوگا۔تالی صرف عورتوں کے لئے ہے (بخاری شریف)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ادب کا ایک اور انداز ملاحظہ فرمایئے۔

قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِيِّ رُوِيَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا جَاءَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ اَنْتَ خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا قَالَ

فَمَا اَنتَ قَالَ الْخَالِفَةُ بَعْدَهُ

ترجمہ: روایت ہے کہ ایک اعرابی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہو، فرمایا 'نہیں'۔ کہا پھر کیا ہو۔ کہا حضور ﷺ کے بعد خالفہ ہوں (خالفہ اس شخص کو کہتے ہیں جس میں کوئی خوبی اور بھلائی نہ ہو)

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ تصور دینا چاہتے تھے کہ میں اس قابل کہاں کہ حضور پر نور ﷺ کا خلیفہ کہلاؤں ۔کہاں وہ، کہاں میں۔ اگر چودھویں صدی کا کوئی شاعر 'وہ کجا، میں کجا' کے عنوان سے خوبصورت نعت لکھتا ہے تو کوئی تعجب نہیں، حیرت تو یہ ہے کہ جسے حضور ﷺ کے پرتو کمال ہونے کا شرف حاصل ہے وہ بھی اپنے انداز میں یہی نعرہ لگا رہا ہے کہ 'وہ کجا، میں کجا' حقیقت یہ ہے کہ جو حضور ﷺ کا جتنا عارف ومقرب ہے۔ وہ اتنا ہی مودب ہے اور خود اتنا ہی عاجز وحقیر سمجھتا ہے۔

نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کا طرز ادب:

جب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○
(الحجرات۔۲)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی کہ اب حضور ﷺ سے ایسی آہستہ بات کروں گا جیسے کوئی راز کی بات کہتا ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اتنا آہستہ بولتے تھے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ (الشفاء و شرحہ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز ادب:

خلیفہ سوم حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں

قَدْ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِي هٰذِهِ الْيُمْنٰى فَمَا مَسَسْتُ بِهَا ذَكَرِي (کنز العمال)

ترجمہ: جب سے حضور ﷺ کے دست مبارک پر میں نے بیعت کی ہے تو اس سے کبھی اپنی شرم گاہ کو نہیں چھوا (حالانکہ قرآن پاک اور حدیث پاک میں ایسی کوئی ہدایت نہیں)

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کا طرز ادب:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے جب وہ صلح نامہ لکھا جو حضور پرنور ﷺ اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا جس میں یہ عبارت تھی

هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مشرکوں نے کہا یہ مت لکھو کیونکہ اگر رسالت مسلم ہوتی تو پھر لڑائی کیا تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ انھوں نے عرض کیا مَا اَنَا بِالَّذِیْ اَمْحَاهُ (میں وہ شخص نہیں جو اس لفظ کو مٹا سکوں) سو حضور ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا (فمحاه النبی ﷺ بیده)

عموماً مشہور ہے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ یعنی امر ادب پر فائق ہے۔ مگر حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مصلائے امامت سے ہٹ کر اور اسم شریف نہ کاٹ کر ثابت کر دیا کہ یہاں معاملہ برعکس ہے یعنی اَلْاَدَبُ فَوْقَ الْاَمْرِ یعنی ادب حکم پر فائق ہے۔ امر تھا مصلائے امامت سے نہ ہٹنا اور نام مٹا دینا مگر ادب اس کے خلاف تھا۔ دونوں خلفائے راشدین نے ادب کو ملحوظ رکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز ادب: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضور ﷺ کو مدینہ منورہ کے کسی راستے میں دیکھا، چونکہ جنب تھا، چھپ گیا اور غسل کر کے حاضر خدمت شریف ہوا۔ فرمایا کہاں تھے تم؟ اے ابو ہریرہ! عرض کیا مجھے نہانے کی ضرورت تھی اس لئے پاک

ہوئے بغیر حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھنا مکروہ سمجھا۔ فرمایا سبحان اللہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔ (بخاری شریف)

اسلع بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کجاوے کا ادب: اسلع بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضور ﷺ نے کوچ کا ارادہ فرما لیا۔ اس وقت مجھے سخت تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہالوں تو مارے سردی کے مر جانے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی مبارک پر باندھوں۔ مجبوراً کسی انصاری سے کہہ دیا کہ کجاوہ باندھے۔ پھر میں نے چند پتھر رکھ کر پانی گرم کیا اور نہا کر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جاملا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے اسلع کیا سبب ہے کہ تمھارے کجاوے کو متغیر پاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا 'حضور ﷺ! میں نے نہیں باندھا تھا، فرمایا' کیوں'؟ عرض کیا 'اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا۔ اس لیے کسی کو باندھنے کے لیے کہہ دیا تھا'۔ اسلعؓ کہتے ہیں اس کے بعد یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (الآیہ) نازل ہوئی جس سے سفر میں تیمّم کی اجازت ملی (امام سیوطی کی تفسیر درمنثور، سنن بیہقی)

دربارِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم: عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عظمت کے پیشِ نظر کوئی شخص حضور ﷺ کی طرف

سر نہیں اٹھاتا تھا۔ (حاکم حدیث صحیح برشرط شیخین)

اکبر یا اَسَن: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں

قِيْلَ لِلْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عنه اَنْتَ اَكْبَرُ اَوْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ،قَالَ هُوَ اَكْبَرُ مِنِّيْ وَاَنَا وُلِدْتُ قَبْلَهٗ

(کنز العمال)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ اکبر ہیں یا رسول اللہ (ﷺ)۔ فرمایا اکبر تو حضور ہی ہیں مگر میں پیشتر پیدا ہوا۔

خیال فرمایئے پوچھنے والے نے 'اکبر' کہہ کر عمر میں زیادہ مراد لیا مگر اس مراد کو سمجھتے ہوئے بھی آپ نے اکبر مطلقاً معنی کو ملحوظ رکھا یعنی زیادہ بڑا تاکہ سننے والے کو یا بعد میں پڑھنے والوں کو کوئی وہم نہ رہے۔

یونہی ایک مرتبہ حضرت قباث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبدالملک مروان نے پوچھا

اَنْتَ اَكْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

آپ اکبر (یعنی زیادہ عمر کے) ہیں یا رسول اللہ ﷺ

فرمایا!

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْبَرُ مِنِّيْ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْهُ

یعنی رسول اللہ ﷺ مجھ سے اکبر (بڑے) ہیں اور میں ان سے اَسَن (یعنی زیادہ عمر کا) ہوں۔

جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں: عبد بن فیروز سے روایت ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست نہیں۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور میری انگلیاں حضور ﷺ کی انگلیوں سے اور میرے پورے حضور ﷺ کے پوروں سے چھوٹے ہیں پھر فرمایا چار قسم کے جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں، ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو اور جو سخت بیمار ہو اور جس کا لنگ ظاہر ہو اور جو نہایت دبلی ہو۔ (سنن ابوداؤد)

مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے انگلیوں سے گن کر بتایا کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی جائز نہیں ہے۔ راوی کو یہ وہم ہو گیا کہ میں انگلی کے اشارے کروں تو کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ یہ انگلیاں حضور ﷺ کی انگلیوں کی طرح اور پورے حضور ﷺ کے پوروں کی طرح ہیں۔ ایک طرف یہ احتیاط ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ضروری سمجھی اور ایک طرف آجکل کا گستاخ ملا ہے جو اپنے آپ کو حضور ﷺ کی مثل سمجھتا ہے اور اپنے ماس کو حضور ﷺ کے ماس جیسا سمجھتا ہے۔

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

39

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور حبیب خدا سرور دوسرا علیہ التحیۃ والثناء کے ادب و تعظیم کو کتنی اہمیت دیتے تھے، اس کے چند مظاہر گزشتہ قسط میں آچکے۔ خیال یہ تھا کہ موجودہ قسط میں تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے ایسے واقعات بیان کئے جائیں جن سے یہ واضح ہو سکے کہ انھوں نے ادب و تعظیم کی یہ روایت کہاں تک نبھائی۔ مگر مضمون کی اہمیت کے پیش نظر یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے مزید واقعات عرض کئے جاتے ہیں تاکہ یہ بات کھل کے سامنے آسکے کہ کائنات میں حضور پرنور ﷺ سے زیادہ یا آپ کے برابر کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو کسی دور میں ادب و تعظیم کا مستحق نہیں سمجھا گیا نیز جیسے ایمان وعرفان اور اجر وثواب میں کوئی غیر نبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے برابر نہیں، یوں ہی حبیب خدا، امام الانبیاء خواجۂ لولاک لما علیہ التحیۃ والثناء کا ادب بجالانے میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہیں۔ بلکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ایمان وعرفان اور ادب و تعظیم لازم وملزوم ہیں،

جس میں ایمان وعرفان زیادہ ہے، اس میں ادب وتعظیم بھی زیادہ ہے اور جس میں ایمان وعرفان کم ہے، اس میں ادب وتعظیم بھی کم ہے۔

اس حقیقت کو سمجھانے کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوتی ہے کہ دورِ حاضر کے بعض خود ساختہ 'مجتہدین' کے خیال میں ادب وتعظیم زیادہ ضروری نہیں بلکہ ان کے نقطۂ نظر سے توحید کے لئے تو یہ سمِ قاتل ہے۔ اس کے برعکس بزرگانِ دین اور اسلام کے رمز شناس حضرات ہمیشہ مودب رہے اور ادب کی تلقین فرماتے رہے۔ حضرت مولائے روم جیسی نکتہ رس شخصیت نے کیا خوب فرمایا ہے

از ادب معصوم وپاک آمد ملک　　　از ادب پرنور گشت است ایں فلک

بے ادب تنہانہ خودراداشت بد　　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

از خدا خواہیم توفیقِ ادب

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حقیقت یہ ہے کہ امت کی ترقی وارتقا وعروج کے لئے امت کیلئے صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا رابطہ بہت ضروری ہے اور یہ رابطۂ عشق ادب کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھری مستانہ اداؤں کا ذکر مختلف عنوانات کے تحت کیا جاتا ہے، غور سے پڑھیں اور اپنے ایمان کو جلا بخشیں۔

۱۔ غیرتِ عشق: حدیبیہ کے مقام پر جناب عروہ بن مسعود ثقفی قریش کا سفیر بن کر آیا تو دورانِ گفتگو اس کی زبان سے یہ بھی نکل گیا ''اگر قریش غالب آ گئے تو

آپ ان سے امن میں نہ رہیں گے۔ کیونکہ اللہ کی قسم! میں سردار (مکہ) ہوں اور اخلاط کو دیکھتا ہوں جو اس لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا

اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ

(یعنی: لات کی شرمگاہ کو بوسہ دے) کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے

نوٹ: عربی میں اُمْصُصْ بَظْرَ الْاُمِّ گالی ہے یعنی ماں کی شرمگاہ کو چوم۔

کفار لات کو خدا کی بیٹی کہتے تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لات کہہ کر عروہ اور اس کے معبودِ باطل کی تحقیر فرمادی۔ اس نے صحابہ کرام کے جذبۂ عشق و وفا کا مذاق اڑایا تھا جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ (حقیقت یہ ہے کہ اس سخت جواب نے اسے اور بھی مبہوت کر کے رکھ دیا)

اس پہ عروہ بولا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا ابوبکر۔ پس وہ حضرت ابوبکر سے یوں مخاطب ہوا "قسم ہے اس جان کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھ پر تیرا احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے نہیں دیا تو میں تجھے جواب دیتا۔

پھر عروہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آپ سے کلام کرتا تو (حسبِ عادت عرب) آپ کی ریش مبارک کو چھوتا۔ اس وقت مغیرہ بن شعبہ خود سر پر تلوار ہاتھ میں لئے خدمت اقدس میں کھڑے تھے۔ جب عروہ اپنے ہاتھ

ریش مبارک کی طرف بڑھاتا تو مغیرہ بغرض تعظیم نیام شمشیر اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ ریش مبارک سے ہاتھ ہٹاؤ۔عروہ نے آنکھ اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا (تیرا بھتیجا) مغیرہ بن شعبہ۔عروہ نے یہ سن کر کہا'او بے وفا! کیا میں تیری دیت میں کوشش نہ کرتا تھا؟ (سیرت رسول عربی بحوالہ زرقانی)

۲......**عظمت و ہیبت**: حضرت طلحہ بن عبیداللہ تمیمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے ایک جاہل اعرابی سے کہا' آنحضرت ﷺ سے دریافت کرو کہ قرآن کی سورۂ احزاب میں جو آیا ہے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (الاحزاب:۲۳)

ترجمہ: کچھ وہ مرد ہیں جنھوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا۔

اس آیت میں قَضٰى نَحْبَهٗ (وہ اپنی منت پوری کر چکا) کون ہے۔ اصحاب کرام آنحضرت ﷺ سے سوال کرنے کی جرأت نہ کیا کرتے تھے۔وہ آپ کی توقیر کیا کرتے تھے اور آپ سے ہیبت کھاتے تھے۔اس اعرابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔دوبارہ پوچھا تو بھی آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔پھر میں (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ) مسجد کے دروازے سے سبز کپڑوں میں نمودار ہوا۔جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا' وہ سائل کہاں ہے؟'

اعرابی نے کہایا رسول اللہ! سائل میں ہوں رسول اللہ ﷺ نے (میری طرف اشارہ کرکے) فرمایا' یہ ان میں سے ہے جس نے اپنا عہد پورا کیا'

(ترمذی: کتاب التفسیر)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہتا تو اسے (آپ کی ہیبت کی وجہ سے) دو سال یا (سالوں) کی تاخیر میں ڈال دیتا۔ (شفا شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں تشریف لاتے اور وہ بیٹھے ہوتے۔ ان کے درمیان حضرات ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی ہوتے۔ ان میں سے سوا حضرات ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے کوئی حضور ﷺ کی طرف نظر نہ اٹھاتا۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے اور حضور ﷺ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور حضور ﷺ ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے۔ (ترمذی: ابواب المناقب)

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ حاضرین مجلس کے ساتھ حضور ﷺ کی سیرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں' جس وقت آپ کلام شروع کرتے تو آپ کے ہمنشیں اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش ہو جاتے تو وہ کلام کرتے اور کلام میں آپ ﷺ کے سامنے تنازع

نہ کرتے اور جو آپ ﷺ کے سامنے کلام کرتا اسے خاموش ہو کر سنتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کلام سے فارغ ہو جاتا۔ (شمائل ترمذی)

دستک کا انداز: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (بپاس ادب) حضور ﷺ کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ (ادب المفرد)

طواف پہلے نہیں: حضور پرنور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حدیبیہ سے سفیر بنا کر قریش مکہ کی طرف روانہ کیا تو بعض مسلمان کہنے لگے کہ عثمان خوش نصیب ہے جس نے بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے' میرا گمان ہے عثمان (رضی اللہ عنہ) ہمارے بغیر طوافِ کعبہ نہ کریں گے۔ بیعت رضوان کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تو (بعض) مسلمانوں نے ان سے کہا آپ خوش نصیب ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم نے میری نسبت گمانِ بد کیا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر میں وہاں ایک سال ٹھہرا رہتا اور حضور ﷺ حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ ﷺ کے بغیر طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھ سے کہا تھا طواف کر لو مگر میں نے انکار کر دیا تھا۔ (دیکھا آقا ﷺ اور غلام رضی اللہ عنہ کا قلبی رشتہ) (زاد المعاد)

قیام اور دست بوسی و قدم بوسی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں

نے حدیث وکلام میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو حضور ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور مرحبا کہہ کر ان کو چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر مرحبا کہتیں چومتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔ جب مرض وصال میں وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئیں تو حضور ﷺ نے مرحبا فرما کر انھیں چوما۔ (الادب المفرد)

ام ابان بنت وازع بن زارع اپنے دادا زارع سے جو وفد عبدالقیس میں تھے۔ روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا جب ہم مدینہ میں پہنچے تو ہم کجاووں سے جلدی جلدی اتر کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو چومنے لگے۔ منذر الشیخ (رئیس وفد) کچھ دیر کے بعد لباس تبدیل کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، حلم اور وقار۔ منذر نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! یہ خصلتیں مجھ میں کسبی ہیں یا جبلی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جبلی۔ یہ سن کر منذر نے کہا سب حمد خدا کو جس نے مجھے دو ایسی خصلتوں پر پیدا کیا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو پسند ہیں (الادب المفرد)۔ بیہقی کی روایت کے مطابق منذر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کے دست مبارک کو پکڑ کر بوسہ دیا۔ (الادب المفرد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا 'یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اسلام لایا ہوں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھایئے جس سے میرا یقین زیادہ ہو جائے آپ ﷺ نے فرمایا 'تو کیا چاہتا ہے'؟ اس نے عرض کیا کہ آپ اس درخت کو اپنے پاس بلالیں، آپ ﷺ نے فرمایا تو جا کر اسے بلا لا۔ وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے بلاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ ایک طرف کو جھکا اور اس کی جڑیں اکھڑیں۔ پھر دوسری طرف کو جھکا اور جڑیں اکھڑیں۔ اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا 'السلام علیک یارسول اللہ! یہ دیکھ کر اعرابی نے کہا' مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے'۔ آنحضرت ﷺ نے اس درخت سے فرمایا کہ اپنی جگہ چلا جا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور اپنی جڑوں پر قائم ہو گیا۔ اعرابی نے عرض کیا 'یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اجازت دیجئے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک اور دو پائے مبارک کو بوسہ دوں۔ حضور ﷺ نے اجازت فرمادی (اور اس نے سر مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو چوما) پھر اس نے عرض کیا' مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا ایک شخص دوسرے شخص کو سجدہ نہ کرے۔ اگر میں ایسے سجدے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ شوہر کا اس پر بڑا حق ہے۔ (دلائل ابی نعیم)

سلام کا جواب: حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ غریب خانہ پر تشریف لائے اور دروازے میں فرمایا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ میرے باپ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ میں نے کہا' کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟ انھوں نے کہا اسی طرح رہنے دیجئے تاکہ حضور ﷺ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم نے دوسری بار اسی طرح سلام فرمایا۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ حضور ﷺ تیسری بار سلام فرما کر واپس ہو گئے۔ حضرت سعد پیچھے نکلے اور عرض کیا' یارسول اللہ! ﷺ میں آپ کا سلام سنتا رہا اور دھیمی آواز سے جواب دیتا رہا، تاکہ حضور ﷺ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں'۔ یہ سن کر حضور ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس تشریف لائے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی درخواست پر غسل فرمایا۔ حضرت سعد نے زعفران سے رنگی ہوئی چادر پیش کی جو حضور ﷺ نے اوڑھ لی اور دونوں دست مبارک اٹھا کر یوں دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوٰتِکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی اٰلِ سعد بن عبادہ

ترجمہ: اے اللہ اپنی عنایات اور رحمت سعد بن عبادہ کے اہل خانہ کے شامل حال فرما

بعد ازاں آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ واپس ہونے لگے تو میرے والد نے سواری کیلئے ایک دراز گوش پیش کیا جس پر لحاف پڑا ہوا تھا اور مجھ سے کہا' ساتھ ہو لو۔ میں ساتھ ہو لیا۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا' میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' سوار ہو جاؤ یا واپس جاؤ'

اس لیئے میں واپس چلا آیا۔ (ابوداؤد)

اندازِ التجا: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے والدِ بزرگوار بہت سا قرضہ چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا تو حضرت جابر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یوں عرض کیا

ترجمہ: ' آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد جنگ احد کے دن شہید ہو گئے اور اپنے اوپر بہت سا قرضہ چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرضخواہ حضور ﷺ کی زیارت کر لیں۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یوں نہ کہا کہ حضور ﷺ قرضخواہوں کے پاس چلئے بلکہ بہ پاس ادب عرض کیا کہ قرضخواہ آپ ﷺ کی زیارت کر لیں۔

سب کے ساتھ: ایک روز قبیلہ اسلم کے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیراندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر وہاں ہوا۔ جب حضرت محجن بن اورع ایک اسلمی سے مقابلہ کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اے بنی اسمٰعیل! تم تیراندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیرانداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ، میں ابن اورع کے ساتھ ہوں۔ یہ سن کر حضرت نضلہ بن عبید اسلمی نے اپنے ہاتھ سے کمان پھینک دی اور عرض کیا

ترجمہ: جب ابن اورع کے ساتھ حضور ﷺ ہیں تو میں اس کے ساتھ تیر نہیں پھینکتا کیونکہ جس کے ساتھ حضور ﷺ ہیں وہ

مغلوب نہیں ہوسکتا۔

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا 'تم تیراندازی کرو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

(مشکوٰہ بحوالہ بخاری)

چھت پر: جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ آپ مکان کے نیچے کے حصے میں ٹھہرے اور ابوایوب مع عیال اوپر کے حصے میں رہے۔ ایک رات ابوایوب بیدار ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اس جگہ سے ہٹ کر ایک جانب میں رات بسر کی۔ پھر صبح کو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ نیچے کے حصے میں میرے واسطے آسانی ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں اس چھت پر نہیں چڑھتا جس کے نیچے آپ ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ اوپر کے حصے میں تشریف لے گئے اور ابو ایوب نیچے کے حصے میں چلے آئے۔ ابو ایوب حضور ﷺ کے لئے کھانا بھیجا کرتے جو بچ کر آتا خادم سے دریافت کرتے کہ طعام میں حضور اقدس ﷺ کی مبارک انگلیاں کس جگہ تھیں پھر اسی جگہ سے کھاتے۔ ایک روز کھانا تیار کیا گیا جس میں لہسن تھا۔ جب کھانا واپس آیا تو حضرت ابوایوب نے حسب معمول خادم سے حضور انور ﷺ کی مبارک انگلیوں کی جگہ دریافت کی۔ جواب ملا کہ حضور ﷺ نے تناول ہی نہیں فرمایا۔ یہ سن کر ابوایوب رضی اللہ عنہ ڈر

گئے اور اوپر جا کر عرض کیا کیا یہ (لہسن) حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حرام تو نہیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر انھوں نے عرض کیا 'میں بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جسے آپ ﷺ ناپسند کرتے ہیں۔ حضور ﷺ اس لئے ناپسند فرماتے تھے کہ آپ کے پاس فرشتے اور وحی آیا کرتی تھی۔ (صحیح مسلم)

وصال شریف کے بعد ادب و تعظیم: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ کو وصال شریف کے بعد بھی اسی طرح زندہ مانتے تھے جیسے وصال شریف سے پہلے مانتے تھے، لہذا ادب و تعظیم میں انھوں نے کسی قسم کی کوتاہی یا کمی روا نہ رکھی، چنانچہ حضرت اسحق تجیبی رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۵۲ ھ) فرماتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب آپ ﷺ کا ذکر آتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشوع وانکسار ظاہر کرتے۔ ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور وہ حضور ﷺ کے فراق اور اشتیاقِ زیارت میں رویا کرتے۔ یہی حال بہت سے تابعین کا تھا (شفا شریف)۔ چند واقعات ادب و تعظیم نذر قارئین ہیں۔

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا۔ ایک شخص نے مجھ پر کنکری ماری۔ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں اور مجھے فرما رہے ہیں۔ ان دو شخصوں کو بلا لاؤ۔ میں بلا لایا تو آپ نے پوچھا "تم کون ہو؟" یا "کہاں سے آئے ہو" انھوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں، آپ نے فرمایا "اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں درے

لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو (صحیح بخاری)

حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عشاء کے وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص کے ہنسنے کی آواز کان میں آئی۔ آپ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں قبیلہ ثقیف سے ہوں۔ پھر دریافت کیا' کیا تم اس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں میں طائف کا رہنے والا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اسے دھمکایا اور فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، اس مسجد میں آوازیں اونچی نہیں کی جاتیں۔ (وفاء الوفا)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو یونہی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے گھر کے دونوں کواڑ مناصع میں تیار کرائے کہ کہیں تیاری میں لکڑی کی آواز سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ پہنچے۔ (وفاء الوفا)

اب ایک اور ایمان افروز روایت سنئے

اَقْبَلَ مَرْوَانُ یَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلًا وَاضِعًا وَجْهَهُ عَلَى الْقَبْرِ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ اَيُّوْبَ! فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ اٰتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَبْكُوْا عَلَى الدِّيْنِ اِذَا وَلِيَهُ اَهْلُهُ وَلٰكِنِ ابْكُوْا عَلَيْهِ اِذَا وَلِيَهُ غَيْرُ اَهْلِهِ (مسند احمد)

ترجمہ: ایک دن مروان نے آکر ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا چہرہ حضور ﷺ کے مزار پر رکھے ہوئے ہے۔ چنانچہ کہنے لگا کیا تو جانتا ہے کہ کیا کر رہا ہے؟ وہ متوجہ ہوئے تو حضرت ابوایوب (انصاری) رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمانے لگے ہاں (میں خوب جانتا ہوں کہ کیا کر رہا ہوں) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں آیا اور میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دین پر مت روؤ جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں اس وقت دین پر روؤ جب اس کا والی نااہل ہو

حضور پرنور ﷺ کے آثار شریفہ کی تعظیم: حضرت ابن سیرین تابعی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس یا اہل انس رضی اللہ عنہم سے ملے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبیدہ نے کہا "میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کے بال منڈواتے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے آپ کے موئے مبارک لیتے (بخاری شریف، کتاب الوضو)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہوگئی۔ انھوں نے تلاش کرنے کا حکم دیا اور وہ آخر کار مل گئی۔ لوگوں نے ان سے سبب پوچھا تو فرمایا

'ایک روز رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا۔ جب آپ نے سر مبارک منڈوایا تو لوگ آپ کے موئے مبارک لینے کے لئے دوڑ پڑے، میں نے بھی حضور انور ﷺ کی پیشانی مبارک کے بال لے کر اس ٹوپی میں رکھ لئے۔ جس لڑائی میں یہ ٹوپی میرے پاس رہی، مجھے فتح نصیب ہوتی رہی۔ (اصابہ: ترجمہ خالد بن ولید)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے خدام اپنے برتن جن میں پانی ہوتا لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ حضور انور ﷺ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ بعض وقت سردی ہوتی تو بھی یونہی کرتے (مسلم شریف)

ایک روز حضرت خداش بن ابی خداش مکی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پیالے میں کھانا کھاتے دیکھا۔ انھوں نے آپ ﷺ سے وہ پیالہ بطور تبرک لے لیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حضرت خداش کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے۔ اسے آب زم زم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور انور ﷺ چرمی سرخ قبے میں تھے۔ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا پانی لیا اور لوگ اس پانی کو لینے دوڑ رہے تھے۔ جس کو اس میں سے کچھ ملتا۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں پر ملتا، اور

جسے کچھ نہ ملتا وہ دوسرے کے ہاتھ کی تری لے کر مل لیتا (بخاری شریف)

ایک روز آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب سقیفہ بنی ساعدہ میں رونق افروز تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا "ہمیں پانی پلاؤ" چنانچہ حضرت سہل نے ایک پیالہ میں حضور ﷺ کو اور اصحاب کو پانی پلایا۔ حضرت ابوحازم کا بیان ہے کہ حضرت سہل نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے پانی پیا۔ اس پیالے کو حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حضرت سہل سے مانگ کر لے لیا۔ (مسلم شریف)

حضرت محمد بن جابر کے دادا سیار بن طلق یمامی وفد بنی حنیفہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ انھوں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! مجھے اپنی قمیض کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیے۔ میں اس کے ساتھ اپنا دل بہلایا کروں گا۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرما کر اپنی قمیض کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔ محمد بن جابر کا بیان ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ٹکڑا ہمارے پاس تھا۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفا بیماروں کو پلایا کرتے تھے (اصابہ)

حضرت ولید بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی مکہ میں قید سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ میں مرا جاتا ہوں۔ آپ ﷺ مجھے اپنے کسی زائد کپڑے میں جو جسد اطہر پر رہا ہو کفنانا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو اپنی قمیض میں کفنایا۔ (اصابہ)

حضرت عبداللہ بن حازم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا جسے وہ جمعہ اور عیدین میں پہنا کرتے تھے۔ لڑائی میں جب فتح پاتے تو بطور تبرک اس عمامہ کو پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے پہنایا تھا (اصابہ)

ایوب بن تجار بروایت ابوعبداللہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا لحاف تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے ان کے دادا کو کہلا بھیجا، چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس سے اپنے چہرے کو ملنے لگے۔

(تاریخ صغیر للبخاری)

رسول اللہ ﷺ بعض وقت شفاء بنت عبداللہ قرشیہ عدویہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے۔ حضرت شفاء نے حضور انور ﷺ کے لئے ایک بچھونا اور ایک چادر بنوائی تھی، جس میں آپ سوجایا کرتے۔ وہ بچھونا اور چادر حضرت شفاء کے خاندان میں رہی، یہاں تک کہ مروان بن الحکم نے لے لی۔

(استیعاب واصابہ)

جب حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے ایمان لاکر اپنا قصیدہ بانت سعاد پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی چادر اوڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جسے خلفاء عیدین میں پہنتے ہیں۔ مشہور روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے ورثاء سے بیس ہزار درہم میں لے لی۔ ابن انباری (م۔۳۲۸ھ) کے قول

کے مطابق وہی آج تک سلاطین کے پاس ہے (شرح قصیدہ بانت سعاد لابن ہشام)

حضور علیہ ﷺ کی تلوار ذوالفقار حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس تھی جب وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یزید کے ہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت مسور بن مخرمہ نے حضرت امام سے وہی تلوار مانگی تھی اور عرض کیا تھا' آپ سے لے لیں گے۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے' کوئی مجھ سے نہ لے سکے گا۔' (صحیح بخاری)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک کملی جو پیوندوں کی کثرت سے نمدہ کی مثل تھی اور ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا رسول اللہ علیہ ﷺ نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔

(بخاری شریف)

حضور پُر نور علیہ ﷺ کی خاتم (انگوٹھی) مبارک جس میں تین سطریں یوں تھیں (اللہ رسول محمد) حضرت ابو بکر صدیق کے پاس تھی، پھر حضرت عمر فاروق کے پاس رہی، پھر حضرت عثمان کو ملی (رضی اللہ عنہم) جب ان کی خلافت کو چھ برس ہو گئے تو ایک روز وہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ میں سے کنوئیں میں گر پڑی۔ تین دن تلاش کرتے رہے، کنوئیں کا سارا پانی نکالا گیا مگر نہ ملی۔ چنانچہ اس کے بعد فتنے کا آغاز ہوا جس کا انجام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوا (وفاء الوفا ج ۲)

حضرت عیسیٰ بن طہمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت انس بن مالک

رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔اس کے بعد حضرت ثابت بنانی نے بروایت انس مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین شریفین ہیں۔(بخاری شریف)

جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری تھی۔وہ یادگار رہی۔بدیں طور کہ حضرت زبیر سے حضور اقدس ﷺ نے مستعار لی۔پھر آپ کے چاروں خلفاء کے پاس بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس رہی۔یہاں تک کہ حجاج نے انھیں ۷۳ھ میں شہید کردیا (بخاری شریف)

جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔حضور ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی،اس کو عرجون کہتے ہیں۔یہ بطور تبرک ان کے خاندان میں رہی۔یہاں تک کہ بغا ترکی کے ہاتھ جو معتصم باللہ ابراہیم بن ہارون رشید کے امیروں میں سے تھا،دوسو دینار میں فروخت ہوئی (زرقانی۔جز!۲)

حضرت عتبان بن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''میری بصارت جاتی رہی۔میں نے ایک شخص کو بھیج کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ آپ قدم رنجہ فرمائیں اور غریب خانے میں نماز پڑھیں تا کہ میں حضور ﷺ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کرلوں۔چنانچہ حضور ﷺ مع اصحاب تشریف لائے اور میرے مکان میں نماز پڑھی۔(مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر شریف میں جو جگہ حضور انور ﷺ کے تشریف رکھنے کی تھی، اسے ہاتھ سے مس کیا، پھر اس ہاتھ کو چہرے پر پھیر لیا (شفا شریف، طبقات ابن سعد)

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چارپائی جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے بطور ہدیہ پیش کی۔ حضور اکرم ﷺ اس پر آرام فرماتے تھے۔ وصال شریف کے وقت بھی اسی پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو بھی وصال کے وقت اسی پر رکھا گیا، پھر لوگ بطور تبرک مردوں کو اسی پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنوامیہ کے عہد میں میراث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں فروخت ہوئی اور عبداللہ بن اسحٰق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔ (زرقانی جز ۳)

روایت ہے کہ حضور پرنور ﷺ کے متروکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں۔ وہ ایک کمرے میں محفوظ تھیں۔ ابن عبدالعزیز ہر روز ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اشراف میں سے اگر کوئی ان سے ملنے آتا تو اسے بھی زیارت کراتے تھے۔ کہتے ہیں اس کمرے میں ایک چارپائی، چمڑے کا تکیہ، جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک جوڑا موزہ، لحاف، چکی اور ایک ترکش تھا جس میں چند تیر تھے (مدارج النبوۃ)

اسمٰعیل بن یعقوب تیمی روایت کرتے ہیں کہ ابن منکدر (م۔۲۵ھ) مسجد

نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لوٹتے اور لیٹتے ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی کا قول ہے کہ میرا گمان ہے یہ زیارت خواب میں ہوئی ہوگی (وفاءالوفا۔ج۲)

از راہ کرم یہ مضمون غور سے پڑھئے اور پھر بتایئے اسمٰعیل دہلوی یا سعید اینڈ کمپنی نے ادب و تعظیم کی جن اداؤں کو شرک سے تعبیر کیا ہے، ان میں وہ کہاں تک حق بجانب ہیں اور اگر بفرض محال ان کا نظریۂ توحید درست ہے تو ان کے نقطۂ نظر سے کیا صحابہ کرام شرک سے بچ سکے ہیں، حق یہ ہے منہ پھٹ لوگوں کی توحید کا توحید قرآنی سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز سوچئے کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور پرنور صلی اللہ علیک وسلم کو وہابیہ کی طرح اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

40

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بات ہو رہی تھی حضور پر نور ﷺ کے ادب و احترام کی اور چلتے چلتے مضمون یہاں تک پہنچا تھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور پر نور ﷺ ہی کا ادب و احترام نہیں بجالاتے تھے، بلکہ جس چیز کا بھی تعلق حضور پر نور ﷺ سے جان لیتے تھے، اس کی تعظیم میں بھی کوئی کسر نہیں رہنے دیتے تھے۔ چونکہ یہ مضمون بہت اہم ہے، لہٰذا ذرا تفصیل سے اس پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، اس لئے کہ وہ لوگ جو امت کو یہ کہہ کر دھوکا دیتے ہیں کہ "تعظیم مقصود ہی نہیں، اطاعت مقصود ہے" نامرادونا کام ہو جائیں اور ان کے شر سے مسلمان محفوظ ہو جائیں۔ ہم اس مختصر سی تحریر میں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ادب امت مسلمہ کا عظیم ورثہ ہے، اگر خدانخواستہ یہ بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تو امت کا وجود ہی معاذ اللہ ختم ہو جائے گا، ہماری بقا، ہماری آب و تاب، ہماری عزت و عظمت، ہماری شوکت و سطوت، ہماری دولت و صولت سب کچھ ادب رسول ﷺ ہی کی مرہون منت ہے، ایمان کی اولین و بہترین پہچان یہی (تعظیم) ہے، دورِ اول کے مسلمانوں اور منافقوں میں سب سے بڑا فرق نماز و روزہ کا

اہتمام نہیں تھا، بلکہ حضور پرنور ﷺ کی محبت اور تعظیم کا ہونا اور نہ ہونا تھا۔ حیوانات و نباتات بلکہ فطرت کے دوسرے مظاہر و مناظر ہماری طرح نماز تو نہیں پڑھتے، مگر ادب و تعظیم رسول ﷺ میں کوتاہی نہیں کرتے۔ کائنات کی ہر چیز کو حضور پرنور ﷺ کی پہچان کرادی گئی ہے اور یوں ہر چیز اس پہچان کا اظہار ادب و تعظیم ہی سے کرتی ہے

حدیث پاک میں ہے

مَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یَعْلَمُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَّا کَفَرَۃُ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (مجمع الزوائد، کنزالعمال، البدایہ والنہایہ)

ترجمہ: کوئی چیز نہیں جو مجھے رسول نہ جانتی ہو مگر بے ایمان جن و آدمی

آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور پرنور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول جانتی پہچانتی ہے سوا کافر جنوں اور انسانوں کے۔ اسی لیے کافر جن و انس ہی حضور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریاد نہیں کرتے ورنہ نباتات و جمادات تک کا ہر فرد اس محبوب باری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمہ گیر رحمت اور ہمہ جہت رحمت سے عرض معروض کرتا ہے اور فیض پاتا ہے۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد، ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد

اسی در پہ شترانِ ناشاد، گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں!

اور یہ التجا و فریاد کا یہ سلسلہ بھی حضور پرنور ﷺ کے ظہور اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور ہی سے شروع نہیں ہوا، تشریف آوری سے قبل بھی آپ کی فریادرسی کا چرچا تھا۔ چنانچہ عیسائی یہودی مشرکوں کے مقابل صف آرا ہوتے تو بھی حضور پرنور ﷺ کے وسیلے ہی

سے دعائے فتح کرتے تھے۔جیسا کہ قرآن پاک فرماتا ہے

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ○ (البقرۃ:۸۹)

ترجمہ: اوراس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے،تو اللہ کی لعنت منکروں پر (کنزالایمان)

مفسرین نے اس کے شان نزول میں لکھا ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جب کبھی اہل کتاب مشرکین سے جنگ کرتے تو حضور پر نور ﷺ کے وسیلے دعاءِ نصرت کرتے تھے کہ خدایا اس نبی آخر الزماں ﷺ کے طفیل ہمیں فتح دے (نورالعرفان)

مگر اب جب حضور ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو منکر ہو گئے۔

انبیائے کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے سامنے خدا کے محبوب اعظم ﷺ کا ذکر خیر کرتے تو کیف وسرور کا سماں بندھ جاتا اور سامعین ذوق وشوق سے جلد تشریف آوری کی التجائیں کرتے جیسا کہ انجیل برنباس میں اذن خداوندی سے موت کو حیات میں بدلنے والے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذکر محبوب ﷺ قلب وروح کی زندگی کا سامان کرتے تو حاضرین شوق ومستی میں کھوکر نعرۂ رسالت لگاتے ہوئے عرض کرتے

God send us thy messenger.

O Muhammad Come quickly for the salvation of the World (باب:۹۷)

ترجمہ: اے خدا اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یا رسول اللہ، دنیا کی نجات کیلئے جلدی تشریف لے آیئے۔

حق یہ ہے کہ جس طرح کافر جنوں اور انسانوں کے سوا سب اپنے خالق کو اپنے اپنے ظرف کے مطابق جانتے مانتے ہیں یونہی وہ ہستی جو وجۂ تخلیق ہے، اسے بھی اپنے اپنے انداز میں بھی جانتے مانتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آخر حضور پرنور ﷺ کی ساری مخلوق کو پہچان کرانے کی وجہ کیا ہے؟ لیجئے اس کا جواب حدیث (سلمان رضی اللہ عنہ) میں سنئے

هَبَطَ جِبْرِيْلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فقال اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اِنْ كُنْتُ اتَّخَذْتُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً فَقَدِ اتَّخَذْتُكَ حَبِيْبًا وَ مَا خَلَقْتُ خَلْقاً اَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْيَا وَ اَهْلَهَا لِاُعَرِّفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَمَنْزِلَتَكَ عِنْدِيْ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا۔

(انوار احمدی بحوالہ ابن عساکر)

ترجمہ: سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی 'آپ کا رب فرماتا ہے اگر میں نے ابراھیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو

آپ کو اپنا حبیب بنایا اور میں نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو اور بیشک میں نے دنیا اور اس کے لوگوں کو اسی لئے پیدا کیا کہ ان کو آپ کی بزرگی اور مرتبے کی پہچان کرادوں جو میرے نزدیک ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا۔

ظاہر ہے جب دنیا اور اہل دنیا کو پیدا کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ انھیں حضور ﷺ کی اس کرامت و منزلت کی پہچان کرا دی جائے جو انھیں دربار خداوندی میں حاصل ہے، تو یہ بھی واضح ہو گیا کرامت و منزلت کی پہچان اسی لئے کرائی گئی کہ سب آپ کا ادب و احترام بجالائیں اور وسعت کائنات میں کوئی فرد، کوئی ذرہ، کوئی فرشتہ، کوئی جن، کوئی جانور، اور کوئی پہاڑ، کوئی میدان اور اجرام فلکی کا کوئی سیارہ بھی حضور انور و اقدس ﷺ کی بے ادبی کا تصور نہ کر سکے۔

جب ساری کائنات کی تخلیق ہی حضور پرنور ﷺ کی شان و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہوئی ہے تو دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے اپنی ساری مخلوق پر حضور پرنور ﷺ کا ادب واحترام فرض ٹھہرایا ہے، اس سے کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا اور اس کے بغیر کسی کے لئے چارۂ کار نہیں۔ جس طرح حضور پرنور ﷺ کی نبوت و رسالت اپنے ضمن میں ختم نبوت کا عقیدہ بھی لئے ہوئے ہے اور بغیر اس عقیدے کی شمولیت کے حضور پرنور ﷺ کے محض نبی و رسول ہونے کا اقرار دراصل اقرار نہیں ہے یونہی حضور پرنور ﷺ پر ایمان بھی آپ کے ادب واحترام کے بغیر ایمان نہیں

ہے۔سورۃ الفتح کی یہ دو آیتیں تو شاید اسی مضمون میں ایک سے زیادہ بار پڑھی ہوں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الفتح:۸۔۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری اور ڈر سنا تا تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔ (کنز العمال)

دیکھئے حضور پرنور ﷺ کے مقاصد بعثت میں سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا ذکر ہے مگر یہ ایمان کیسا؟ ساتھ ہی تعظیم رسول کا ذکر فرما دیا اور اسے بھی مقاصد بعثت میں شامل کر کے ایمان کے ساتھ چسپاں کر دیا۔ اس کے بعد عبادات خداوندی (اور نماز وغیرہ) کا ذکر فرمایا۔ ہاں ہاں، ان آیتوں کا مضمون پہلے بھی آپ کے سامنے آ چکا ہوگا مگر یہاں آپ کی توجہ ایک دلچسپ واقعہ کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

دلچسپ واقعہ: ہوا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل نے سامری کے بہکاوے میں آ کر بچھڑے کو خدا بنا لیا، موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان کے اس شرک پر سخت برہم ہوئے، قوم نے توبہ کی تو حسب الارشاد ستر آدمی لے کر پھر طور پر تشریف لے گئے۔ بچھڑا پوجنے والوں سے بائیکاٹ نہ کرنے یا کھلم کھلا خدا کا دیدار کرنے کی خواہش پر انھیں زلزلہ نے آلیا تو سب مارے گئے۔

اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی

''اے مرے رب، تو چاہتا تو پہلے ہی انھیں اور مجھے ہلاک کر دیتا، کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا، وہ نہیں مگر تیرا آزمانا، تو اس سے بہکائے جسے چاہے اور راہ دکھائے۔ جسے چاہے، تو ہمارا مولا ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر مہر کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے''

(الاعراف:۱۵۵)

دعا کا اگلا حصہ زیادہ اہم ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ (الاعراف:۱۵۶)

ترجمہ: اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں، بے شک ہم تیری طرف رجوع لائے۔

اسی آیت میں اس کے بعد رب کی طرف سے جواب شروع ہوتا ہے۔

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں، اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے

لئے لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

گویا موسیٰ علیہ السلام کی دعا ترمیم کے ساتھ قبول فرمالی گئی مگر وہ لوگ کون ہیں؟ جن کے لیے دنیا و آخرت میں بھلائی لکھ دی جائے گی۔ آگے اس کا جواب ملاحظہ ہو،

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ط فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ لا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں، وہ انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں انھیں حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو ان پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور

کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے۔

چونکہ مندرجہ بالا آیت میں حضور پرنور ﷺ کی نعت ہے جو ان کے خالق و مالک جل وعلا نے نہایت ہی محبت بھرے انداز میں بیان فرمائی ہے لہذا اسے پورے متن کے ساتھ درج کرنے میں ایک خصوصی سرور تھا ورنہ اصل میں مقصود اتنی بات ہی تھی کہ اللہ نے دونوں جہان کا خیر ان کے لئے لکھ دیا جو حضور پرنور ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کی تعظیم کریں۔ دیکھئے یہ سوال و جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہو رہے ہیں اور ان سے بھی حضور پرنور ﷺ پر ایمان لانے والوں کی ہی فضیلت بیان نہیں فرمائی جا رہی بلکہ یہاں بھی ایمان کے ساتھ تعظیم کا حوالہ دیا جا رہا ہے (کیونکہ ان دونوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا) تاکہ دنیا اس ابدی حقیقت کو پہچان لے کہ یہ فیصلہ پہلے دن سے ہو چکا ہے انھیں صرف زبان سے رسول اللہ ﷺ مان کر بات ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس ماننے کے ساتھ ان کی تعظیم بھی ضروری ہے۔ اور پھر جب ان کی تعظیم کی بات آتی ہے تو ہر چیز جو ان سے منسوب ہوتی ہے۔ اس کی تعظیم بھی فرض قرار پاتی ہے خواہ ان کا پہنا ہوا لباس ہو، یا استعمالی برتن، ان کا منبر ہو کہ چارپائی، خواہ کسی چیز کو ان کے دست مبارک نے لمس کا شرف بخشا ہو کہ کسی مٹی یا کسی پتھر نے ان کے پائے اقدس کے بوسے لئے ہوں، ہاں یہی اصول ہے کہ جس کو تقویت بخشتے ہوئے اللہ کریم نے خود قرآن کریم میں فرمایا۔

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝ (البلد:۱۔۲)

ترجمہ: مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

دیکھئے مکہ معظمہ کی قسم ذکر فرمائی جارہی ہے یعنی

آخر کیوں؟ اس لئے کہ حضور پر نور ﷺ جلوہ فرما ہیں اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ قسط نمبر ۳۹ میں دیکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پر نور ﷺ سے منسوب چیزوں کا ادب کس کس انداز سے اور کس کس حد تک کیا کرتے تھے، شاید کسی کو وہم ہو کہ ان تبرکات کی تعظیم اور برکت و شرف زیادہ سے زیادہ روایات صحابہ ہی سے ثابت ہے اس سے زیادہ نہیں اور ان روایات میں ظاہر ہے ضعیف بھی ہوں گی، حالانکہ بزرگوں کے مناقب اور معمولات کے فضائل میں ضعیف روایات بھی معتبر ہوتی ہیں (جیسا کہ علمائے حدیث سے یہ بات پوشیدہ نہیں) مگر سب روایات ضعیف بھی نہیں بعض صحیح اور مرفوع بھی تو ہیں۔ احادیث شریفہ سے بھی زیادہ عظمت آیات قرآنیہ کی ہے، آیئے اب اللہ کے کلام سے رہنمائی حاصل کریں،

ایک واقعہ: تاریخ بنی اسرائیل کا ایک واقعہ پیش خدمت کیا جاتا ہے۔ ہوا یہ کہ جب بنی اسرائیل اپنی مسلسل نافرمانیوں کی بنا پر غضب الٰہی کی سزاوار ٹھہری اور عمالقہ ان پر غالب آ گئے تو انھوں نے اپنے نبی حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جہاد کیلئے ایک بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ سو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ انھوں نے اپنی کج فطرتی کی بنا پر خواہ مخواہ بحث شروع کر دی تو حضرت ان کے شکوک و شبہات کا جواب دیتے ہوئے آخر میں فرمانے لگے، قرآن پاک کے الفاظ میں

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ

سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَ اٰلُ
هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِکَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (البقرۃ:۲۴۸)

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا، اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمھارے پاس تابوت (۳) جس میں تمھارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی یہی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے، بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمھارے لئے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اب اس ترجمے پر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ دیکھئے۔

(۳) یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک صندوق تھا، تین ہاتھ لمبا دو ہاتھ چوڑا، اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی قدرتی تصویریں تھیں اور تورات کی تختیاں اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا، آپ کے کپڑے اور نعلین شریف اور حضرت ہارون کا عمامہ شریف اور کچھ من کے ٹکڑے (۴) اس سے معلوم ہوا بزرگوں کے تبرکات مشکلکشا اور باذن خدا حاجت روا ہیں، اسی لئے میت کے ساتھ بزرگوں کے تبرکات رکھے جاتے ہیں۔ (۵) معلوم ہوا مومن وہ ہے جو مقبول بندوں کے تبرکات کی تاثیر کا قائل ہو، اس کا انکار رب کی قدرت کا انکار ہے، چنانچہ وہ صندوقِ سکینہ فرشتے لائے اور طالوت کے سامنے رکھ دیا، جنگ کی حالت میں یہ صندوق اسلامی فوج کے

آگے رہتا تھا اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مسلمانوں کو فتح بخشتا تھا۔ آپ کے بعد بنی اسرائیل میں یہ صندوق رہا، وہ لوگ ہر مشکل کے وقت اس صندوق کو آگے رکھ کر دعائیں کرتے تھے جو قبول ہوتی تھیں، جنگوں میں ساتھ لے جاتے تھے اور فتح پاتے تھے۔ پھر بعد میں بنی اسرائیل میں وہابی نجدی (قسم کے) خیالات پیدا ہو گئے جنھوں نے اس صندوق کی بے حرمتی کی اور مصیبتوں میں گرفتار ہوئے۔ جب یہ صندوق طالوت کے سامنے آیا تو وہ مطمئن ہو گئے اور طالوت نے ستر ہزار اسرائیلی جوان چھانٹے جنھیں جالوت کے مقابل جہاد میں لے گئے۔ (نورالعرفان حاشیہ کنزالعمال)

نوٹ: یہاں مسلمانوں سے مراد اس وقت کے بنی اسرائیل ہیں۔

جب اللہ نے اپنے محبوبوں کے تبرکات کو یہ برکت، مشکلکشائی اور یہ حاجت روائی عطا فرمائی ہے تو خود محبوبان کرام کے اپنے تصرفات و برکات، مشکلکشائی و حاجت روائی کی کیا کیفیت ہوگی اور اگر معاذ اللہ باغیان اولیاء کے وسوسوں کے مطابق یہ سب کچھ شرک ہوتا تو خدا اپنے محبوبوں کو اور پھر ان کے تبرکات کو کیوں ایسی برکات کا محور بناتا۔ اب یہ کہہ کر ان کا انکار کر دینا کہ ہماری عقل نہیں مانتی جو چیزیں خود اللہ یا اس کے حبیب پاک ﷺ نے بیان فرمائیں، اگر عقل کو ان سے بھی انکار ہے، تو خدارا اس سے پیچھا چھڑالیں، ایسی عقل نمرودی و فرعونی تو ہو سکتی ہے، صدیقی و فاروقی نہیں۔ بلکہ یہ عقل خودسر خود بہت بڑا عذاب ہے، اس سے آزاد ہو جایئے بلکہ مولائے روم رحمہ القیوم کے ارشاد کے مطابق اسے حضور پرنور ﷺ پر قربان کر دیجئے

عقل قربان کن بہ پیش مصطفےٰ

اس کے بجائے کہیں سے دل بیدار کے حصول کی کوشش کیجئے

دل بیدار فاروقی ، دل بیدار کراری رضی اللہ عنہما

مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

خود سوچئے رزق دینے والا اللہ جس طرح کسانوں، کھیتوں، بارشوں کو مخلوق کے ذریعۂ رزق بناتا ہے، علم دینے والا اللہ نصاب و کتاب اور معلم و مکتب کے ذریعے علم عطا فرماتا ہے، ایمان دینے والا اللہ اپنے نبیوں، ولیوں اور دوسرے ہادیوں کے ذریعے ایمان بخشتا ہے یونہی فتح دینے والا اللہ تیروں، تلواروں اور دوسرے اسلحۂ جنگ کی وجہ سے ہی فتح عطا نہیں فرماتا، کبھی اپنے محبوبوں کی موجودگی، ان کی دعا توجہ یا ان کے تبرکات کے صدقے میں بھی فتح عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے ذرائع اور وسائل و وسائط کو توحید کے خلاف سمجھنا، محض ناسمجھی کی دلیل ہے۔ اللہ ان وسائل و وسائط کا محتاج نہیں۔ وہ ان کے بغیر بھی جو چاہے، دے اور جو چاہے، کرے۔ مگر اہل ایمان کو مختلف اہم وسائل و ذرائع کا تقدس اور عظمت و اہمیت سمجھانے کے لئے اس نے بعض چیزوں کو بعض پر بہت حد تک موقوف کر دیا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر اور دوا کے بغیر وہ شفا دے سکتا ہے اور کبھی دیتا بھی ہے مگر پھر بھی عالم اسباب میں اس نے اپنی قدرت و حکمت سے انھیں صحت و شفا کا ذریعہ بنایا ہے، جس طرح ڈاکٹر کے پاس جانا اور دوا کا استعمال کرنا توحید کے منافی نہیں، اسی طرح بزرگوں کے پاس جانا، ان سے تبرکات لینا اور ان کے ذریعے مشکلات حل

کرانا بھی شرک نہیں۔ دیکھئے 'تابوت سکینہ' کا معاذ اللہ رب محتاج نہیں تھا مگر بنی اسرائیل جیسی سطحی عقل رکھنے والی قوم کو انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات کی عظمت ذہن نشین کرانے اور یوں اپنے محبوب بندوں کا ادب واحترام سکھانے کے لئے اس سے بہتر سکیم کونسی ہوسکتی تھی۔ جب کسی قوم کو بتا دیا جائے کہ اگر فتح، غلبہ اور عزت چاہتے ہوتو اللہ والوں کا ادب کروتو ظاہر ہے یہ ایک قسم کا اتمام حجت ہے، وہ اگر پھر بھی ادب سے محروم رہتی ہے تو کس کا قصور ہے۔

آپ نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے تو پھر حدیبیہ میں آنے والے سفیر قریش جناب عروہ بن مسعود ثقفی کا بیان آنکھوں کے سامنے لائیے، ان کی پوری رپورٹ کا خلاصہ یہی تھا کہ جو قوم اپنے رہبر و ہادی (ﷺ) کے عشق وادب میں اس حد تک ڈوبی ہوئی ہے۔ اسے دنیا کی کوئی قوم شکست نہیں دے سکتی۔

ہاں ہاں دور حاضر کی تاریخ اسلام کا نہایت ہی سیاہ باب یہ ہے کہ اسلام دشمنوں کو مسلمانوں کی عزت وعظمت کی خاص وجہ بھی یہی معلوم ہوئی کہ یہ لوگ اپنے آقا ومولا علیہ التحیۃ والثناء کے عشق وادب میں ڈوبے ہوئے ہیں، یہ سب کچھ برداشت کرسکتے ہیں مگر اپنے نبی کریم ﷺ کی توہین برداشت نہیں کرسکتے، شیطان کو بھی ہمیشہ یہی پریشانی رہی ہے کہ آخر مسلمانوں کے دل سے یہ جذبۂ عشق کس طرح نکالا جائے، بقول حضرت اقبال وہ اپنے شاگردوں کو یہی وصیت کرتا ہے،

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو!

چنانچہ شیطان اور شیطان کے غلاموں کی ساری توجہ اور تگ و دو اسی بات پر مرکوز ہے کہ ایمان والے عشقِ رسول ﷺ سے خالی ہوجائیں۔ کئی سال ہوئے فوجی جوانوں کے مجلہ ہلال کے اداریے میں یہ بات آئی تھی کہ بھارت کے بڑے بڑے رہنما معاذ اللہ پاکستان کو نیست و نابود کرنے کے لئے تین نقاط پر متفق ہوئے ہیں۔

۱۔ حب محمد (ﷺ) مسلمان کے جسم و جان سے نکال لی جائے۔ اس کیلئے پاکستان کی جہاد مخالف قوتوں کو آگے بڑھایا جائے، کام میں لایا جائے

۲۔ پاکستان کی فوجی قوت کو ایک حد سے آگے نہ جانے دیا جائے، اس کے لئے فوجی اقدام اور سفارتی مہم جوئی سے بھی دریغ نہ کیا جائے

۳۔ پاکستان کے اندر پاکستانیوں پر مشتمل افواج مخالف لابی قائم اور مستحکم کی جائے جو قومی وسائل کا بہت بڑا حصہ دفاعی ضروریات کے بجائے اشیائے ضروریہ، تعلیم اور صحت کی مد میں خرچ کرنے کی بات کرے۔ اپنی افواج کے خلاف نفرت پھیلا کر افواج کو شہریوں کے تعاون سے محروم کردے اور دفاعی بجٹ کم کرنے کو عوامی مطالبہ اور تحریک بنادے۔ (Inside story of Hinducracy.By Aject Sinngh Dhilon)

انگریزوں نے عرب علاقوں میں اپنے جاسوس بھیجے جن کا مقصد یہی تھا خود کو مسلمان ظاہر کرکے ان کے سینوں سے گرمیٔ عشقِ رسول ﷺ نکال دی جائے چنانچہ ان کے شیطانی اثرات سے اس قسم کے خیالات پھیل گئے کہ نبی عام انسان کی طرح ہوتے ہیں اور قرآن عام کتابوں کی طرح۔ لہٰذا ان کے مخصوص ادب کی چنداں ضرورت نہیں۔ چنانچہ عربوں عموماً اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب بھی بھول گیا اور قرآن پاک کا بھی، آج حرمین شریفین میں جا کر دیکھئے جس ہاتھ جوتا

پکڑا ہوا اسی ہاتھ میں معاذ اللہ قرآن پاک ہوتا ہے۔ وہاں یہ عام مناظر ہیں، قرآن پاک ننگی زمین پر رکھا ہوا ہے اور اس کے اوپر سے عیسائی یہودی ہندو اور دہریے ہی نہیں، خود مسلمان گزر رہے ہیں۔ گویا دشمنوں کی سازشیں رنگ لائیں قرآن پاک کا ادب رہا نہ صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔ جب اللہ کے نبی اعظم رسول مکرم ﷺ کے ادب واحترام کا درجہ اتنا پست ہو گیا تو کون قابل احترام رہتا۔

پھر آپ نے دیکھا، جن عربوں نے چند سال میں دنیا کا نقشہ بدل کے رکھ دیا تھا، جنھوں نے قیصر و کسریٰ کی سپر طاقتوں کا غرور خاک میں ملا دیا تھا، جن کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ بقول اقبال

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

اور پھر......

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

آج وہ عرب کتنے ذلیل ہو رہے ہیں۔ کروڑوں عربوں سے چند لاکھ یہودی زیر نہیں ہو سکتے بلکہ توحید کی یہ رٹ لگانے والے کفر کے فرزندوں کے سامنے بے بس ہیں، واللہ یہ توحید کا قصور نہیں بلکہ ان کی وہ بے ادبی ہے جس نے انھیں سرورِ کون و مکاں ﷺ کی نسبت سے جذبہ حاصل کرنے کی بجائے عرب نیشنلزم کے چکر میں پھنسا دیا ہے۔ واللہ توحید سے انسان کو عزت و غلبہ ملتا ہے، توحید کسی کو ذلیل نہیں ہونے دیتی، یہ تو بہت بڑی قوت ہے مگر یاد رہے اگر یہ عشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر ہو، تو توحید منافقت بن جاتی ہے اور اپنی ساری آب و تاب کھو دیتی ہے، سچ فرمایا حافظ مظہر الدین علیہ الرحمہ نے

ایسی توحید تو شیطان بنا دیتی ہے
دیکھ سرکار کا انکار نہ ہونے پائے (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

اور حق فرمایا تھا حکیم الامت اقبال علیہ الرحمہ نے

زندہ قوت یہی توحید تھی دنیا میں کبھی
اب کیا ہے، فقط اک مسئلہ علم کلام

عشقِ رسول ﷺ کے بارے میں آپ کا فتویٰ سن لیجئے

ہست معشوقے نہاں اندر دلت   چشم اگر داری بیا بنما ئمت
عاشقانِ او ز خوباں خوب تر   خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

دل ز عشقِ او توانا می شود
خاک ہمدوش ثریا می شود

ترجمہ: اے مسلمان ترے دل میں بھی ایک معشوق چھپا ہوا ہے، اگر ترے پاس آنکھ ہے تو آ تجھے دکھاؤں۔ وہ ایسا معشوق ہے کہ اس کے عاشق بھی دوسرے معشوقوں سے خوبتر، بہتر، زیبا تر اور محبوب تر ہوتے ہیں۔ یہ وہ معشوق و محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جس کے عشق سے دل طاقتور ہو جاتا ہے اور مٹی ثریا تک پہنچ جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ دور حاضر میں یہ بہت بڑی سازش سے توحید کو عشق رسول سے جدا کر دیا گیا بلکہ اس کے منافی سمجھا گیا، نتیجہ یہ نکلا گھر کے رہے نہ گھاٹ کے، کتنا عبرتناک منظر ہے آج سعودی عرب کا، مگر دیکھ لیجئے وہاں کے حکمرانوں کو اپنی کمزوری کا احساس ہے، نہ ذلت کا۔ امریکہ وہاں دندناتا پھرتا ہے اور اہل عشق پر پابندی ہے۔ پھر ایک مدت سے یہ صورت حال روز بروز خراب ہو رہی ہے اسلامی تہذیب وتمدن خطرے میں ہے، کسی بیرونی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج تک نہیں مگر اہل محبت پر ان کے ظلم وستم میں کوئی کمی نہیں آئی۔

اگر آپ اسلام کے تابناک ماضی کو واپس لانا چاہتے ہیں تو اپنے رسول ﷺ سے وہی والہانہ تعلق پیدا کرو، جو اولین مسلمانوں کو تھا، جو صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کو تھا، محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہ میں اسی طرح مودب ہو جاؤ جیسے ہمارے آباو اجداد تھے، اللہ نے ساری دنیا اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والصلوٰۃ والتسلیم کی کرامت و منزلت کی پہچان کرانے اور منوانے کے لئے بنائی ہے، سو جو اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باغی ہے، وہ اللہ کا باغی ہے، لہذا بغاوت چھوڑو، اطاعت اختیار کرو، بے ادبی سے توبہ کرو، ادب اپناؤ۔ بغض سے باز آؤ اور عشق سے ناتا جوڑو۔

ہاں ہاں جو لوگ کسی بھی بہانے حریم دل سے عشق کا چراغ گل کرنا چاہتے ہیں، وہ قوم کے خیر خواہ نہیں بدخواہ ہیں۔ یہ ہرگز اپنے نہیں بلکہ اپنوں کے لباس میں بیگانے ہیں۔ جو شخص امت کا رابطہ وعشق امت کے والی ﷺ سے کاٹنا چاہتا ہے، وہ اس کا سب سے بڑا دشمن ہے، امت اسی بات کو پلے باندھ لے اور پھر ولولۂ توحید اور جذبۂ عشق رسول ﷺ سے سرشار ہو کر میدان میں نکلے تو اللہ بھی مدد فرمائے گا، اس کا رسول ﷺ بھی اور یاد رہے جب تک حضور پرنور ﷺ راضی نہ ہوئے اللہ بھی راضی نہ ہوگا اور ذلت وپستی ہم کو جکڑ رکھے گی۔ اللہ کی مدد اور اس کے رسول ﷺ کی مدد الگ الگ نہیں بالکل ایسے ہی جیسے اللہ کی رضا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جدا جدا نہیں۔

عرب علاقوں میں نجدی ذہنیت نے نجدی توحید کا شور مچا کر ان مزارات کو شہید کیا جو ہمارا عظیم قومی ورثہ تھے اور جن سے قوم کو اک ولولۂ تازہ ملتا تھا۔ اور آج پاکستان کو توحید اور جہاد کے نعرے سے دھوکا دیا جا رہا ہے، یہ نجدیوں کا کام ہے، جنھیں حرم کو امریکیوں سے چھڑانے کا خیال تو نہیں آتا البتہ کشمیر کو اس انڈیا سے چھڑانے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ کل تک جس کے جاں نثار تھے اور اسے اکھنڈ دیکھنے کے لئے پاکستان کے قیام میں روڑے اٹکاتے رہے۔ مگر ان کے ساتھ یہاں حکومت کے گماشتے جو فحاشی وعریانی پھیلا رہے ہیں، اس کا بھی اصل مقصود غیرت مذہب اور جذبۂ عشق رسول اللہ ﷺ سے اہل پاکستان کے سینے خالی کرانا ہے۔ اللہ ہدایت عطا فرمائے۔ بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

41

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی محبت اور تعظیم کی اہمیت بیان کی جارہی تھی، حقیقت یہ ہے کہ محبت جانِ ایمان ہے اور تعظیم جانِ اسلام۔ محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ منافقت ہے اور تعظیم اسی ایمان کی دلیل ظاہر ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی تعظیم ہی سے خالی ہے یا منکر، یہ اس کے باغی و مرتد ہونے کی علامت ہے۔ گویا ایمان کے پردے میں جس 'کفر' کو اندر ہی اندر چھپا کر منافق بنا ہوا تھا، محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی شانِ اقدس میں گستاخی کر کے اب وہ ننگا ہوگیا۔ اب اس کی دنیوی سزا یہی ہے کہ اُسے موت کے گھاٹ اتار کر کیفر کردار تک پہنچایا جائے یعنی اُسے مرتد کی طرح جانا جائے۔

ہم نے بار بار یہی عرض کیا ہے جو شخص بھی اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہے، وہ جذبۂ عشق رسول ﷺ کی ہی تلقین کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک قوم کی تربیت کا عنوانِ اول یہی جذبہ ہے۔ اسی سے ایمان کا آغاز ہوتا ہے اور اسی سے اس کا استحکام۔ ملتِ اسلامیہ کی اصل قوت ایمان ہے یعنی عشق رسول ﷺ کا

جذبہ۔اسی عشق سے بندہ خدا کی محبت سے سرشار ہوتا ہے،اسی سے جذبہ جہادو شوق شہادت پیدا ہوتا ہے،اسی سے شرح صدر کی دولت لازوال ملتی ہے،اسی سے حرص وہوس کے بت پاش پاش ہوتے ہیں،اسی سے ظلم وستم کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے، یہی جذبہ ہے جو اسے طائر لاہوتی بناتا ہے،اسی عشق سے پیکر خاکی،نوری نہاد ہوکر بندۂ مولا صفات بن جاتا ہے۔تاریخ اسلام کی ساری چمک دمک اسی نور عشق کی مرہون منت ہے اور ملت اسلام کا تابناک ماضی ایسی ہی تجلیات عشق کی داستان ہے۔

ملت اسلامیہ زوال وانحطاط کی شکار ہوئی۔مہ وپروین پر حکمرانی تو ایک طرف،فرش زمین بھی اس کی حکومت سے نکلنے لگا۔دوسری اقوام کو غلامی سے نجات دلانے کے برعکس خود مرد مومن غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔جسے دنیا بھر کی انسانیت کی امامت کا منصب بخشا گیا،دوسروں بلکہ دشمنوں اور بدخواہوں کی اندھی پیروی پر قناعت کرنے لگا۔جسے امن عالم کا نقیب بنایا گیا تھا۔اسے دہشت گردی کا ملزم ٹھہرایا گیا۔جو ملت اسلامیہ نوع بشر کے لئے عزت وآبرو کا سامان بنائی گئی تھی؟اب نوع بشر اُسی کو ذلت ورسوائی سے دوچار کرنے پر تلی ہوئی ہے۔مگر یہ سب کچھ کیوں؟اس لئے کہ ملت کے خلاف وسیع پیمانے پر سازشیں ہوئیں اور سب سازشوں کا مرکزی نقطہ یہی کہ اسے عشق رسول ﷺ سے خالی کردیا جائے' نئے ایمان کش نصاب تعلیم نافذ کرکے،نوجوانوں کو کھیل کود کا رسیا بنا کر،عیاشی وفحاشی کی بھر مار کرکے،دنیا کی رنگینیوں میں غرق کرکے،اخلاق عالیہ سے بے بہرہ اور اخلاق رذیلہ سے آراستہ کرکے،معاشی مسائل میں الجھا کر۔۔۔مگر یہ سب کچھ

کیوں؟ صرف اس لئے کہ مسلمان اپنے مرکز یعنی حضور پرنور ﷺ سے دور ہو جائیں اور بھولے سے بھی اپنے نبی کو یاد نہ کریں (علیہ الصلوۃ والسلام) اور کسی طور پر بھی عشق وغیرت کا بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد نہ کرلیں۔

یہ کام یعنی ملت کو اپنے نبی اکرم نورمجسم ﷺ کی محبت سے خالی کرنے کا کام بہت دشوار تھا، اس کے لئے 'ملاؤں' کو بھرتی کیا گیا۔ جنہوں نے اسی جذبے کو جس سے قوت توحید پروان چڑھتی تھی، توحید ہی کے منافی قرار دے دیا۔ اس نے آیات وروایات سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ معاذ اللہ نبی کو پکاریں تو شرک، نبی سے مانگیں تو مشرک، نبی کو قریب جانیں تو شرک، نبی کو سمیع وبصیر مانیں تو شرک۔ نبی کے لئے دیوار سے پیچھے کا علم ثابت کریں تو شرک، نبی کو مختار مانیں تو شرک، نبی کو غمخوار مانیں تو شرک، نبی کو ناصر ومددگار مانیں تو شرک، اگر یہ کہیں کہ اللہ نے یہ شانیں خود عطا فرمائی ہیں تو بھی شرک، بلکہ توحید میں اور جوش آیا تو غلام رسول اور عبد الرسول نام رکھنا بھی شرک (جیسا کہ ہمارے ایک پروفیسر نے اسلامیات کے پیریڈ میں صاف کہہ دیا تھا 'اہل تقویٰ کے نزدیک غلام رسول نام رکھنا بھی شرک ہے) اور جب یہ توحید پورے جوبن پر آئی تو یہاں تک کہہ دیا

''ایک اللہ کو مان اور کسی کو نہ مان'' (تقویت الایمان)

کتنے غضب کی بات ہے جس نبی رؤف رحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے توحید سکھائی، ایمان بخشا، قرآن لا کر دیا، بتوں کی بندگی سے نجات عطا فرمائی، اُسی کے بے مثال

احسانات کا شکریہ تو ایک طرف ،قدر و احساس تو ایک طرف،خاموشی تو ایک طرف انسانیت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کرناشکری کے پست ترین غار میں کود کراس محسن اعظم ﷺ کے شکرکو،نہیں صرف ذکرکومحض ادب واحترام کو،توحید کے منافی قرار دینا بدترین ظلم ہے یانہیں۔مگر یہ کام کس کے سپرد کیا گیا،وہی جس کے بارے میں آپ یہ ارشاد نبوی سن چکے ہیں

اِنَّ اَخْوَفَ مَااَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کل منافق علیم اللسان (طبرانی کبیر،مسنداحمد)

ترجمہ: مجھے اپنی امت پرسب سے زیادہ اندیشہ ہراس شخص کا ہے جودل کا منافق اورزبان کا مولوی ہو۔

جس امت کی تربیت ہی اس طرح کی گئی تھی کہ ہرخوشی کے موقع پراپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے نام پاک کےنعرےلگائے،ہرمصیبت کے وقت اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے نام کی دہائی دے،ہرمشکل میں اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے فریاد کرے،عبادت کرے تو نماز کے دوران اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں سلام عرض کرےاوردعا مانگے تو اول وآخراس جان کرم نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر درود بھیجے،اُسی کواب غیروں کے اشاروں پر یوں سمجھایا گیا نبی کسی کی فریادنہیں سنتے۔وہ مددنہیں کرسکتے،اپنے جسم سے مکھی نہیں ہٹاسکتے وغیرہ

وغیرہ۔ جو آیات بتوں کی بے کسی اور بے چارگی کے مضمون میں تھیں کہ لوگ ان بے جان پتھروں سے الگ تھلگ ہو جائیں، وہی اب اللہ کے تمام محبوبوں بلکہ محبوب اعظم واکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں پیش کی جانے لگیں۔ تاکہ مسلمان اپنے نبی سے فریاد کرنا چھوڑ دیں، دکھ درد میں انہیں غمخوار و غمگسار نہ سمجھیں، اُن کو معاذ اللہ امت کے بارے میں بے خبر مانیں، ان کے نام کے نعرے نہ لگائیں اور رنج و راحت میں اُن سے بائیکاٹ رکھیں۔ یہ اس لئے کہ خدا ناراض نہ ہو جائے۔ کتنا بڑا دھوکا ہے؟ کیسی فکری دہشت گردی ہے؟ اللہ کی دی ہوئی شان کو تسلیم کریں تو وہ خوش ہوگا یا انکار کریں تو پھر راضی ہوگا۔ ہاں کتنے ستم کی بات ہے، اللہ عطا فرما رہا ہے، اور ساتھ ہی عطا فرمانے کا اعلان کر رہا ہے؟ اسی لئے تاکہ لوگوں کو اس کے حبیب اکبر ﷺ کی شان و عظمت معلوم ہو اور وہ اسے تسلیم کر کے محبوب کریم واکرم ﷺ کی تعظیم بجالائیں اور تعظیم کر کے دو جہان کی کامیابی سے سرفراز ہوں۔ اگر آپ بھول گئے ہیں تو پھر عرض کرتا ہوں۔ سنو صرف چند واقعات

ا......ہجرت کر کے جب ساری کائنات کا دولہا، حضور خواجہ لولاک لما علیہ التحیۃ والثناء مدینہ کی سرزمین کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نواز رہا تھا تو یہ مسرت انگیز سماں اہل مدینہ نے کب دیکھا تھا۔ دار الہجرت کے باسی پھولے نہیں سما رہے تھے۔ کہیں نجار کی ننھی منی بچیاں یہ راگ الاپ رہی تھیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

اَیُّھَا الْمَبْعُوثُ فِیْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِیْنَه مَرْحَبًا یَا خَیْرَ دَاعِ

ترجمہ: وہ دیکھو ثنیات الوداع کی پہاڑیوں سے چودھویں کا چاند نظر آ گیا۔ اب ہم پر اس عظیم احسان کا شکر کرنا واجب ہے۔ جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے۔ اے وہ مقدس ذات جو ہم میں رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ایسے احکام لے کر آئے ہیں جن کی اطاعت لازم ہے۔ آپ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدینہ کو شرف بخشا۔ حق کی طرف بہتر انداز میں بلانے والے آپ کا آنا مبارک۔

مگر یہ تو خوشی اور سرور کا خصوصی مظاہرہ تھا جو بنی نجار کی ننھی منی بچیوں کے ایمان وعقیدت کے اظہار سے مختص تھا۔ عام اہل مدینہ اپنے سرور بھرے جذبات کا اظہار کیونکر کرتے تھے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق منظر یوں تھا۔

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُیُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِی الطُّرُقِ یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (مسلم شریف۔ج۲)

ترجمہ: سو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم گلیوں میں پھیل گئے۔ اور سب کے سب یہی نعرہ لگاتے تھے یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ

یہ روایت بھی تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ طے پایا تھا کہ جو قبیلہ چاہے قریش کا حلیف بن جائے اور جو چاہے مسلمانوں کا۔ چنانچہ بنوخزاعہ نے اسی موقعے پہ مسلمانوں سے دوستی کا اعلان کر دیا۔ یونہی بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔ اس کے بعد کا واقعہ ہے جسے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے روایت فرمایا ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضوخانہ میں فرماتے ہوئے سنا۔ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیری مدد کی گئی، تیری مدد کی گئی، تیری مدد کی گئی) سرکار فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا حضور! کیا واقعہ پیش آیا؟ فرمایا یہ تھا بنوکعب کا رجز خواں جو چیخ چیخ کر مجھ سے فریاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف بنوبکر کی مدد کی ہے پوچھئے ان آوارگانِ نجد سے! کیا اب بھی آپ کے جنوں میں کچھ افاقہ ہوا۔

مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دن تھے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ ہو گئی۔ مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل دور مسیلمہ کے اپنے علاقے میں گھمسان کا رن پڑا مسلمانوں کا شعار اس روز یہی نام پاک لیتے تھے۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ وغیرہ کے الفاظ میں ثُمَّ نَادٰی بِشِعَارِ الْمُسْلِمِیْنَ وَکَانَ شِعَارُھُمْ یَوْمَئِذٍ یامحمداہ یعنی امیر لشکر نے مسلمانوں کے شعار سے پکارا اور اس روز مسلمانوں کا شعار تھا یَا مُحَمَّدَاہُ اور گویا کافروں اور مسلمانوں کی جنگ کے موقع پر یہ دیکھنا ہو

کہ مسلمان کون ہے؟ تو جو 'یا محمداہ' کہتا تھا اُسی کو مسلمان سمجھا جاتا تھا۔۔۔ سچ پوچھئے تو آج بھی مسلمانوں کا وہی شعار ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔

حلب کیسے فتح ہوا اور یوقنا کیسے مسلمان ہوا: فاضل اجل حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ حلب، ایک مستقل سلطنت تھی، اس میں دو بھائی تھے۔ ایک کا نام یوحنا اور دوسرے کا نام یوقنا تھا، یوحنا عابد وزاہد، اور یوقنا بہادر سپاہی تھا۔ جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، امیر لشکر اسلام نے حلب کی طرف رخ کیا تو یوقنا پانچ ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار ہوا۔ یوحنا نے اس کو روکا اور صلح کی رائے دی، یوقنا نہ مانا اور اپنی بہادری و کثرت پر ناز کرنے لگا، کیونکہ مسلمان کل ایک ہزار تھے یوحنا نے کہا بھائی شاید تمہاری موت قریب آپہنچی ہے جو مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہو، بہر حال یوقنا پانچ ہزار فوج کے ساتھ شہر سے باہر نکلا اور مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا، باوجود اس کے کہ مسلمان ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے اور تعداد میں قلیل بھی تھے، مگر پھر بھی نہایت ہی استقلال و جواں مردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ مقابلہ جاری تھا کہ اچانک دشمن کی مدد کے لئے اور بہت زیادہ فوج آ گئی اور آتے ہی حملہ کر دیا۔ جب مسلمانوں نے اس فوج کثیر کو دیکھا تو یقین کر لیا کہ اب بچنے کی امید نہیں۔ چنانچہ حضرت کعب بن صمرہ رضی اللہ عنہ سالار لشکر نہایت اضطرار کی حالت میں یَا مُحَمَّدُ یَا مُحَمَّدُ یَا نَصْرَ اللّٰہِ اَنْزِلْ پکارتے اور مسلمانوں کو تسلی دیتے کہ گھبراؤ نہیں، ابھی نصرت آتی ہے ایک رات اسی حالت میں میدان کارزار گرم رہا، اسی اثنا میں اہل حلب نے حضرت ابوعبیدہ

رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر صلح کر لی جب وہ شہر کو واپس ہوئے تو یوقنا کو خبر ہوئی کہ اہل حلب مسلمانوں سے صلح کر کے ان کے طرف دار ہو گئے ہیں۔ یوقنا نے فوج کثیر کے ساتھ اس صلح کے الزام میں اہل شہر پر ہلہ بول دیا اور قتل عام شروع کر دیا۔ جس سے شہر میں کہرام مچ گیا۔ یوحنا نے آ کر بھائی کو سمجھایا اور صلح کی رائے دی اور اس قسم کی باتیں کیں جن سے مسلمانوں کی طرف داری معلوم ہوتی تھی۔ یوقنا پہلے ہی بہت غصے میں تھا کہ اہل شہر نے دشمن کے ساتھ صلح کیوں کی ہے۔ ایسے میں اپنے بھائی کی طرف داری دیکھ کر اور غضب ناک ہو گیا۔ اور بھائی سے کہا تو بھی واجب القتل ہے۔ یوحنا نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا یا اللہ تو گواہ رہ کہ میں اپنی قوم کے دین کا مخالف ہوں اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر اپنے بھائی یوقنا سے کہا اب جو تمہاری مرضی ہو کرو! یوقنا نے اپنی تلوار سے بھائی کا سر جسم سے جدا کر دیا، اور پھر اہل شہر کے قتل عام میں مشغول ہو گیا۔ ابھی تین سو آدمی قتل ہوئے تھے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں آ پہنچے اور یوقنا سے سخت لڑائی کی۔ یہاں تک کہ یوقنا تاب نہ لا سکا اور فوج کے ساتھ بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ پانچ ماہ تک مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور بہت سی تکلیفیں اٹھائیں اور یوقنا نے بھی مسلمانوں کو بہت مصیبتیں پہنچائیں اچانک ایک روز یوقنا نے حضرت ابو عبیدہ کو اطلاع دی کہ میں نے دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب میں تمہارا بھائی ہوں اور اس نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور کلمہ توحید پڑھتا ہوا آیا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے ملا۔ وہ بہت حیران ہوئے

کہ یہی یوقنا کل تک ہمارا دشمن تھا اور ہمارے لشکر کو تباہ کرنے کی فکر میں تھا اور آج کلمہ توحید پڑھ رہا ہے۔ آپ نے اس سے مسلمان ہونے کی وجہ پوچھی، اس نے کہا اے ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) واقعہ یہ ہے کہ میں کل اس امر میں متفکر تھا کہ آپ لوگ ہمارے قلعہ تک کیسے پہنچ گئے؟ کیونکہ ہمارے نزدیک کوئی قوم عرب سے زیادہ ضعیف نہیں سمجھی جاتی۔ اسی فکر میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص تشریف فرما ہیں کہ ان کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن اور ان کی خوشبو مشک سے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں نے ان سے عرض کی کہ اگر آپ نبی ہیں تو دعا کیجئے کہ مجھ کو عربی آجائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اے یوقنا میں محمد اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے میری ہی بشارت دی ہے، میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ پڑھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یہ سنتے ہی میں کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگیا اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ جب بیدار ہوا تو میرے منہ سے کستوری سے بہتر خوشبو آرہی تھی۔ اور مجھے عربی بھی آگئی تھی۔ اے ابوعبیدہ! جس طرح میں اب تک اطاعت شیطان میں جنگ کرتا تھا، اب اللہ تعالیٰ کی راہ میں کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے بھائی یوحنا سے جاملوں۔ اب میرے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کی محبت باقی نہیں ہے۔ (فتوح الشام، ناسخ التواریخ)

جنگِ یرموک: کفار کی فوج پانچ لاکھ کے قریب تھی اور مسلمان صرف ستائیس

ہزار جن میں ایک سو بدری صحابہ تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) ابتدا میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا تو وہ نئے جوش و جذبے سے

یَا مُحَمَّدُ یَا مَنْصُوْرُ اُمَّتَکَ اُمَّتَکَ

(اے محمد مصطفیٰ، اے فتح دیئے گئے آقا، اپنی امت کی خبر لیجئے، اپنی امت کی مدد کیجئے۔)

کہتے ہوئے پھر ڈٹ گئے اور اس نعرہ رسالت کی برکت سے پھر کامیاب ہو گئے۔ (فتوح الشام)

بھینہا کا محاصرہ جاری تھا کہ ایک رات وہاں کے بادشاہ نے شب خون مارا۔ مسلمان غافل تھے اور کفار نے خون ریزی شروع کر دی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا بیان ہے کہ ایسی پرآشوب رات ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس حالت اضطرار میں سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا

یَا مُحَمَّدُ ، یَا مُحَمَّدُ یَا نَصْرَ اللّٰہِ اَنْزِلْ (فتوح الشام)

ترجمہ: یا محمد، یا محمد، (صلی اللہ علیک وسلم) اے اللہ کی مدد نازل ہو جا۔

ایک رات بطلیموس نے بھی دس ہزار سواروں کے ساتھ نہایت سرعت کے ساتھ شبخون مارا تو اہل اسلام سخت پریشان ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پکار اٹھے

وَاغَوْثَاہُ وَامُحَمَّدَاہُ وَاسْلَامَاہُ کِیْدَ قَوْمِیْ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ

ترجمہ: اے محمد ﷺ رب کعبہ کی قسم، میری قوم کے ساتھ مکر

کیا گیا ہے فریادرسی کیجئے تا کہ سلامت رہیں۔ (فتوح الشام)

اسی طرح دردب کی طرف جو چار ہزار کا لشکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا، اس کے ساتھ ایک ہزار سپاہی تھے۔ اس کے سپہ سالار حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے مقابلے میں ہرقل نے تیس ہزار کا لشکر بھیجا تھا۔ مسلمانوں میں ابو الہول وامس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہزار سپاہی تھے۔ سب کا ایک ہی نعرہ تھا

یَا مُحَمَّدَاہُ ، یَامُحَمَّدَاہُ

تاریخ بلکہ تواریخ میں دیکھیں تو ایسے کئی واقعات مل جائیں گے جن میں اہلِ اسلام میدانِ جنگ میں حضور پرنور ﷺ کے نام پاک کا نعرہ لگاتے تھے اور اس کی برکت سے فتح یاب ہو جاتے تھے۔ حضرت علامہ سیوطی قدس سرہ کی شرح الصدور میں بھی ایسے کئی واقعات مل جاتے ہیں کہ پریشانی کے وقت بھی مسلمان ہمیشہ حضور پرنور ﷺ کو یاد کرتے رہے ہیں۔ یہاں ایک ایمان افروز واقعہ درج کیا جاتا ہے، اگرچہ ہمارا استدلال صرف اس کے جملے 'یا محمداہ' سے ہے تاہم باقی واقعے سے مزید تصدیق ہو جاتی ہے۔ جو عاشقان صدق شعار 'یا محمد' کہتے ہوئے دنیا سے جاتے تھے۔ انہیں کس اعزاز و کرام سے نوازا جاتا تھا۔ (راہ حق صفحہ ۱۶۱)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شرح الصدور میں فرماتے ہیں کہ ملک شام میں تین بھائی مجاہد تھے جو کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ ایک دفعہ رومیوں نے انہیں گرفتار کر لیا بادشاہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں ملک دوں گا، اپنی

بیٹیوں سے تمہاری شادی کردوں گا تم لوگ نصرانی ہو جاؤ، انہوں نے انکار کیا اور پکارا یَـامُـحَـمَّدَاهُ بادشاہ کے حکم سے تین دیگیں آگ پر رکھ دی گئیں اور ان میں روغن زیتون ڈالا گیا، جو تین دن تک کھولتا رہا، وہ روزانہ انہیں دکھایا جاتا اور نصرانیت کی دعوت دی جاتی مگر وہ انکار کرتے رہے اس پر پہلے بڑا بھائی اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈالا گیا پھر دوسرا بھی ڈال دیا گیا، تیسرا جو چھوٹا تھا وہ بھی قریب لایا گیا تو اس کو بادشاہ نے دین سے منحرف کرنے کی ہر طرح کوشش کی، اس پر ایک درباری نے عرض کی اے بادشاہ اس کو میں اپنی تدبیر کے ساتھ دین سے منحرف کرلوں گا۔ بادشاہ نے پوچھا کس طرح؟ کہا میں جانتا ہوں کہ عرب عورتوں کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں اور روم میں میری بیٹی سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں ہے اس کو میرے حوالے کر دیجئے کہ میں اس کو اس کے ساتھ چھوڑ دوں وہ اس کو بہکالے گی، چالیس ۴۰ دنوں کی میعاد مقرر کر کے بادشاہ نے اس کو درباری کے سپرد کر دیا، وہ اس کو اپنے مکان پر لایا اور اپنی بیٹی کے ساتھ رکھا اور اس واقعے کی اطلاع دی، لڑکی نے کہا تم بے فکر رہو، یہ میرا کام ہے، اب وہ شامی مجاہد دن بھر روزہ رکھتے اور تمام شب عبادت کرتے (اور اس لڑکی کی طرف) نظر نہ کرتے یہاں تک کہ میعاد ختم ہوگئی۔ اب اس درباری نے اپنی بیٹی سے دریافت کیا کہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا کچھ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اس کے دو بھائی اس شہر میں مارے گئے ہیں، میرا گمان ہے کہ یہ ان کے صدمے کی وجہ سے باز رہے، اس لئے مناسب ہے کہ بادشاہ سے اس میعاد میں توسیع کرائی جائے اور مجھے اور

اس کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن اس شامی مجاہد کی حالت وہاں بھی وہی رہی، دن بھر کا روزہ اور ساری رات کی عبادت، یہاں تک کہ یہ دوسری میعاد بھی ختم ہونے کے قریب پہنچی، تو ایک شب اس لڑکی نے کہا اے شخص! میں تجھے رب عظیم کی تقدیس واطاعت میں مشغول دیکھتی ہوں، اس سے میرے دل پر یہ اثر ہوا ہے کہ میں نے اپنا آبائی دین ترک کر کے تیرا دین اختیار کر لیا ہے۔ اس کے بعد اب دونوں مشورہ کر کے، وہاں سے ایک سواری پر بھاگ نکلے۔ دن کو چھپے رہتے، رات کو سفر کرتے، ایک شب یہ دونوں جا رہے تھے کہ گھوڑوں کے آنے کی آواز آئی' دیکھا تو وہ گھڑ سوار، شامی کے وہی دونوں بھائی تھے جن کو تیل میں ڈال دیا گیا تھا اور ان کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی، شامی نے ان دونوں کو سلام کیا اور ان کا حال دریافت کیا تو کہنے لگے کہ وہ ایک غوطہ ہی تھا جو تم نے دیکھا کہ ہم نے کھولتے تیل میں مارا، اس کے بعد ہم جنت الفردوس میں جا نکلے، اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ اس صالحہ لڑکی سے تمہاری شادی کر دیں، چنانچہ دونوں کی شادی کر کے وہ واپس ہو گئے۔

اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل: واقعہ کربلا جیسا دردناک واقعہ تاریخ عالم میں کوئی نہیں اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے، شدت وسنگینی میں اُن کی مثال نہیں۔ مخدرات اہل بیت اپنے شہدا کی لاشوں کا منظر دیکھ رہی تھیں تو خاتون جنت حضرت سیدۃ النساء کی لخت جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہم نے روتے ہوئے جسے پکارا تھا، وہ اُن کے جدامجد سارے

جہانوں کے آقا حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی ذات پاک تھی۔آپ کے الفاظ پر ذرا غور کیجئے۔

یَا مُحَمَّدَاہُ، یَا مُحَمَّدَاہُ صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ وَمَلَکُ السَّمَآءِ
ھٰذَا حُسَیْنٌ مُزَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ
یَامُحَمَّدَاہُ وَبَنَاتُکَ سَبَایَاوَ ذُرِّیَّتُکَ مُقَتَّلَۃٌ تَسْفِیْ عَلَیْھَا الصَّبَا

(البدایہ والنھایہ)

ترجمہ:یا محمداہ،یا محمداہ ،آپ پر اللہ کا اور آسمان کے فرشتوں کا درود ہو،یہ تیرا حسین بے گور وکفن پڑا ہے،خون میں لت پت ہے، اعضا کٹے ہوئے ہیں۔یا محمداہ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ کی اولاد کو قتل کر دیا گیا ہے،ان پر ہوا خاک ڈال رہی ہے۔

اسی طرح شہنشاہ کربلا لخت دلِ مصطفےٰ ومرتضےٰ علی نبینا وآلہ الصلوۃ والسلام کے سجادہ نشین حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی شدید مصیبتوں اور دکھوں کا رونا اپنے جد امجد حضور رحمۃ للعلمین ﷺ سے رویا ہے۔

یَا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ اَدْرِکْ لِزَیْنِ الْعَابِدِیْنَ
مَحْبُوْسٌ اَیْدِ الظَّالِمِیْنَ فِیْ مَوْکَبٍ وَّالْمُزْدِھِمٖ

ترجمہ:اے رحمت للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو اس اژدہام میں وہ ظالموں کے ہاتھ میں قید ہے۔

ماں سے اولاد کو فطری وابستگی ہوتی ہے،اور اُس کے خلوص پر بھی اولاد کو کوئی شبہ

نہیں ہوتا لہذا بچہ ہو یا جوان، کسی مصیبت سے دوچار ہو جائے تو بعض دفعہ بے اختیاری سے اُس کی زبان پر آجاتا ہے 'ہائے ماں'۔ یہ ہے کسی حد تک فطرت انسان، یونہی ایک ہے فطرت ایمان، اگر ایمان راسخ ہو تو اس کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے بلکہ سوتے جاگتے اپنے اس محبوب و مطلوب ﷺ کی یادوں میں گم رہے جو ایک دو نہیں، ہزار دو ہزار نہیں لاکھوں کروڑوں ماؤں سے بھی زیادہ رحیم و شفیق اور زیادہ طاقتور ہے۔ چنانچہ دیکھا آپ نے جان ہتھیلی پر ہے، شوق شہادت سے سرشار ہیں، اپنے اللہ کو راضی کرنے کا سب سے زیادہ یقینی ذریعہ زیر عمل ہے۔ یعنی سچے دل سے اُس کے حبیب ﷺ کو پکارا جا رہا ہے۔ ہاں ہاں اس وقت تو خاتمہ ایمان پر ہونے کی فکر ہونی چاہیے۔ جی ہاں، اس سے بڑھ کر حسن خاتمہ کی کیا دلیل ہے کہ جان ایمان سے لو لگی ہے

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

یہ نعرہ رسالت لگا کر ہی تو جا رہا ہے، جو عمر بھر ملت اسلامیہ کا شعار رہا ہے، اس شعار پہ جان دے گا تو حوریں اس پر جان دیں گی، سرکار کو پکارتا پکارتا قبر میں پہنچے گا تو جنت اپنی تمام آرائشوں کے ساتھ اس کے استقبال کو آ جائے گی۔ ہاں یہ شمع رسالت کا پروانہ ہے اور ہر انعام، ہر فلاح، ہر رحمت اس کی پروانہ بنی ہوئی ہے، واہ رے تیری قسمت! اے اپنے نبی کے نام کے نعرے لگا لگا کر دنیا چھوڑنے والے تجھے مبارک، ہزاروں دنیائیں تیری گرد راہ پہ قربان ہو رہی ہیں۔

مگر یہ سعادت تو انھیں نصیب ہو گی جو عمر بھر اٹھتے بیٹھتے اس محبوب کریم

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یاد سے سرشار رہے اور جان و دل سے اس کی ادا ادا پر نثار ہوتے رہے۔ اسلام نے اپنے بندوں کو یہی تربیت دی ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا، خوشی کے موقع پر اہل مدینہ نے اپنے جذبات کا اظہار کس نعرے سے کیا، جہاد و قتال کے وقت ان کی زبان پر کیا ورد ہوتا تھا، شدید ترین مصائب میں ان کا کیا انداز رہا ہے۔ یہ تو بڑے اہم واقعات تھے۔ عام اور معمولی واقعات پر بھی ان کی زبان پر یہی نعرہ جاری ہوتا تھا مثلاً پاؤں کا سو جانا عام سا واقعہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم شریف کے شارح امام نووی قدس سرہ اپنی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو انھوں نے **یا محمد** اہ کہا، فوراً اچھا ہو گیا۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ نے الادب المفرد میں باقاعدہ باب باندھا ہے اور اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت یوں نقل کی ہے۔

خَدِرَتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ اُذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو کسی نے ان سے کہا کہ اس کو یاد کرو جو تمہیں سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا **یا محمد** (ان کا سویا ہوا) پاؤں فوراً ٹھیک ہو گیا۔

دکھ سکھ میں حضور پر نور سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ کو پکارنے کا یہ معمول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے شروع ہوا اور بحمدہ تعالیٰ بڑی

سازشوں، سخت رکاوٹوں، کفرونفاق کے فرزندوں کی اجتماعی کاوشوں کے باوجوداب تک جاری ہے بلکہ ہمیشہ جاری رہے گا، اسے روکنے والے ماضی میں تباہ وبرباد ہو گئے، اب ہورہے ہیں، آئندہ ہوتے رہیں گے مگر یہ ذکر خیر قائم ودائم ہے اور رہے گا

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

پھر حضور پرنور ﷺ ان نعروں کی، ان فریادوں کی اوران درودوں کی اورسلاموں کی رسید بھی دیتے رہے اور ہمیشہ آپ کی رحمتوں نے ثابت کردیا کہ سرکار ابدقرار ﷺ کی عنایت بے غایت اب بھی اپنی امت کے شامل حال ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف چندواقعات درج کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صرف دوواقعات عرض کئے جاتے ہیں۔

بارش کی خوشخبری: سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورخلافت میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔ ایک صاحب نے حضور ﷺ کے روضہ نور پر حاضر ہوکر التجا کی

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ اللّٰہَ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا

ترجمہ: یارسول ﷺ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے بارش مانگئے ورنہ وہ تو ہلاک ہوہی گئی۔

حضور پرنور ﷺ نے اس کے پاس خواب میں تشریف لاکرفرمایا

(فَاَتَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِی الْمَنَامِ فَقَالَ) اِیْتَ عُمَرَ فَاَقْرِءْہُ مِنِّی السَّلَامَ وَ اَخْبِرْھُمْ اِنَّھُمْ مُّسْقُوْنَ (البدایه و النهایه)

ترجمہ: عمر کے پاس جا کر میری طرف سے سلام کہواور مسلمانوں کو بارش کی بشارت دو۔

دوسرا واقعہ بھی بالکل اسی قسم کا ہے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ۱۸ھ میں پھر قحط پڑا۔ جسے عام الرمادہ کہتے ہیں۔ اس قحط میں حضرت بلال ابن الحارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان کی قوم بنی مزنیہ نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجئے فرمایا بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے انھوں نے اصرار کیا، آخر بکری ذبح کی گئی اور کھال کھینچی تو نری سرخ ہڈی نکلی، یہ دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے:

فَنَادٰی یَا مُحَمَّدَ اهُ فَارٰی فِی الْمَنَامِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتَاهُ فَقَالَ اَبْشِر (ابن کثیر۔ ج ۲۔ البدایہ والنھایہ)

ترجمہ: ندا کی یا محمداہ! حضور اکرم ﷺ خواب میں تشریف لائے اور بشارت دی۔

اب مابعد کی پوری تاریخ اسلام سے صرف چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ اپنی امت کو کس طرح سامنے رکھتے ہیں۔

بلخ کے مفتی علی رحمۃ اللہ علیہ: سے ان کی لڑکی نے عرض کیا' گلے تک کچھ تے آئی ہے' میرا وضو قائم رہا یا نہیں؟ مفتی صاحب نے اپنی بیٹی کو کہا کہ وضو ٹوٹ گیا ہے، دوبارہ وضو کرو۔ جب رات آ گئی اور مفتی صاحب سو گئے تو رسول کریم ﷺ مفتی صاحب کو خواب میں ملے اور مفتی صاحب سے فرمایا' دوبارہ وضو واجب

نہیں۔ جب تک کہ قے منہ بھر نہ ہو۔ مفتی صاحب نے کہا میں نے یقین کر لیا ہے کہ فتوے حضور ﷺ کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ میں نے قسم کھالی ہے کہ فتوے نہ دوں گا۔ (تفسیر روح البیان ج:۱)

نور الدین زنگی کی سعادت: شیخ سمہودی حضور ﷺ کے حجرۂ انور کی موجودہ دیوار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ۵۵۷ھ میں سلطان نور الدین شہید شام میں محوخواب تھے ان دنوں شام دار السطنت تھا سلطان کا بخت بیدار ہوا قسمت جاگ گئی۔ مقدر چمک گیا، ایک رات میں حضور سید عالم ﷺ نے تین مرتبہ اپنے جمال جہاں آرا سے سلطان نور الدین زنگی کو نوازا اور آپ نے اس غلام کو بار بار شرف زیارت سے بخشا۔

جدوں بخت سولڑے آن ہندے کھیت اگدے بُھیاں دانیاں دے

زیارت سے نوازنے کے ساتھ حضور سید عالم ﷺ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا مجھے ان سے بچاؤ سلطان فوراً بیدار ہوا وزیر کو بلایا اور اسی رات کے باقی حصہ میں سفر شروع کر دیا۔ صدقہ خیرات کیلئے کافی مقدار میں مال ساتھ لیا اور بیس آدمیوں کی معیت میں شام سے مدینۃ الرسول کا سفر شروع کیا، ۱۶ دن کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ لرزتے کانپتے انتہائی ادب واحترام کے ساتھ مواجہ شریف میں حاضری دی۔ گورنر مدینہ کو بلایا اور فرمایا تمام اہل مدینہ کو بلایا جائے اور انہیں صدقات وخیرات تقسیم کئے جائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا جب سارے گزر گئے اور صدقات وخیرات تقسیم ہو گئے تو سلطان نے پوچھا کوئی شخص رہ تو نہیں گیا، اہالیان مدینہ منورہ نے عرض کی جی نہیں صرف دو

نیک، صالح، عابد مغربی نہیں آسکے۔ وہ سارا دن جنت البقیع میں مصروف عبادت رہتے ہیں سلطان نے فرمایا انہیں بھی بلایا جائے۔ جب وہ مغربی حاضر ہوئے تو سلطان نے فوراً پہچان لیا کہ یہی وہ دو آدمی ہیں جن کی طرف حضور سید عالم ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا سلطان نے پوچھا ان کی رہائش کہاں ہے بتایا گیا حجرۂ مقدسہ کے قریب ایک سرائے میں سلطان نے ان دو مغربیوں کو یہیں ٹھہرایا اور خود سرائے میں گئے وہاں سوائے کتابوں کے کچھ نظر نہ آیا چٹائی اٹھائی تو نیچے سرنگ دکھائی دی جو حجرۂ انور تک پہنچ چکی تھی۔ مدینہ منورہ کے لوگ ان کی اس شرارت اور جسارت پر متحیر ہوئے۔ سلطان کے حکم سے جب سر عام انہیں سزا دی گئی تو انہوں نے اعتراف جرم کرلیا۔

شیخ الوقت کون؟: سید عبدالعزیز دیرینی مشیخت کے اجلاس واقع دیرین میں تشریف فرما تھے۔ بڑے بڑے صاحبان روحانیت موجود تھے۔ طے یہ پایا ایک ایک بزرگ مسجد کے محراب میں جا کر حضور رسول کریم ﷺ کو پکارے، جسے جواب سے نوازا جائے، شیخ الوقت ہوگا۔ ہر بزرگ اپنی اپنی باری اٹھا۔ محراب میں جا کر پکارا مگر کسی کو جواب نہیں ملا۔ آخر میں حضرت سید عبدالعزیز آگے بڑھے اور عرض کی 'یا سیدی یا رسول اللہ!' حضور پرنور ﷺ نے جواباً فرمایا لبیك یا عبد العزیز (اے عبدالعزیز! میں حاضر ہوں۔) پہلی صف کے تمام نمازیوں نے سن لیا اور باقی صفوف کے تمام نمازیوں نے بار بار مطالبہ کیا کہ دوبارہ حضور ﷺ کو یاد کیا جائے۔ چنانچہ عبدالعزیز دیرینی نے دوبارہ عرض کیا 'یا سیدی یا رسول اللہ!' اب حضور پرنور ﷺ نے تین بار لبیك فرمایا۔ تمام مجمع نے سن لیا (یاد رہے دیرین ملک شام کے ایک دور دراز علاقے کا شہر ہے) (جواہر البحار: جلد ۲)

ایک عجیب وغریب واقعہ: 'جامع الحکایات' میں لکھا ہے کہ نیشاپور میں جب امیر ناصر الدین، الپتگین کی ملازمت میں تھا تو اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور وہ تمام دن اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں گھوما کرتا تھا اور جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا، ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی مع اپنے بچے کے جنگل میں چر رہی ہے۔ سبکتگین نے اسے دیکھتے ہی گھوڑے کو دوڑایا اور ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ باندھ کر اس بچے کو اپنی زین سے باندھ دیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ہرنی پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے اور اس کی صورت اور حرکات سے پریشانی اور رنج کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ عالم دیکھ کر سبکتگین کو اس بے زبان جانور پر بہت رحم آیا اور اس نے بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی اپنے بچے کی رہائی سے بہت خوش ہوئی اور (بچے کو ہمراہ لے کر) جنگل کی طرف روانہ ہوئی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دور چل کر سبکتگین کی طرف مڑ مڑ کر دیکھ لیتی تھی جیسے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔

جس دن کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو سبکتگین نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا ''اے ناصر الدین تو نے ایک بے زبان جانور پر رحم کیا ہے، وہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں بہت مقبول ہوا ہے لہذا اس کے صلے میں تجھے چاہیے کہ یہی طریق اختیار کرے اور کبھی رحم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ یہ طریق دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔ (تاریخ فرشتہ: ج۱)

یہ ہے حضور پرنور ﷺ کے مشاہدۂ عالم کا حال، کہاں مدینہ منورہ اور کہاں ایک دور دراز جنگل، ادھر دنیا میں سبکتگین کی نیکی پر نظر ہے، ادھر عالم بالا میں اس کی

قبولیت سامنے ہے۔ اور پھر اس انداز لطف و کرم پر کار بند رہنے کی تلقین، یہ ہے حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کا انداز تربیت جس سے وہ اپنی امت کو نوازتے ہیں۔ نیز اس سے اندازہ کر لیجئے کہ اسلام دہشت گردی کا نہیں، امن ورحم کا دین ہے اور اس میں انسانوں پر ہی نہیں، جانوروں پر ظلم کرنا بھی ممنوع ہے نیز یہ کہ مخلوق خدا پر رحم کرنا خدا کی بارگاہ میں اتنا پسندیدہ و مقبول عمل ہے کہ جلد ہی اس کے صلے کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور یہ صلہ اتنا اہم ہوتا ہے کہ خود سرور کائنات ﷺ خوشخبری دینے کیلئے تشریف لاتے ہیں اور اپنے دیدار جیسی بے مثال نعمت سے نوازتے ہیں۔ سبحان اللہ!

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔

ختم المرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت: 'طبقات ناصری' میں یہ لکھا ہے کہ سلطان محمود کو اس مشہور حدیث العلماء ورثة الانبياء (یعنی علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں) کی صحت پر پورا یقین نہ تھا۔ اسے قیامت کے آنے کے بارے میں بھی شبہ تھا۔ اس کے علاوہ اسے اس میں بھی شبہ تھا کہ وہ خود سبکتگین کا بیٹا ہے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف چل رہا تھا، فراش سونے کا شمعدان لے کر اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسے میں بیٹھا ہوا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ اس طالب علم کے پاس جلانے کیلئے روغن نہ تھا۔ اس لئے وہ پڑھتے پڑھتے جب کچھ بھول جاتا تو ایک بنئے کے چراغ کے پاس آ کر اپنی کتاب کو پڑھ لیتا۔ محمود کو اس نادار طالب علم کی حالت پر بڑا رحم آیا اور اس نے وہ شمعدان جو فراش نے اٹھا رکھا تھا، اس طالب علم کو دے دیا۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے، اسی رات کو خواب میں محمود کو حضرت محمد ﷺ

کی زیارت نصیب ہوئی۔آپ ﷺ نے محمود سے فرمایا' اے ناصرالدین سبکتگین کے فرزندارجمند، خداوندتعالیٰ تجھ کو قیامت میں ویسی ہی عزت دے جیسی تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے،آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل سے متذکرہ بالا تینوں شبہات دور ہو گئے۔(تاریخ فرشتہ جلدا)

اب یہاں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کے وہ پیارے الفاظ پھر سامنے لائیے جوانھوں نے حضور پرنور ﷺ کے شہید یعنی گواہ ہونے کے سلسلے میں ارشادفرمائے ہیں۔

پس اومی شناسد گناہان شمارا ودرجات ایمان شمارا واعمال بد و نیک و اخلاص و نفاق شمارا۔لہذا شہادت او بحکم شرع درحق است مقبول وواجب العمل است۔(تفسیرعزیزی جلدا)

ترجمہ :لہذا حضور ﷺ تمہارے گناہوں کو،تمہارے ایمانی درجات کو،تمہارے نیک و بد اعمال کو اورتمہارے اخلاص و نفاق کو جانتے پہچانتے ہیں،اس لئے ان کی گواہی بحکم شرع امت کے حق میں قبول اورواجب العمل ہے۔

حوض شمسی: حضرت شیخ الاسلام فریدالدین شکرگنج اپنے پیرومرشد حضرت قطب الدین بختیار اوشی علیہما الرضوان کے ملفوظ میں تحریرفرماتے ہیں کہ ایک بار التمش کو حوض شمسی تعمیر کروانے کا شوق پیدا ہوا، اس سلسلے میں وہ روزانہ حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اورحوض کی جگہ اوراس کے رقبے وغیرہ کے بارے میں ان سے بات چیت کرتا۔اسی حوض کی تعمیر کے لئے التمش کے ذہن

میں جو مقام آتا، وہ فوراً جا کر اسے دیکھتا اور پھر کسی وجہ سے اس مقام کا خیال ذہن سے نکال دیتا۔ اتفاق سے ایک دن التمش کا گزر اسی جگہ سے ہوا کہ جہاں اب حوض شمسی واقع ہے التمش کو یہ مقام بہت پسند آیا اور اس نے اسی وقت اس جگہ پر حوض کی تعمیر کا ارادہ کر لیا، جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو التمش نے خواب میں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کی۔ التمش نے دیکھا کہ سرور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس منتخب مقام کی طرف تشریف لائے ہیں اور التمش سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ کس امر کا خواہاں ہے۔ التمش جواب دیتا ہے کہ وہ اس جگہ ایک حوض تعمیر کروانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے التمش کی التجا کو پسند فرمایا اور ان کے گھوڑے نے زمین پر پاؤں مارا جس سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور زور شور سے بہنے لگا، التمش نے ابھی اسی قدر خواب دیکھا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور اس وقت قدرے رات باقی تھی اور التمش اسی وقت حضرت قطب صاحب (یعنی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑے ادب کے ساتھ ان سے اپنے خواب کی تمام روداد بیان کر دی، حضرت فرید شکر گنج اپنے پیر و مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ التمش اسی وقت حضرت قطب صاحب کو اپنے ساتھ اسی جگہ لے گیا۔ قطب صاحب نے شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ پھوٹا ہوا ہے اور اس کا پانی ہر چہار طرف بہ رہا ہے۔ واللہ علم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

42

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ امت ہر رنج وراحت میں صدر اول سے اپنے والی ومولا، اپنے ملجا و ماویٰ، اپنے محسن و مربی حضور پرنور ﷺ کو پکارتی آئی ہے۔عید ہے تو نعرۂ رسالت لگا کر عقیدت ومسرت کا اظہار ہو رہا ہے، صدمۂ دلگداز کا موقع ہے تو حضور پرنور ﷺ ہی سے یہ قصہ غم عرض کیا جا رہا ہے، جنگ میں گھمسان کا رن پڑ گیا ہے تو غازیانِ صف شکن اسی محبوب گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے سرشار ہو کر معرکے مارتے جا رہے ہیں۔ پھر آقا ومولا علیہ التحیۃ والثناء کی شفقت کا یہ عالم ہے کہ جسے مناسب سمجھا اور جیسے مناسب سمجھا دیدار سے نوازا، گفتار سے سکون بخشا یا محض رنج وغم دور کر دیا۔ چودہ صدیوں پر محیط اس فیض عام کے چند مظاہر چشم تصور کے سامنے، نہیں نہیں دیدۂ ایمان کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی تا کہ واضح ہو جائے کہ آقا علیہ التحیۃ والثناء کسی بھی غلام سے دور نہیں، چنانچہ کہیں فتوے کی اصلاح فرما رہے ہیں، کہیں سلطنت کی خوشخبری دے رہے ہیں، کہیں ذہنی الجھنیں حل فرما رہے ہیں اور کہیں حوض کی نشاندہی فرما رہے

ہیں۔اس عظیم حقیقت کو ذہن نشین کیجئے اور اسی سلسلے میں سورۂ نور کی ایک آیت کے ابتدائی حصے پر غور کیجئے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط (النور:۶۴)

ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ (کنزالایمان)

مفسرین نے اس کے تین مفہوم بیان کئے ہیں (یہ تینوں تفسیر طبری میں موجود ہیں، پہلا حضرت مجاہد اور دوسرے دونوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں)

پہلا مفہوم: اے مسلمانو! جیسے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں (مثلاً نام لے کر، کنیت کے حوالے سے، کسی مخصوص پیشے کا ذکر کر کے) حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ و بارک وسلم کو اس طرح نہ پکارو، بلکہ ادب و تعظیم کو ملحوظ رکھو اور جو عرض کرنا ہو پوری نیازمندی سے عرض کرو۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"............یا حضور (ﷺ) کو ایسے القاب و انداز سے نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو، انھیں بھیا، ابا، چچا، بشر کہہ کر نہ پکارو، انھیں یا رسول اللہ، یا شفیع المذنبین وغیرہ ادب کے القاب سے یاد کرو" (نور العرفان)

تفسیر خازن میں ہے

لَا تَدْعُوْهُ بِاِسْمِهٖ کَمَا یَدْعُوْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا یَا

مُحَمَّدُ یَا عَبْدَ اللّٰہِ وَلٰکِنْ فَخِّمُوْہُ وَ عَظِّمُوْہُ وَشَرِّفُوْہُ
وَ قُوْلُوْا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْ لِیْنٍ وَ تَوَاضُعٍ
(الجزءالثالث: ص ۳۰۷، مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: انھیں (یعنی حضور ﷺ کو) نام لے کرمت پکارو جیسے تم میں سے بعض بعض کو پکارتے ہیں یا محمد، یا عبداللہ نہ کہو بلکہ ان کی تعظیم وتوقیر کرو اور نرمی وتواضع کے ساتھ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہو

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

قَالَ الضَّحَّاکُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ یَا مُحَمَّدُ، یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَنَھَاھُمُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ ذٰلِکَ اِعْظَامًا لِّنَبِیِّہٖ ﷺ قَالَ فَقُوْلُوْا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (المجلد السادس)

ترجمہ: ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ (بعض) لوگ یا محمد، یا ابا القاسم کہا کرتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم سکھاتے ہوئے انھیں اس (انداز) سے روکا اور فرمایا 'یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہو'

قرآن پاک میں بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ جل مجدہ نے اپنے بندوں کو دربار رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے آداب سکھائے ہیں مثلاً کہیں فرمایا 'راعنا' (ہماری رعایت فرمائیے) نہ کہو (کیونکہ یہودی اپنی لغت کے

مطابق اس سے از حد گستاخانہ معنی مراد لیتے تھے) بلکہ 'اُنْظُرْنَا' (ہم پر نظر رکھیے) کہا کرو اور خوب غور سے سنا کرو (تا کہ اُنْظُرْنَا کہنے کی بھی ضرورت نہ پڑے) کہیں فرمایا 'اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو، اسی طرح یہ آیۂ کریمہ بھی آدابِ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ کی تلقین کر رہی ہے۔ اس میں جیسا کہ اوپر گزرا، حضور پرنور ﷺ کو پکارنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ اس سے یہ بات تو بالکل واضح ہوگئی کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کو پکارنے میں کوئی حرج نہیں۔ دورِ حاضر کے مفتیان کج فہم جو پکارنے پر ہی شرک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں، راہ حق سے بہت دور ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ اللہ پکارنے کو ناپسند نہیں فرماتا بلکہ گستاخانہ انداز سے پکارنا اسے ناپسند ہے۔

رسول کو رسول سمجھ کر پکارنا: اللہ کریم نے جس انداز میں یہ بات ذہن نشین کرانے کا اہتمام فرمایا ہے، وہ بھی از حد عام فہم ہے۔ یعنی جب 'رسول' عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ان سے وراء الوریٰ ہے تو اسے پکارنے کا انداز بھی عام لوگوں کو پکارنے کی طرح کیوں ہو، بلکہ یہ ادب میں وراء الوریٰ ہونا چاہیے۔ دنیا میں جسے بھی تم بزرگ، معظم و مکرم، واجب الادب سمجھتے ہو، وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے تو کچھ بھی نہیں بلکہ اسے جو بڑائی بھی ملی ہے، نبی کی نسبت سے ملی ہے اور اس کا جو ادب بھی کیا جائے گا، حکم رسول کے مطابق کیا جائے گا۔ برادری اور رشتہ داری میں سب سے زیادہ حق باپ کا ہے، پھر ماں کا (حق) باپ سے بھی زیادہ، دینی استاذ کا (حق) ماں باپ دونوں سے زیادہ، پیر طریقت کا حق اس

سے بھی بہت فائق ۔مگر جب اس ہستی کی بات آئے جسے آپ اللہ کا رسول ﷺ مانتے ہیں تو باقی سب کے حقوق اس کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے۔

نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی (قدسی علیہ الرحمۃ)

ترجمہ : یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) بنی آدم کو آپ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔آپ آدم و عالم سب سے بہتر ہیں چنانچہ آپ کے حسب ونسب کے کیا کہنے۔

مختصر یہ کہ رسول کو پکارنا ہو تو رسول جان کر پکارو، اور رسول کے بارے میں جو عقیدہ قرآن پاک نے دیا اسے کسی صورت بھی فراموش نہ کرو۔قرآن حکیم نے وضاحت سے فرمایا کہ رسالت اور فضیلت لازم وملزوم ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرۃ:۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (کنزالایمان)

غرض رسول جتنے بھی ہیں، سب فضیلت والے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول بھی ہو اور فضیلت سے خالی بھی ہو۔جو کسی رسول کو بھی معاذ اللہ فضیلت سے خالی سمجھتا ہے، اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اللہ فضائل و کمالات پہلے ودیعت فرماتا ہے، پھر رسالت عطا فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے

اَللّٰهُ اعلم حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ط (الانعام:۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

ہاں ہاں اللہ کے سب رسول فضیلت والے ہیں، ایسا نہیں بعض تو فضائل وکمالات سے آراستہ ہوں اور بعض نہیں۔ ہم سب کو مانتے ہیں اور سب کو فضیلت والا مانتے ہیں۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ:۲۸۵)

ترجمہ: ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔

خداوند کریم کی رضاواطاعت کا انحصار ہی رسول کی رضاواطاعت پر ہوتا ہے۔ یعنی رسول جس سے راضی، اس سے اللہ راضی اور جو رسول کا فرمانبردار، وہی اللہ کا فرمانبردار نیز فرمایا

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النساء:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (کنزالایمان)

جب ہر رسول صاحب فضیلت ہے تو تمام رسولوں کے سردار ﷺ کے فضائل کا اندازہ کون کرسکتا ہے (جوان سب کے فضائل وکمالات کا جامع ہے)

جب ہر رسول مطاع ہے اور امت پر اس کی اطاعت فرض اول ہے تو جو ساری کائنات کا رسول ہے، یقیناً وہ مطاع ہے اور سب پر اس کی اطاعت فرض اول ہے، اسی لئے سب کے رسول ﷺ کو کافر جن وانس کے سوا سب چیزیں جانتی، پہچانتی اور مانتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جنگل کے وحشی جانوران پر نثار ہو ہو جاتے ہیں، پتھران کا کلمہ پڑھتے ہیں، بادل ان پر سایہ کرنے کی خدمت پر مامور ہے اور شمس وقمران کے مطیع ہیں۔ چونکہ یہ سب کے رسول ہیں، لہذا سب کے لئے

رحمت ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (الانبیاء:۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے

ہاں آپ کلمہ پڑھتے ہیں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر اللہ کی توحید کے بعد ان کے رسول اللہ (ﷺ) ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ بلا شبہ یہ رسول اللہ ہیں یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے، یعنی جب انھیں اللہ کا بھیجا ہوا مانتے ہیں تو یہ بھی سوچیں، اللہ نے انھیں کس شان سے بھیجا ہے، ایک تو یہی کہ سب پر ان کی اطاعت فرض ہے دوسرے رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (یعنی سارے جہانوں کے لئے رحمت) بنا کر۔ اب یہ بھی سوچئے جو سب جہانوں کے لئے رحمت ہے، کیا سب جہان اس کے محتاج ہوئے کہ نہیں۔ کیا وہ سب کے دکھ درد کو جانتا ہے کہ نہیں اور رحمۃ للعالمین ہونے کے ناتے سب کے دکھ درد دور کرنے کے اختیارات بھی رکھتا ہے کہ نہیں۔ بلا شبہ یہ رسول اللہ ہیں مگر کس شان کے ساتھ؟ خاتم النبین بھی ہیں۔ قرآنی الفاظ میں

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: ہاں اللہ کے رسول ہیں، سب نبیوں میں پچھلے (کنز الایمان)

اور خاتم النبین کا معنی ہے آخری نبی، نبی اپنی امت کا حاجت روا ہوتا ہے تو گویا جناب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کائنات کے ایسے عظیم و فخیم حاجت روا ہیں کہ اب یہی مرجع خلائق ہیں اور اب انھیں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے ساری

کائنات کی امید گاہ ہے۔ جسے کچھ لینا ہے وہ ان کے در پر آئے جسے فریاد کرنا ہے، وہ انھیں کے آستانے پر فریاد کرے، جسے مانگنا ہے وہ ختم نبوت کے تاجدار ہی سے مانگے کہ اسی لئے انھیں رحمۃ للعلمین بنایا گیا ہے۔ بلا شبہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں مگر اللہ نے انھیں کیا کیا عظمتیں دے کر بھیجا ہے، سنئے

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝
وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝

(الاحزاب:۴۵،۴۶)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب

سو جب فرمایا گیا لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

تو ایک مفہوم یہ نکلا کہ اے مسلمانو! انہیں پکارتے وقت تمہارے ذہن میں یہ نکتہ موجود رہنا چاہیے کہ اُس شخصیت کو پکارا جا رہا ہے جو عام انسان نہیں بلکہ سب انسانوں کا آقا و مولا، حاکم و سلطان، سب کے لئے رحمت و چارہ ساز اور سب کے دکھ درد جاننے والا اور انہیں دور کرنے والا ہے۔ انہیں اپنی طرح بے بس، بے اختیار اور بے علم نہ سمجھئے گا ورنہ یہ پکارنا بھی بغاوت کی علامت بن جائے گا۔ ہاں ہاں انہیں پکارنا شرک و کفر تو کیا، گناہ تک نہیں، بلکہ انہیں رسول مانتے ہوئے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ جسے رب نے رحمۃ للعلمین اور خاتم النبیین بنایا ہے، اسے ضرور

پکارا جائے۔ ہاں پکارتے وقت ادب آداب کا خیال ضرور رہنا چاہیے۔مزید وضاحت کے لئے سورۃ الفتح کی ایک آیت پر غور کیجئے۔(یہ حوالہ کسی اولین قسط میں بھی آچکا ہے)

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ (الفتح۔۱۱)

ترجمہ: اب تم سے کہیں گے جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے مال اور ہمارے گھر والوں نے جانے سے مشغول رکھا۔اب حضور ہماری مغفرت چاہیں، اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ (کنزالایمان)

دیکھئے حضور ﷺ سے بخشش کی دعا کرانا ناجائز نہیں، بلکہ منافقانہ طور پر صرف زبان سے کہنا قابل اعتراض ہے، ہاں تہ دل سے عرض کریں تو یہ درست بھی ہے اور ایمان کا تقاضا بھی۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یہ درخواست کریں تو دل سے کرتے ہیں، منافق کریں تو صرف زبان سے کرتے ہیں۔ بلاشبہ حضور اللہ کے رسول ہیں تو حضور کو پکارتے ہوئے آپ کا منصب رسالت سامنے رہے اور جس جس شان سے آپ رسول بنائے گئے ہیں، انہیں ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے یونہی ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے آپ بھی نبی ہیں اور نبی کے بارے میں قرآن پاک نے وضاحت فرمائی ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب-٦)

ترجمہ: نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے

بلکہ بعض کے نزدیک اولیٰ کے تین معانی ہیں۔اَمْلک (زیادہ مالک).
اقرب (زیادہ قریب) اوراحب (زیادہ محبوب) تو جب حضور پرنور ﷺ کو پکارا جائے تو یہ سب معانی پیش نظر رہنے چاہئیں۔مثلاً نماز میں جب ہم عرض کرتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ یعنی یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْکَ، تو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ ہدیۂ سلام اس ذات ستودہ صفات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی بارگاہ میں پیش کیا جارہا ہے جو جان سے بھی زیادہ قریب جان سے زیادہ محبوب ہے اور ہماری جانوں سے زیادہ ہمارا مالک ہے

خدا کا خطاب فرمانا: مختصر یہ کہ خالق کائنات جل مجدہ نے اپنے محبوب اعظم واکرم ﷺ کو پکارتے ہوئے عامیانہ سا انداز اختیار کرنا گویا خلاف ادب واحترام اور باعث شقاوت وقساوت قرار دیا، انہیں خداداد القاب سے پکاریئے اور پورے خلوص وادب سے التجائیں کیجئے۔

دیکھئے، ہم جنھیں قرآن نے یہ ادب تلقین فرمایا ہے، امتی ہیں، حضور ﷺ کے غلام اور محتاج ہیں اور ہمارا سارا دارومدار آپ ﷺ کی نظر کرم پر ہے۔اللہ جو آپ کا رب ہے۔آپ کا خالق ومالک ہے اور آپ کو عظمت دینے والا ہے، اس نے قرآن کے تیس پاروں میں ایک بار بھی حضور پرنور ﷺ کو نام لے کر یا کنیت وغیرہ کے حوالے سے مخاطب نہیں کیا۔کہیں یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ کہیں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ، کہیں یٰۤاَیُّهَا

اَلْمُزَّمِّلُ ، یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہیں طٰہٰ اور کہیں یٰس

خدا نے اپنے پیارے کو پکارا جس طرح چاہا

وہ مزمل، وہ مدثر، وہ یٰس اور وہ طٰہٰ

(حفیظ جالندھری)

اللہ جل شانہ مالک حقیقی اور شہنشاہ ارض وسما ہے۔ اُس کا اپنے کسی بندے کو مخاطب کرنا ہی بندے کے لئے سند عزت وافتخار ہے خصوصاً جب بندے کا نام بھی زبان قدرت پر آ جائے تو اس کے بختِ رسا کے کیا کہنے۔ آپ نے وہ حدیث پاک سنی ہوگی

"حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا' رب کریم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے تلاوت قرآن کروں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ فرمایا' ہاں' پھر عرض کیا، کیا رب العلمین کے حضور میرا ذکر آیا ہے، فرمایا' ہاں' تو (فرط مسرت سے) آپ رونے لگے۔ ایک روایت کے مطابق (حضور ﷺ نے) فرمایا بے شک اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے سورۃ اَلَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا کی تلاوت کروں۔ جناب ابی نے کہا یا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا' ہاں' تو جناب اُبی رونے لگے۔

ہاں اللہ! اپنے کسی بندے کو پکارے اور، خصوصاً نام لے کر پکارے تو بندے کے لئے زمین وآسمان کی سعادتوں سے بڑھ کر ہے اس کے بعد اس نقطے پر بھی غور فرمایئے کہ وہی شہنشاہ حقیقی جو اپنے مخصوص ترین بندوں کو نام لے کر ان کی

عظمت و وجاہت کا اعلان کرتا ہے اپنے ان مخصوص ترین بندوں میں سے بھی ایک کو نام لینے کی بجائے خصوصی اور خصوصی اعزاز سے خطاب فرمائے تو اس کی عظمت وشان کا اندازہ کیونکر ممکن ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء ورسل علیہم السلام سے خطاب فرماتے ہوئے اس نے یٰآدم، یٰنُوح، یابراھیم، یٰمُوسی، یاداود، یعیسی فرمایا ہے۔ یقیناً اس میں ان حضرات کی تحقیر نہیں بلکہ عزت افزائی ہے جیسا کہ اوپر گزرا، مگر پھر ان میں ایک ایسی شخصیت ہے جسے نام کے بجائے ہمیشہ مخصوص عظمتوں اور اداؤں کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے تو اہل فہم اور اہل محبت کو اس کا فرق واختصاص کا کچھ نہ کچھ راز سمجھنا کیا مشکل ہے۔ حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ نے اسی سلسلے میں فرمایا ہے۔

یآدم است باپدر انبیا خطاب
یَآیُّھَاالنَّبِیُّ خطاب محمد است

یا محمد صلی اللہ علیک وسلم کہنا: اگرچہ اُس نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو جو دو خصوصی نام مبارک عطا فرمائے ہیں یعنی محمد اور احمد، خود ان میں بھی نعت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی بھی حمد وتعریف کرے، وہ محمود ہے اور جس کی بار بار حمد وثناء کرے، وہ ہے محمد (ﷺ) یونہی جس نے بھی اپنے اللہ کی حمد کی، وہ حامد ہے اور جس نے سب سے زیادہ اپنے رب کی حمد کی، وہ ہے احمد (ﷺ)۔ اس لئے اس نقطہ نظر سے 'یا محمد' اور یا احمد کہہ لیا جائے تو جائز ہے، چنانچہ بعض احادیث قدسیہ میں یہی انداز ہے اور کئی بار حضرت جبریل علیہ السلام نے بھی اسی طرز تخاطب سے بارگاہ رسالت

ﷺ میں عرض ماجرا کیا ہے۔اس حقیقت کے باوجود کہ نام لے کر پکارنے میں بھی اگر حضور پرنور ﷺ کی مدح وثنا مقصود ہو تو حرج نہیں، قرآن پاک میں ایک بار بھی یا محمد اور یا احمد نہیں آیا، آخر کیوں؟ لگتا ہے کہ خداوند کریم جسے بہرحال اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ادب واحترام کرانا مقصود ہے، نہیں چاہتا کہ بعض کند ذہن اور بدنیت لوگ اسے دلیل بنا کر حضور ﷺ کے پکارنے کو دوسروں کے پکارنے کی طرح سمجھیں اور یوں خاتم الانبیاء علیہم السلام کی عظمت و وجاہت سے روگردانی کریں۔ہاں ہاں جس محبوب اعظم ﷺ کے پکارنے کا انداز دوسرے محبوبوں سے منفرد اور مخصوص ہے، اس کی ذات اور شان دوسروں سے کیوں نہ مخصوص اور منفرد ہوگی۔

حق یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق ہی اس لیے ہوئی کہ سب مخلوق اس محبوب کریم ﷺ کی شان پہچان لے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو ایک سے ایک بڑھ کر نام دیئے۔اور آسمانی فضاؤں اور آسمانی کتابوں میں ان کا چرچا کیا۔مثلاً حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ' قرآن میں میرا نام محمد، انجیل میں احمد اور توریت میں احید ہے وَاِنَّمَا سُمِّیْتُ اَحِیْدَ لِاَنِّیْ اَحِیْدُ عَنْ اُمَّتِیْ نَارَ جَھَنَّمَ اور میرا نام احید اس لیے ہوا کہ میں اپنی امت سے آتش دوزخ دفع فرماتا ہوں

(الامن والعلی بحوالہ ابن عدی وابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

اسی طرح ایک حدیث کے مضمون کا آخری حصہ یوں ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا)

وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْیَا وَاَھْلَھَا لِاُعَرِّفَھُمْ کَرَامَتَکَ

وَمَنْزِلَتَکَ عِنْدِیْ وَلَوْلَاکَ مَاخَلَقْتُ الدُّنْیَا

(انوار احمدی بحوالہ ابن عساکر عن سلمان)

ترجمہ: اور یقین جانئے میں نے دنیا اور اس کے لوگوں کو اسی لئے پیدا کیا کہ انہیں آپ کی بزرگی اور آپ کا مرتبہ معلوم کراؤں جو میرے نزدیک ہے، اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا اجلاس منعقد فرما کر سب کے سامنے حضور پر نور ﷺ کی عزت وعظمت بیان فرمائی نیز آپ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا وعدہ لیا (جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۸۰،۸۱ میں مذکور ہے)

سابقہ آسمانی کتابوں میں نعت سرکار ﷺ:

۱۔ جناب شاہ (عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ) تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:۔

توریت کے سفر چہارم میں ہے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِاِبْرَاھِیْمَ اِنَّ ھَاجَرَ تَلِدُ وَیَکُوْنُ مِنْ وُلْدِھَا مَنْ یَدُہٗ فَوْقَ الْجَمِیْعِ وَیَدُ الْجَمِیْعِ مَبْسُوْطَۃٌ اِلَیْہِ بِالْخُشُوْعِ (اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے فرمایا بے شک ہاجرہ کے اولاد ہوگی اور اس کے بچوں میں سے وہ ہوگا جس کا ہاتھ سب پر بالا ہے اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں عاجزی اور گڑگڑانے میں)

(الامن والعلیٰ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ)

اسی تحفہ میں زبور شریف کی ایک اور روایت کے آخری الفاظ یوں مذکور ہیں

اِمْتَلَاءَتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْمِيْدِ اَحْمَدَ وَتَقْدِيْسِهٖ
وَمَلَكَ الْاَرْضَ وَرِقَابَ الْاُمَمِ

ترجمہ: زمین احمد کی تحمید اور تقدیس سے بھر گئی اور وہ ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا مالک ہوا (الامن والعلیٰ)

تورات شریف کی ایک اور روایت جسے حضرت ام الدرداء کے کہنے پر حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا، ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِسْمُهُ الْمُتَوَكِّلُ لَيْسَ بِفَظٍّ
وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَاُعْطِيَ الْمَفَاتِيْحَ

(بیہقی، ابونعیم فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا نام متوکل ہے، نہ درشت خو ہیں، نہ سخت گو، نہ بازاروں میں چلانے والے، وہ کنجیاں دیئے گئے ہیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى بَعْلِهَا وَاَبِيْهَا وَعَلَيْهَا وَسَلَّمَ کی روایت کے مطابق انجیل جلیل میں بھی تقریباً ایسے ہی الفاظ ہیں۔ (الامن والعلیٰ بحوالہ حاکم، ابن سعد، ابونعیم)

ظاہر ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں اس قسم کے ذکر خیر جس میں

گونا گوں الفاظ نعت ہیں، کا التزام اس لئے بھی کیا گیا کہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی مدح کرنے والے مختلف القاب واسماء سے تعریف کریں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ ﷺ کی خدمت میں عرض معروض کرتے تھے تو انداز خطاب یہ ہوتا تھا۔

یَا ابْنِیْ صُوْرَۃً وَ اَبِیْ مَعْنًی

ترجمہ: اے ظاہر میں میرے فرزند اور حقیقت میں میرے باپ۔

اس کا ترجمہ اعلحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں کیا ہے

ظاہر میں میرے پھول، حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے

(علیہما الصلوۃ والسلام)

یہ تھے حضرت آدم علیہ السلام جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام بلکہ تمام انسانوں کے سردار ہیں۔ ان کا انداز تخاطب دیکھا کتنا حقیقت افروز ہے۔ پھر سلسلہ نبوت جاری رہا، آسمانی کتابیں اور صحیفے اترتے رہے اور ذکر حبیب سے گونجتے رہے۔ (علیہ الصلوۃ والسلام)

انبیاء کرام علیہم السلام تذکار حبیب سے امت کے دل ودماغ کو منور کرتے رہے خود بھی رحمۃ للعلمین علیہ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں فریاد کرتے رہے اور اپنے غلاموں کو بھی آپ کی برکت ورحمت کا تعارف کراتے رہے۔

حضرت امام بوصیری قدس سرہ نے خوب فرمایا

وَ کُلُّھُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ

غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْرَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ !!

ترجمہ: اور سب نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التماس
کرتے ہیں کہ (اپنے) دریا سے ایک چلو یا اپنی باران رحمت
سے ایک گھونٹ پانی عطا فرما دیجئے۔

آخر کار آخری نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر آخری کتاب نازل ہوئی جس نے اہل ایمان کو بارگاہ رسالت کے آداب سکھائے اور صاف صاف بتا دیا کہ محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو نام لے کر مت پکارو، نہ یہ عام ہیں اور نہ انہیں عام لوگوں کی طرح پکارنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کو کس طرح پکارتے تھے، سنئے صرف چند شعری مثالیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز ندا: ا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب نبی پاک ﷺ کے وصال شریف کی خبر سنی، تو فوراً حاضر ہوئے اس وقت آپ رو رہے تھے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے

وَامُحَمَّدَاهُ

اے میرے محبوب آقا

وَانَبِيَّاهُ

اے ہمارے جلیل القدر نبی

وَاصَفِيَّاهُ

اے میری جان سے پیارے محبوب

واخلیلاہ بابی انت وامی طبت حیاً ومیتا

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے میرے خلیل! آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور اب بھی پاکیزہ ہیں۔

۲۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، جو معروف ترین شاعر دربار رسالت ہیں۔ عرض کرتے ہیں

(۱) يَارُكْنَ مُعْتَمِدٍ وَ عِصْمَةَ لَائِذٍ
وَمَلَاذَ مُنْتَجِعٍ وَجَارَ مُجَاوِرِ

(۲) يَامَنَ تَخَيَّرَ الْاِلٰهُ لِخَلْقِهٖ
فَحَبَاهُ بِالْخُلُقِ الزَّكِيِّ الطَّاهِرِ

(۳) اَنْتَ النَّبِيُّ وَخير عُصْبَةِ اٰدَمٍ
يَامَنْ يَّجُوْدُ كَفَيْضِ بَحْرٍ زَاخِرٍ

ترجمہ: (۱) اے بھروسا کرنے والے کے لئے بھروسا، اور پناہ گیروں کی جائے پناہ اور مصیبت زدوں کے مددگار

(۲) اے وہ ذات جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے چنا پس ان کو بہترین پاکیزہ اور عمدہ اخلاق عطا کئے گئے

(۳) آپ نبی ہیں اور بنی آدم میں سب سے بہتر، اے وہ ذات جو ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر کی طرح سخاوت کرنے والی ہے۔

انہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک اور نعت شریف کے دو شعر بہت مشہور ہیں

(۱) وَاَحۡسَنُ مِنۡكَ لَمۡ تَرَقَطُّ عَيۡنِيۡ
وَاَجۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَآءُ

(۲) خُلِقۡتَ مُبَرَّءً مِّنۡ كُلِّ عَيۡبٍ
كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَآءُ

ترجمہ: (۱) یارسول آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔
(۲) آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا کہ آپ ایسے پیدا کئے گئے ہیں جیسا آپ نے چاہا

حضرت اسود بن مسعود رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں فریاد کرتے ہیں

اَنۡتَ الرَّسُوۡلُ الَّذِيۡ تُرۡجٰى فَوَاضِلُهٗ
عِنۡدَ الۡقُحُوۡطِ اِذَا مَا اَخۡطَاءَ الۡمَطَرَ

ترجمہ: آپ وہ رسول ہیں کہ ہر قحط کے وقت جب بارش نہ ہو آپ کی نوازشات کی امید کی جاتی ہے۔

ایک اعرابی نے فریاد کی جس کا آخری شعر صحابہ کرام کے عقیدہ رسالت کی وضاحت کرتا ہے

وَلَيْسَ لَنَا اِلَّا اِلَيْكَ فِرَارُنَا
وَاَيْنَ فِرَارُ الْخَلْقِ اِلَّا اِلَى الرُّسُلِ

ترجمہ: اور ہمارا حضور کے سوا کون ہے جس کے پاس بھاگ کر جائیں اور مخلوق کی پناہ گاہ ہے ہی کہاں سوا رسولوں کی بارگاہ کے (ﷺ)

حضرت زہیر بن صرد جشمی رضی اللہ عنہ:

ان کی نعت شریف کا آخری شعر یوں ہے

اِنْ لَّمْ تُدَارِكْهُمْ نَعْمَاءٌ تَنْشُرُهَا
يَا اَرْجَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِيْنَ يُخْتَبَرُ

ترجمہ: اگر آپ (ﷺ) کی نعمتیں جنہیں حضورﷺ نے عام فرمادیا ان غم زدہ لوگوں کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں اے آزمائش کے وقت تمام جہان سے زیادہ عقل والے (محبوب)

اہل بیت رضی اللہ عنہم کا طرز ندا: حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا ہدیہ محبت ملاحظہ ہو:

بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ مِنْ غُلَامٍ
اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِي الْمَنَامِ
فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَى الْاَنَامِ
مِنْ عِنْدِ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ
دِيْنِ اَبِيْكَ الْبَرِّ اِبْرَاهَامٍ

فَــالــلّٰـــهُ اَنْهَـــاكَ عَــنِ الْاَصْنَـــام

ترجمہ:(۱): اے بیٹے اللہ تجھے بابرکت رکھے، جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا اگر وہ صحیح ہے

(۲) تو پھر تو اللہ ذوالجلال کی طرف سے ساری کائنات کی طرف مبعوث ہے۔

(۳) نیکوکار ابراہیم علیہ السلام کا دین لے کر تو تشریف لایا ہے

سو تجھے اللہ نے بتوں سے روک دیا ہے۔

حضرت سیدہ خاتون جنت علی ابیہا وعلیہا السلام نے حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد عرض کیا۔

یَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكِ ضَوْءُهٗ

صَلّٰى عَلَيْكَ مُنَزِّلُ الْقُرْآن

ترجمہ: اے رسولوں کے خاتم، اے بابرکت روشنی والے۔ آپ پر قرآن اتارنے والے رب کا درود ہو

(الروض الانف، سیرۃ ابن ہشام)

حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے (جو آپ کی پھوپھی تھیں) وصال شریف کے بعد عرض کیا۔

اَلَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کُنْتَ رِجَاءَنَا

وَکُنْتَ بِنَا بِرًّا وَلَمْ تَکُ جَافِیًا

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ کی ذات سے ہماری امیدیں وابستہ رہیں۔ آپ نے ہمیشہ نیک سلوک فرمایا۔ بدسلوکی کبھی نہ کی۔

(حجۃ اللہ ص ۳۲۹ ج ۲)

حضرت عباس عم النبی ﷺ عرض کرتے ہیں۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

وَضَاءَتْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ

فَنَحْنُ فِیْ ذٰلِکَ الضِّیَاءِ وَفِی النُّوْرِ

وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

ترجمہ: (۱) یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ جب پیدا ہوئے تو زمین چمک اٹھی اور آفاق آپ ﷺ کے نور سے روشن ہو گئے۔

(۲) تو ہم لوگ اُسی ضیاء ونور میں ہیں اور ہدایت کی راہ پر ہیں۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں اپنی بیکسی کا قصہ یوں عرض کرتے ہیں

مَنْ وَّجْهُهٗ شَمْسُ الضُّحٰی مَنْ خَدُّهٗ بَدْرُ الدُّجٰی

مَنْ ذَاتُهٗ نُوْرُ الْهُدٰی مَنْ کَفُّهٗ بَحْرُ الْهِمَمِ

یَا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَنْتَ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْنَ

اَکْرِمْ لَنَا یَوْمَ الْحَزِیْنِ فَضْلًا وَّ جُوْدًا وَّ الْکَرَمْ

یَا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَدْرِکْ لِزَیْنِ الْعَابِدِیْنَ

مَحْبُوْسُ اَیْدِیْ الظَّالِمِیْنَ فِی الْمَوْکَبِ وَالْمُزْدَحَم

ترجمہ: (۱) جن کا چہرۂ انور شمس الضحیٰ ہے اور جن کے رخسار بدرالدجیٰ ہیں، جن کی ذات نورِ ہدایت ہے اور جن کی کفِ دست جود و کرم کا سمندر ہے

(۲) یا رحمۃ للعلمین، آپ شفیع المذنبین ہیں، ہمیں قیامت کے دن فضل و جود و کرم سے عزت بخشئے

(۳) یا رحمۃ للعلمین زین العابدین کی مدد فرمایئے وہ ظالموں میں گرفتار ہے اور حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہے۔

غرض آیت کا مفہوم یہ لیا جائے، کہ میرے محبوب و رسول ﷺ کو اس طرح نام لے کر یا کنیت وغیرہ کے حوالے سے مت پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو بلکہ ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا داد کمالات کے حوالے سے القاب کا ذکر کر کے پکارو۔ قرآن پاک نے خود یہی طریقہ سکھایا بلکہ آسمانی کتابوں میں حضور ﷺ کے جو کثیر التعداد اسماء والقاب وارد ہوئے اور جن کا ذکر عیسائیت و یہودیت سے توبہ کر کے دامن اسلام میں پناہ لینے والے سابق عیسائی و یہودی علماء کی روایات کے مطابق حدیث کی کتابوں میں آیا ہے، کا ایک مقصد یہی لگتا ہے کہ اہل دنیا ان اسماء نبویہ کو ازبر کر کے انہیں کے حوالے سے برکت و رحمت مانگا کریں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا یہی معمول رہا ہے۔ ہم اوپر یہ عرض کر آئے ہیں کہ خطاب میں جہاں کہیں 'یا محمد' ﷺ اور 'یا احمد' ﷺ آیا

مَحْبُوْسٌ اَیْدِیْ الظَّالِمِیْنَ فِیْ الْمَوْکَبِ وَالْمُزْدَحم

ترجمہ: (۱) جن کا چہرۂ انور شمس الضحیٰ ہے اور جن کے رخسار بدرالدجیٰ ہیں' جن کی ذات نورِ ہدایت ہے اور جن کی کفِ دست جود و کرم کا سمندر ہے

(۲) یارحمۃ للعلمین' آپ شفیع المذنبین ہیں' ہمیں قیامت کے دن فضل و جود و کرم سے عزت بخشئے

(۳) یارحمۃ للعلمین زین العابدین کی مدد فرمایئے وہ ظالموں میں گرفتار ہے اور حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہے۔

غرض آیت کا مفہوم یہ لیا جائے، کہ میرے محبوب ورسول ﷺ کو اس طرح نام لے کر یا کنیت وغیرہ کے حوالے سے مت پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو بلکہ ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خداداد کمالات کے حوالے سے القاب کا ذکر کرکے پکارو۔ قرآن پاک نے خود یہی طریقہ سکھایا بلکہ آسمانی کتابوں میں حضور ﷺ کے جو کثیر التعداد اسماء والقاب وارد ہوئے اور جن کا ذکر عیسائیت و یہودیت سے توبہ کرکے دامن اسلام میں پناہ لینے والے سابق عیسائی و یہودی علماء کی روایات کے مطابق حدیث کی کتابوں میں آیا ہے، کا ایک مقصد یہی لگتا ہے کہ اہل دنیا ان اسماء نبویہ کو ازبر کرکے انہیں کے حوالے سے برکت ورحمت مانگا کریں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا یہی معمول رہا ہے۔ ہم اوپر یہ عرض کر آئے ہیں کہ خطاب میں جہاں کہیں 'یا محمد' ﷺ اور 'یا احمد' ﷺ آیا

ہے وہاں بھی نعت ہی مقصود ہے یعنی اے وہ ذات پاک جس کی رب نے بار بار تعریف فرمائی ہے۔ اے وہ ذات پاک جس نے اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف فرمائی ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا یہ معمول مقدس تابعین تک اور پھر ان کے ذریعے ساری امت تک پہنچا۔ ہر ایک نے نئے نئے اور اچھے اچھے القاب کا ذکر کر کے بارگاہ محبوب ﷺ میں سلام پیش کیا ہے یا فریاد کی ہے۔ یہاں مثال کے طور پر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قصیدۃ النعمان میں ذکر ہونے والے چند القاب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یَاسَیِّدَ السَّادَاتِ (اے سرداروں کے سردار)، یَا خَیْرَ الْخَلَائِقِ (اے بہترین خلائق) یَا عَلَمَ الْھُدٰی (اے ہدایت کے نشان) یا طٰہٰ 'یا بقول بعض اے طاہر، اے ہادی) یا یٰسٓ (اے یٰسٓ) یَا مُدَّثِّرُ (اے جھرمٹ مارنے والے) یامالکی (اے مرے مالک) یا اکرم الثقلین (اے جن وانس میں سب سے زیادہ معزز) یا کنز الورٰی (اے ساری مخلوق کے خزانے)

یونہی یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ شیخ سعدی، مولانا جامی اور دوسرے بڑے بڑے بزرگ اور شاعر علیہم الرحمہ اس ارشاد ربانی کی تعمیل میں نئے نئے القاب سے محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کو پکارتے رہے۔ اعلحضرت فاضل بریلوی کی ساری شاعری اسی جذبۂ ادب وعشق کی آئینہ دار ہے، مثلاً (چند شعر)

سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے

باغِ خلیل کا گُلِ زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں
جانِ مراد و کانِ تمنا کہوں تجھے
گلزار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے
صبحِ وطن پہ شامِ غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے
اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلا کہوں تجھے
بےداغ لالہ یا قمر بے کلف کہوں
بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے
مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں
تاب و توانِ جانِ مسیحا کہو ں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
کہہ لے گی سب کچھ اُن کے ثنا خواں کی خامشی

چپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

دوسرا مفہوم: پہلے مفہوم کے مطابق دعاء الرسول کا ترجمہ تھا 'تمہارا رسول کو پکارنا' ﷺ دوسرے مفہوم کے مطابق اس کا ترجمہ ہوگا رسول اللہ ﷺ کا تمہیں بلانا، یعنی پہلے مفہوم کے مطابق امت کو یہ سبق سکھایا گیا کہ اپنے والی ﷺ کو ادب سے پکاریں، اور دوسرے مفہوم کے مطابق یہ تلقین کی گئی کہ رسول ﷺ کا حکم کسی دوسری شخصیت کا حکم نہیں بلکہ اللہ کا حکم ہے۔ باپ، دادا، استاد، پیر وغیرہم کی پکار کی اور حیثیت ہے اور ان کے حکم کی تعمیل کا اپنا مقام ہے مگر حضور رسول خدا ﷺ کے بلانے کو اللہ کا بلانا جانو اور اس کی فوری تعمیل نہ کرنا گویا، کسی حد تک خدا سے بغاوت ہے۔

یہ مضمون کہ اللہ کی رضا حضور کی رضا میں ہے اور حضور (ﷺ) کا فعل اللہ کا فعل ہے دوسری بہت سی آیات میں بھی ہے مثلاً

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ج

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائے جو تمہیں زندگی بخشے گی۔

ظاہر ہے اللہ بھی بلائے تو بلا واسطہ نہیں بلکہ حضور پر نور ﷺ کے واسطے

سے بلاتا ہے،لہٰذا حضور ﷺ کا بلانا اللہ کا بلانا ہے (جیسے حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے) رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کی اہمیت تو اس آیت سے ظاہر ہے مگر اس کی عملی تفسیر حدیث سے واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام نے آواز دی، جلدی سے نماز کو پورا فرما کر حاضر ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ تم کو حاضری میں دیر کیوں ہوئی۔ عرض کیا نماز میں تھا، فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی (اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ) جس سے معلوم ہوا کہ نمازی پر لازم ہے کہ نماز چھوڑ کر حضور ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو جائے، بہت سے فقہا نے فرمایا ہے کہ نمازی بحالت نماز حضور ﷺ کی خدمت میں بلانے پر حاضر ہو جائے جو خدمت فرمائیں، اس کو پورا کرے پھر بھی نماز ہی میں ہے۔ (شان حبیب الرحمٰن)

اشارتاً یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تعمیلِ فرمان ہی زندگی کا اصل سبب ہے۔

تیسرا مفہوم: دعاء الرسول کا ایک اور مفہوم ہے رسول اللہ ﷺ کی دعائے قہر و غضب، یہ بھی سیاق وسباق کے عین مطابق ہے۔ اس سے پہلی آیت (یعنی سورۃ النور کی آیت نمبر ۶۲) کے ترجمے پر غور کیجئے۔

"ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر
یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر
ہوئے ہوں جس کے لئے جمع کئے گئے ہوں تو نہ جائیں جب

تک ان سے اجازت نہ لے لیں، وہ جو تم سے اجازت مانگتے
ہیں، وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پھر
جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لئے تو ان میں
جسے تم چاہو، اجازت دے دو اور ان کے لئے اللہ سے معافی
مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے" (کنزلایمان)

یعنی مومنوں کی علامت یہ ہے کہ وہ آپ سے اجازت لے کر آپ کی مجلس شریف سے جاتے ہیں اور منافق یونہی بغیر پوچھے اٹھ جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی سوچیں مومن کتنے خوش نصیب ہیں کہ خود اللہ اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ان کی شفاعت کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ (واستغفرلھم)

یوں اللہ کے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام بلکہ محبوبوں کی سب دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر اس دعا کا کیا کہئے جو خود دعا قبول کرنے والے غفور و رحیم کے حکم سے کی جائے، بلکہ الفاظ یہ بھی ظاہر کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت غفور اور رحیم ہے مگر اس کے غفار اور رحیم کی شان اس وقت بالکل نمایاں ہو جاتی ہے جب اُس کے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کسی کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اب اس آیت جس کا ابتدائی حصہ ہمارا عنوانِ کلام ہے، کے باقی الفاظ بھی دیکھ لیں (یعنی ساری آیت یوں ہے)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ
فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥ (النور:٦٣)

ترجمہ: رسول کے پکارنے کو (یادعاکو) آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے (یا ایک دوسرے کو دعادیتا ہے) بے شک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے

اہل محبت اس انداز محبت پر کیوں نہ قربان ہو ہو جائیں، دعائیں قبول فرمانے والا شہنشاہ حقیقی ایک طرف اپنے حبیب مکرم ﷺ کو مومنوں کے لئے دعائے بخشش کا حکم دے رہا ہے کہ یہ اس کے محبوب ومطلوب ﷺ کے وفادار غلام ہیں اور دوسری طرف اسی محبوب ﷺ سے بغض رکھنے والوں کو اپنے حبیب اکرم ﷺ کی دعائے غضب وہلاکت سے ڈرارہا ہے۔اور کس وضاحت سے گویا اعلان فرمارہا ہے کہ جن کو حضور پرنور ﷺ دعا سے نوازیں، انہیں کوئی خطرہ نہیں (وہ اس دعائے رحمت سے زمرۂ لا یحزنون میں داخل ہوگئے ہیں) اور جن کے حق میں یہ مدنی مکی ماہی، ناراض ہوکر دعائے قہر وغضب فرمادیں، ان کو کہیں امان نہیں مل سکتی

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

آئندہ قسط میں حضور ﷺ کی چند دعاؤں کے اثرات پیش کئے جائیں گے

(انشاءاللہ العزیز)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

43

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذشتہ قسط میں 'دعاء الرسول' کا ایک مفہوم بتایا گیا تھا 'رسول اللہ ﷺ کی دعائے غضب و ہلاکت' اور پورے قرآنی جملے سے یہ مراد بیان کی گئی تھی کہ 'رسول (ﷺ) کی دعائے غضب و ہلاکت کو اس طرح نہ ٹھہرالو جس طرح ایک دوسرے کو بددعا دیتے ہو'۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی ترکیب 'دعاء الرسول' سے دعائے غضب کی اہمیت ہی واضح نہیں ہوتی بلکہ حضور ﷺ کی دعائے رحمت و برکت بھی اپنی مثال آپ ہے۔ بالفاظ دیگر حضور پرنور ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم اور رسول مکرم ہونے کی حیثیت سے اس وجاہت و منزلت کے حامل ہیں کہ کسی کے حق میں دعا فرما دیں تو اس کی برکات و ثمرات کا جواب نہیں اور کسی کے خلاف دعا کر دیں تو بھی اس کے ہلاکت انگیز اثرات سے کسی کا بچنا ممکن نہیں۔ گذشتہ قسط کے آخر میں حضور پرنور ﷺ کی چند دعاؤں کے ثمرات و اثرات بیان کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، سو سنئے، پہلے غضب و ہلاکت کی دعاؤں کے اثرات، پھر رحمت و برکت کی دعاؤں کی برکات۔

۱......**عتبہ بن ابی لہب کا انجام:** ابولہب کے بیٹے عتبہ نے بدتمیزی کی تو

حضور پرنور ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا

یعنی اے اللہ اس پہ ایک کتا مسلط فرما دے

ابن اسود کا بیان ہے کہ ہم روانہ ہوئے تا آنکہ مقام حشرات میں اترے۔ یہ مقام شیروں کی آماجگاہ ہے۔ ابولہب نے ہم سے کہا تم میری عمر رسیدگی اور حق کو جانتے ہو اور یہ بھی تمہیں پتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کے حق میں دعائے ہلاکت کی ہے جس کی وجہ سے مجھے دھڑکا لگا ہوا ہے۔ تم اپنا سارا مال و متاع اس عبادت گاہ کے پاس جمع کرو اور میرے بیٹے کے لئے بچھا دو، پھر آس پاس اپنے بستر لگا لو۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ رات کے وقت ایک شیر آیا جس نے ہمارے منہ سونگھے۔ جب اپنا مقصود ہاتھ نہ آیا تو اچھل کر سامان کے اوپر آ گیا۔ پھر عتبہ کا منہ سونگھ کر اسے چیر پھاڑ ڈالا اور چلا گیا۔ ابولہب بولا، محمد (ﷺ) کی دعا ٹلتی نہیں ہے۔

۲.....**قریش کے لئے دعائے عذاب:** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قریش نے نبی اکرم ﷺ کی سخت مخالفت اور نافرمانی کی اور اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی تو آپ ﷺ نے دعا مانگی 'اے اللہ! ان قریش کے مقابلے میں میری مدد فرما اور ان پر سات برس کا قحط نازل فرما جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں نازل فرمایا تھا۔ چنانچہ ایسا سخت قحط آیا کہ قریش مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بھوک کی وجہ سے انھیں آسمان و زمین کے درمیان دھواں سا نظر آتا تھا، بعد از اں انھوں نے دعا کی

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ عذاب دور کر دے،
ہم ایمان لاتے ہیں۔

بارگاہ خداوندی سے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا اگر ہم ان سے عذاب دور کر دیں تو یہ پھر سرکشی پہ آمادہ ہو جائیں گے، چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق جب ان سے عذاب ہٹایا گیا تو وہ دوبارہ کفر کا ارتکاب کرنے لگے، پس اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان سے انتقام لیا بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پر نور ﷺ نے دوبارہ ان کی سرکشی دیکھی تو پھر وہی دعا فرمائی اور پھر ان کا وہی حال ہوا۔ پھر جب ابوسفیان نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر آپ کی رحمت کے حوالے سے بات کی تو دریائے رحمت جوش میں آ گیا، بارش کا سلسلہ دراز ہوا اور قحط سالی دور ہو گئی۔

گویا قحط کا یہ واقعہ دو بار ہوا۔ جناب ابوسفیان کا لات وعزیٰ کو چھوڑ کر بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں پناہ لینا اس بات کی علامت تھی کہ وہ اپنے بتوں سے مایوس ہو گئے تھے نیز سچے خدا کی رحمت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حبیب کریم ﷺ سے دعا کرائی جائے۔

امام زینی دحلان مکی سیرت النبی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہم ایک دن حضور ﷺ کے ہمراہ حرمِ پاک میں تھے۔ حضور پر نور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم کے قریب ہی کچھ لوگوں نے (کچھ عرصہ

پہلے) اونٹ ذبح کئے تھے اور ان کے اوجھ پڑے تھے۔ ابو جہل نے کہا' کون ایسا ہے جو یہ اوجھ اور غلاظت اٹھا کر لے آئے اور جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائیں تو ان کی گردن اور پشت پر ڈال دے'؟ بد بخت عتبہ بن ابی معیط اٹھا اور یہ اوجھ اور گندگی اٹھا کر لے آیا، جب حضور پرنور ﷺ سجدہ ریز ہوئے تو اس نے یہ گندگی پشت اقدس پر ڈال دی۔ کفار یہ منظر دیکھ کر قہقہے لگانے لگے اور ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' یہ سارا منظر آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، اگر میرا بس چلتا تو میں اس بوجھ کو آپ کے پشتِ اقدس سے اتار دیتا۔ اتنے میں کسی نے اس بات کی خبر سیدہ فاطمہ الزہرا علیٰ ابیہا وعلیہا السلام کو دے دی۔ آپ تشریف لائیں، حضور نبی اکرم ﷺ اب تک سجدے میں تھے۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے اوجھ اتاری اور ان کفار کو برا بھلا کہنے لگیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اٹھ کر دعا فرمائی۔

اے اللہ! مضر پر اپنا سخت عذاب نازل فرما اور ان پر ایسا قحط اتار جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اترا تھا۔ یا اللہ ابو جہل بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، عقبہ بن ابی معیط، عمارہ بن ولید، امیہ بن خلف کو اپنی گرفت میں لے لے۔

کفار نے یہ دعائے قہر سنی تو ان کے لبوں سے مسکراہٹ چھن گئی اور انتہائی خوفزدہ ہو گئے (کیونکہ انھیں یقین تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا کا حرف حرف قبول فرمایا۔

۳...... ابن قمیئہ اور عتبہ بن ابی وقاص کا انجام: غزوہ احد میں عبداللہ

بن قمیئہ نے حضور اکرم ﷺ کی طرف تیر پھینک کر کہا "لو یہ تیر میں عبداللہ بن قمیئہ ہوں" نبی اکرم ﷺ نے چہرہ انور سے خون صاف کرتے ہوئے فرمایا

اَقْمَأَکَ اللّٰہُ

یعنی اللہ تجھے ذلیل کرے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بیل مسلط کر دیا جس نے اس کے ساتھ سر ٹکرا ٹکرا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اسی طرح عتبہ بن ابی وقاص نے حضور پرنور ﷺ کے دانت شہید اور چہرۂ انور زخمی کیا تو زبانِ رسالت سے اس مفہوم کی دعا نکلی "اے اللہ! اس پر سال نہ گزرنے پائے کہ یہ حالتِ کفر میں مرجائے، چنانچہ بالکل یونہی ہوا۔

غزوہ خندق کے موقع پر دعا: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت کے مطابق حبیب کبریا ﷺ نے کفار کے متحدہ لشکروں کے متعلق یوں دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتٰبِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اِھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اِھْزِمْھُمْ وَ زَلْزِلْھُمْ

ترجمہ: اے اللہ، اے کتاب نازل فرمانے والے، جلد حساب لینے والے! ان لشکروں کو شکست دے، اے اللہ انھیں ہزیمت سے دوچار کر اور ان کو ہلا کر رکھ دے

ایک اور روایت کے مطابق یہ دعا بھی فرمائی:

یَا صَرِیْخَ الْمَکْرُوْبِیْنَ یَا مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّیْنَ اکْشِفْ ھَمِّیْ

وَغَمِّیْ وَ کَرْبِیْ فَاِنَّکَ تَرٰی مَا نَزَلَ بِیْ وَ بِاَصْحَابِیْ

ترجمہ: اے مصیبت زدوں کے فریادرس! اے مجبوروں کی دعا قبول کرنے والے! میری پریشانی، غم اور تکلیف کا ازالہ فرما، تو مجھ پر اور میرے اصحاب پر نازل ہونے والی مصیبت کو دیکھ رہا ہے

مسلمانوں نے اس موقع پر عرض کیا "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! کیا ہم بھی کچھ عرض کریں اب تو جان گلے تک آگئی ہے چونکہ مشرکین کی تعداد کہیں زیادہ ہے، حضور پرنور ﷺ نے فرمایا "ہاں! کہو، اے اللہ! ہماری کوتاہیوں پر پردہ ڈال اور ہمیں خطرات سے محفوظ فرما۔

اسی اثنا میں حضرت جبریل علیہ السلام حضور پرنور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ کفار کے مقابلے میں تیز آندھی اور غیبی لشکر بھیجنے والا ہے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی اطلاع دی اور ہاتھ اٹھا کر کہا "اے اللہ تیرا شکر ہے پس اللہ تعالیٰ نے کفار پر تیز آندھی اور فرشتوں کی فوج بھیجی اور بلا قتال ہی کفار کو شکست فاش دی۔ ہوا نے میخیں زمیں سے اکھاڑ ڈالیں۔ آگیں بجھادیں، ہانڈیاں الٹ دیں، خیمے گرادیئے، ریت کے ٹیلوں کو اڑا کر ان پر ڈال دیا نیز ان پر کنکریوں کی بارش کر دی، چھاؤنی کے مختلف اطراف سے نعرۂ تکبیر کی صدائیں اور تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں آنے لگیں، جس کی وجہ سے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

حفیظ جالندھری مرحوم کے چند متفرق اشعار

طنابیں چرچرائیں ، چوب لہرائی ، اڑا خیمہ
غبار ابھرا ، غبارہ بن کے اٹھا اور گرا خیمہ
ابوسفیاں نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے کیا دیکھا
مقدر لشکرِ احزاب کا پلٹا ہوا دیکھا
رواں تھا ایک سیلاب عظیم الشان آندھی کا
اچانک آ پڑا فوج پر طوفان آندھی کا
اڈتی ، دوڑتی ، اٹھتی ہوئی ، بڑھتی ہوئی آندھی
زمیں کو روندتی ، افلاک پر چڑھتی ہوئی آندھی
توے الٹے، اُندھیں چولھوں میں ہنڈیاں، بجھ گئیں آگیں
جھلس کر رہ گئے منہ اور کپڑوں میں لگیں آگیں
طمانچے کنکروں کے اور مٹی کے تھپیڑے تھے
مسلسل پے بہ پے خوف اور دہشت کے دریڑے تھے
یہ آندھی کپکپاتی برف کی سردی بھی لائی تھی
ہزاروں وسوسے لائی تھی، نامردی بھی لائی تھی
ستم ڈھائے تھے جتنے بھی مسلمانوں کی جانوں پر
وہ آندھی بن کے چھائے تھے زمینوں آسمانوں پر
نظر آتی تھی اک جھونکے میں صد پاداش کی صورت
اندھیرے میں ابوسفیاں کھڑا تھا لاش کی صورت

تصور میں ہوا محسوس اپنا سانس بند اس کو
تو اپنی ہی رگِ گردن نظر آئی کمند اس کو
نہ چولھا تھا ، نہ ہنڈیا تھی ، نہ خیمہ تھا ، نہ ڈیرا تھا
فقط دہشت ہی دہشت تھی ، اندھیرا ہی اندھیرا تھا
خیال آیا ابوسفیاں کو اپنی حالت بد کا
وہ سمجھا قول پورا ہونے والا ہے ، محمد ﷺ کا
اندھیری رات میں آندھی کے آگے سب کے سب بھاگے
اس سے دس قدم کے آگے ، یہ اس سے دس قدم آگے
اڑا کر لے گئی اندھوں کو آندھی اس اندھیرے میں
سحر تک خاک اڑتی رہ گئی باطل کے ڈیرے میں

عامر بن طفیل پر قہر:ابن اسحاق کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم نور مجسم ﷺ کی خدمت میں بنی عامر کا ایک وفد آیا جس میں عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور خالد بن جعفر جیسے قوم کے شریر ترین سردار تھے۔ عامر نے اربد کو کہہ رکھا تھا کہ میں محمد (ﷺ) کو باتوں میں لگاؤں گا، تم تلوار کا وار کر دینا۔ چنانچہ عامر نے کہا مجھے تنہائی میں کچھ وقت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' پہلے اللہ وحدہٗ کی ذات پر ایمان لاؤ'۔ اس نے کہا' بخدا میں آپ کے مقابلے میں گھڑسوار اور پیادہ لشکر لے کر آؤں گا. وہ لوٹ کر گیا تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰهُمَّ الْعَنْ عَامِرَ ابْنَ طُفَيْل

یعنی اے اللہ عامر بن طفیل پر لعنت بھیج

جاتے ہوئے عامر نے اربد سے کہا"تو نے میرے منصوبے پر عمل کیوں نہ کیا" وہ بولا بخدا میں نے ارادہ کیا ہی تھا کہ تم میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آ گئے تو کیا میں تم پر وار کر دیتا۔ بعد ازاں واپسی کے اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کے گلے میں طاعون کا مرض پیدا کر دیا اور وہ بنی سلول کی ایک عورت کے گھر میں مر گیا۔ اس کے ساتھی جب بنی عامر کے علاقے میں پہنچے تو قبیلے کے لوگوں نے پوچھا' اربد! اپنے پیچھے کیا خبر چھوڑ آئے ہو؟ اس نے کہا' محمد (ﷺ) نے ایک ایسی ہستی کی عبادت کی دعوت دی ہے کہ میں نے دل میں کہا' کاش وہ ہستی میرے قریب ہو تو میں اپنے نیزے کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو جاؤں۔ اس بیہودہ گفتگو کے ایک یا دو دن بعد وہ اپنا اونٹ فروخت کرنے کے لئے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گرادی اور دونوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ (ابونعیم)

کسریٰ کی ہلاکت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے کسریٰ (شاہ ایران) کی طرف گرامی نامہ بھیجا تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ حضور پر نور ﷺ نے اہل ایران کے لئے دعائے غضب فرمائی کہ پارہ پارہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں پارہ پارہ فرما دیا۔ (بخاری)

'امام احمد زینی دحلان' نے سیرت النبی ﷺ میں ہلاکت کسریٰ کی روایات کا خلاصہ یوں تحریر فرمایا ہے نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے کسریٰ کی ہلاکت کی

خبر اسی روز کسریٰ کے ایلچی کو (مدینہ شریف میں) دی۔ واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مکتوب گرامی کسریٰ کو ارسال فرمایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ کسریٰ نے حالتِ غضب میں یمن کے حاکم باذان کو پیغام بھیجا کہ مکہ میں ایک قریشی شخص کا ظہور ہوا ہے جو نبی ہونے کا مدعی ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ اپنے دعویٰ نبوت سے توبہ کرے۔ پس اگر توبہ کرے تو ٹھیک، ورنہ اس کا سر کاٹ کر میری طرف بھیجو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسریٰ نے اپنے عامل کو لکھا کہ اگر تم نے اس شخص کا بندوبست نہ کیا جس نے تمہارے علاقے میں ظہور کیا ہے اور مجھے دین کی دعوت دے رہا ہے تو میں تمہارے ساتھ برا سلوک کرنے والا ہوں۔ تم اس کی طرف دو مضبوط آدمی بھیجو جو اسے پکڑ کر لے آئیں۔ چنانچہ باذان نے کسریٰ کا خط اپنے نمائندے اور ایک ایرانی کے ہاتھ دے کر بھیجا اور کہا کہ آپ ان دو ایلچیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس جائیں۔ وہ دونوں ایلچی روانہ ہوئے، جب طائف کے علاقے میں پہنچے تو وہاں ایک قریشی سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پوچھنے پر قریشی نے بتایا کہ محمد (ﷺ) مدینہ منورہ میں ہیں۔ یہاں حاضر ہو کر انھوں نے اپنا مقصد عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ نہ گئے تو کسریٰ آپ اور آپ کی قوم کو (معاذ اللہ) ہلاک کر دے گا اور سارا علاقہ تہس نہس ہو جائے گا وہ دونوں ایلچی فارسی لباس میں ملبوس تھے۔ ان کے داڑھیاں صاف اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ جس کی وجہ سے آپ نے انھیں دیکھنا پسند نہ فرمایا، ارشاد فرمایا جاؤ، کل آنا۔ اگلے دن حضور ﷺ نے انھیں بلوا کر کسریٰ کے قتل کی خبر دی اور

پھران کو اس خبر کے ساتھ باذان کی طرف بھیج دیا۔ادھر شیرویہ یعنی کسریٰ کا بیٹا جس نے اسے قتل کیا تھا، کی طرف سے اس کی ہلاکت اور اپنی تخت نشینی کی چٹھی بھی وصول ہوگئی۔باذان نے اسی غیبی خبر کی صداقت دیکھ کر اپنے ساتھیوں سمیت اسلام قبول کرلیا

ایک وہم کا ازالہ: اس قسم کی چند دعائیں اور بھی ہیں مگر ان سب کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ ہاں ان کے مقابلے میں حضور پرنور ﷺ کی رحمت انگیز و برکت خیز دعائیں بے شمار ہیں۔اس لئے آپ رحمۃ للعلمین اور سارے جہانوں کی رحمت و برکت کا منبع ہیں۔بار ہا ایسا ہوا کہ بہت سے قبائل نے یا افراد نے اذیت پہنچائی مگر حضور پرنور جانِ رحمت و برکت ﷺ نے انھیں ان کی پوری حماقت و جہالت و سفاہت کے بدترین مظاہرے پر بھی انھیں دعا ہی سے نوازا اور پھر اس دعا کی قبولیت کا ظہور بھی ہوا۔

اگر ان چند مقامات پر جن میں حضور پرنور ﷺ نے کسی کو دعائے قہر و غضب دی غور کریں تو یہ حقیقت کھل کے سامنے آجائے گی کہ دراصل یہ بھی رحمت کا تقاضا تھا۔ کیونکہ ایسی دعا سے اگر ایک دو آدمی قہر و غضب کا شکار ہوئے تو دوسروں کو عبرت و نصیحت حاصل ہوئی اور ظلم و گستاخی سے بچ گئے اور راہِ راست پر آگئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے نکلے ہوئے چند الفاظِ دعا اثر دکھا گئے تو یہ بھی اس کی صداقت کی دلیل اور اس کے بھیجنے والے اللہ کے قادر مطلق ہونے کی دلیل ہے۔ ہاں ہاں نبوت کا دعویٰ سچا ہی تو ہے اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خدا اس کی ایک ایک بات کی لاج رکھتا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گستاخوں اور دشمنوں کو قرار واقعی سزا دے کر اپنے شرک کے مقابلے میں توحید کا مضمون

واشگاف کر دیتا ہے۔ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے وہ نبی کیسا جس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اس کی صداقت کا اعلان نہ کرے اور وہ خدا کیسا جو اپنے نبی کے گستاخوں اور دشمنوں کو بھی سزا نہ دے سکے یہی وجہ ہے کہ **لا تجعلوا دعاء الرسول**............الخ میں منافقوں اور دشمنوں کو وارننگ دی گئی ہے۔

پھر جس طرح حضور پر نور ﷺ کی دعائے ہلاکت جیسی مہلک چیز کوئی نہیں، یونہی ان کی دعائے رحمت جیسی کوئی چیز بابرکت نہیں، آیئے اب چند ایسی دعاؤں کی رحمت آفرینی کا جلوہ دیکھیں۔ (اگر چہ ایسی دعاؤں کی گنتی کسی انسان کے بس میں نہیں، جیسا کہ ابھی ابھی اوپر گزرا)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے ہدایت: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی

اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ اَوْ اَبِیْ جَهْلٍ (طبرانی، حاکم)

ترجمہ: اے اللہ! عمر یا ابوجہل کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جمعرات کو یہ دعا ہوئی اور جمعہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو گئے (طبرانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم ﷺ نے تین بار ان کے سینے پر دست اقدس مارا اور دعا فرمائی 'اے اللہ! عمر کے سینے سے کینہ نکال دے اور اسے ایمان سے بھر دے (طبرانی اوسط اور حاکم بسند صحیح)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے لئے دعائے تثبیت: حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ مجھے یمن کی طرف قاضی کے فرائض سرانجام دینے کے لئے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نوجوان ہوں اور مجھے قضا کی ذمہ داریوں کا علم نہیں۔ حضور ﷺ نے میرے سینے پر دست اقدس مار کر دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ وَ ثَبِّتْ لِسَانَہٗ

یعنی اے اللہ علی کے دل کو ہدایت دے اور اس کی زبان کو پختگی عطا فرما۔

(چنانچہ) اس مولا کی قسم جو دانے کو پھاڑتا ہے، اس کے بعد مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی اضطراب وتردد نہیں ہوا (ابن سعد) (الترغیب والترہیب امام منذری ج:۴، ص:۱۳۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے برکت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ (بخاری، مسلم) یعنی اللہ تمھیں برکت دے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اگر میں پتھر اٹھاؤں تو مجھے امید ہے کہ اس کے نیچے سے مجھے سونا یا چاندی ملے آپ کا ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں وصال شریف ہوا تو کدال سے ان کے ترکے کا سونا کھودا گیا جس کی وجہ سے ہاتھ زخمی ہو گئے اور ان کی چار بیویوں میں سے ہرایک

نے آٹھویں حصے میں سے چوتھائی حصہ اسی ہزار دینار لئے۔(بلکہ ایک روایت کے مطابق ہر بیوی کا حصہ ایک لاکھ دینار تھا) ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دینار راہ خدا میں دینے کی وصیت فرمائی تھی۔ایک وصیت کے مطابق امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو ایک باغ دیا گیا جس کی قیمت چار لاکھ پڑی۔ وصیت میں باقیماندہ بدری حضرات (جن کی تعداد اس وقت یک صد تھی) چار سو دینار فی کس دیا گیا۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ حصہ بطور بدری وصول فرمایا۔

یہ سب داد و پیش ان کے علاوہ تھی جو وہ اپنی ظاہری حیات میں صدقہ کر چکے ہیں۔انھوں نے ایک بار ایک دن میں تیس غلام آزاد کئے۔ایک بار سات سو اونٹوں کا تجارتی سامان، سامان خورد و نوش سب کا سب راہ خدا میں دے دیا۔ ایک بار انھوں نے اپنے مال کا ایک حصہ تصدق فرمایا۔ جو چار ہزار تھا، پھر صدقہ کیا جو چالیس ہزار درہم کا تھا، پھر چالیس ہزار دینار خرچ کئے پھر پانسو گھوڑے پھر پانسو اونٹ فی سبیل اللہ تصدق کئے۔

ایک روایت کے مطابق جب حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے صدقے کی ترغیب دی تو وہ چار ہزار درہم لے آئے اور عرض کیا 'یارسول اللہ! میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے جن میں سے چار ہزار درہم اپنے پروردگار کو قرض دیئے ہیں اور چار اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لئے ہیں۔یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اللہ تمہارے دیئے ہوئے اور بچائے ہوئے مال میں برکت دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں بڑی برکت دی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی دعائے قبولیت: افضل الاصحاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا' اے اللہ سعد کا تیر نشانے پر لگا، ان کی دعا قبول فرما اور انھیں محبوب بنادے، چنانچہ اس کے بعد اللہ نے ان کی ہر دعا قبول فرمائی، وہ محبوب ہو گئے اور ان کا تیر کبھی خطا نہ ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعائے حکمت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے میرے لئے دعا فرمائی۔ اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما (بخاری ومسلم)

ایک اور روایت کے مطابق ''حضور نبی اکرم ﷺ نے میرے سر پر دست اقدس پھیر کر مجھے حکمت کی دعا دی (احمد، ابونعیم) چنانچہ یہ دعا خطا نہ گئی

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے برکت:

عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم نور مجسم ﷺ حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت کوئی چیز بیچ رہے تھے۔ حضور پرنور ﷺ نے دعا فرمائی،' اے اللہ! اس تجارت میں برکت عطا فرما۔ اس کے بعد انھیں بہت نفع ہوتا تھا۔ (ابن ابی شیبہ، بیہقی)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے لئے دعا برائے نفع تجارت

حضور پرنور ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو ایک دینار دے کر قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا۔ انھوں نے جانور خریدا پھر اسے دو دیناروں

سے بیچ دیا۔ پھر ایک دینار کا جانور خرید کر حاضر ہو گئے اور دوسرا دینار بھی پیش کر دیا۔ حضور پرنور علیہ السلام نے تجارت میں برکت کے لئے دعا فرمائی۔ حکیم فرماتے ہیں 'میں بڑا خوش نصیب ہوں جو شئے بھی بیچتا ہوں، اس میں نفع حاصل کرتا ہوں۔ (ابن سعد)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے رحمت: قزوینی نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آغاز بعثت میں ابوجہل نے حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا تو انھوں نے اس بات کی شکایت نبی اکرم نور مجسم علیہ السلام سے کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ابوسفیان کے پاس جا کر بتاؤ۔ ابوسفیان انہیں ابوجہل کے پاس لے گئے اور کہا 'اسے اسی طرح تھپڑ مارو جس طرح اس نے تمہیں تھپڑ مارا ہے پس انھوں نے ابوجہل کے تھپڑ مارا اور واپس آ کر حضور نبی اکرم نور مجسم علیہ السلام سے یہ سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ علیہ السلام نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی 'اے اللہ! ابوسفیان کو اپنی رحمت کا حقدار ٹھہرانا'۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، 'مجھے ذرا شک نہیں کہ ابوسفیان کے ایمان لانے کا باعث حضور علیہ السلام کی یہی دعائے مبارک ہے۔ (سیوطی فی تحفۃ الابد)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے حکومت: حضور نبی اعظم وارحم علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا یوں فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتٰبَ وَمَكِّنْ لَهٗ فِي الْبِلَادِ وَقِهِ الْعَذَابَ (ابن سعد)

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو کتاب کا علم دے

انھیں حکومت عطا کر اور انھیں عذاب سے بچا۔

چنانچہ ان کی گورنری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہوئی اور آخر کار بیس سال خلافت پر متمکن رہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے کثرت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میری ماں نے حضور نبی اکرم نور مجسم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا' اپنے خادم انس کے لئے دعا فرمائیے تو حضور رحمت عالم ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَ بَارِکْ لَہٗ فِیْمَا اٰتَیْتَہٗ (بخاری)

ترجمہ: اے اللہ! انس کو کثرت سے مال و اولاد عطا فرما اور جو کچھ تو نے اسے دیا ہے اس میں برکت دے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم میرے پاس کثرت سے مال ہے اور اب میرے بیٹوں پوتوں کی تعداد سو (۱۰۰) سے بڑھ گئی ہے۔

ابن سعد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دعائے پاک کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں

اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَاَطِلْ عُمْرَہٗ وَ اَغْفِرْ لَہٗ

ترجمہ: اے اللہ! انس کے مال و اولاد کو بڑھا، ان کی عمر لمبی کر اور انھیں بخش دے۔

بیہقی کی روایت کے مطابق آپ کی عمر ننانوے برس ہوئی۔ (بیہقی) آپ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو بار پھل دیتا تھا، اس میں ریحان کا پھول تھا جو کستوری کی خوشبو دیتا تھا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے قوت: حضور نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی، اللہ تمہارے چہرے کو فتح و کامرانی سے ہمکنار فرمائے اور بالوں اور جسم میں برکت عطا فرمائے، چنانچہ جب ستر سال کی عمر میں ان کا وصال ہوا تو تروتازگی اور قوت میں پندرہ سال کے لگتے تھے۔ نہ ان کا بدن متغیر ہوا تھا نہ بالوں میں سفیدی آئی تھی (بیہقی)

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے آیت: حضرت طفیل بن عمرو دوسی مکہ مکرمہ آئے تو قریش کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر انھوں نے فیصلہ کرلیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات سنوں گا نہ ان سے گفتگو کروں گا، چنانچہ مسجد میں جاتے تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتے۔ اس کے بعد کا واقعہ انھیں کی زبانی سنئے۔

'ایک دن مسجد میں گیا تو حضور پرنور ﷺ کعبہ شریف کے پاس کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں بھی قریب کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا کچھ کلام سنا ہی دیا۔ وہ بہت عمدہ کلام تھا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ میں ایک عقلمند شاعر ہوں، مجھ پر کلام کا حسن و قبح پوشیدہ نہیں۔ آخر رکاوٹ کیا ہے کہ میں ان کا کلام سن لوں۔ عمدہ ہوا تو قبول کرلوں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ میں ٹھہرا رہا۔ حضور ﷺ جب گھر تشریف لے چلے تو میں بھی پیچھے پیچھے چل دیا۔ میں نے عرض کیا' آپ ﷺ کی قوم نے ایسی ایسی گفتگو کی ہے حضور اپنا نقطۂ نظر پیش فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ واللہ اس سے بہتر کلام اور اس سے زیادہ معتدل کوئی پیغام نہ سنا تھا۔ چنانچہ میں نے اسلام

قبول کرلیا۔ یہ بھی عرض کیا 'اے اللہ کے نبی! ﷺ میری قوم کے لوگ میری بات مانتے ہیں، اب ان کی طرف لوٹنے والا ہوں انھیں اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائے جو اس دعوت میں میری مدد کرے، چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کی

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَّہٗ اٰیَۃً

یعنی یا اللہ اس کے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے۔

پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہوا۔ کداء گھاٹی میں پہنچا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند روشنی پیدا ہوگئی۔ میں نے دعا کی 'اے اللہ! میرے چہرے کے سوا کسی دوسری چیز میں اسے ظاہر فرما، کہیں ایسا نہ ہو میری قوم (ترکِ دین کی سزا کے طور پر) اسے مثلہ سمجھ بیٹھے چنانچہ وہ روشنی میرے کوڑے کے سرے پر نمودار ہوگئی جیسے لٹکی ہوئی قندیل ہو۔

قوم نے قبولِ اسلام میں پس و پیش کی تو میں پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوا 'حضور ﷺ! قبیلہ دوس کے لوگ میری 'تبلیغ' پر غالب آگئے ہیں لہٰذا ان کے خلاف دعا فرمایئے۔ حضور ﷺ نے دعا یوں فرمائی

اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا، اِرْجِعْ اِلٰی قَوْمِکَ وَارْفِقْ بِھِمْ

ترجمہ: اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے، اے طفیل اپنی قوم کی طرف لوٹ جایئے اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے۔

چنانچہ میں دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ بنی دوس کے ستر اسی نومسلم گھرانوں کو لے کر خیبر

کے مقام پر حاضر خدمت ہوا۔ (بیہقی بروایت ابن اسحاق)

ابن جریر نے بحوالہ کلبی نقل کیا حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کا نام ذی النور پڑنے کا سبب یہی واقعہ ہے۔

دو بابرکت دعائیں: اب آخر میں حضور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو نہایت ہی بابرکت دعاؤں کا ذکر کرتے ہیں ان میں سے ایک حضور سیدہ خاتون جنت، ان کے شوہر نامدار سرکار حیدر کرار نیز ان دونوں کی اولاد پاک علیہم الرضوان کے بارے میں اور دوسری کا تعلق خصوصیت سے ان کے دونوں شہزادوں سے متعلق ہے۔

لیجئے پہلی دعا!۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے الفاظ میں

چوں با حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ترویج کرد دعا فرمود

جَعَلَ اللّٰهُ مِنْكُمَا الْكَثِيْرَ الطَّيِّبَ وَبَارَكَ فِيْكُمَا قَالَ أَنَسٌ فَوَ اللّٰهِ لَقَدْ أَخْرَجَ اللّٰهُ مِنْهُمَا الْكَثِيْرَ الطَّيِّبَ

ترجمہ: جب (حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا) نکاح حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ کردیا تو دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں سے بہت پاکیزہ نفوس پیدا فرمائے اور تم دونوں میں برکت رکھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم، حق تعالیٰ نے واقعی ان دونوں سے پاکیزہ نفوس نکالے۔

دوسری دعا جو امامین حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا

ترجمہ: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھے۔ (ترمذی)

نی اهل البیت و فی الدار

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

44

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور پرنور ﷺ کی چند دعاؤں کے ثمرات و اثرات آپ دیکھ چکے ہیں۔ظاہر ہے اللہ کے محبوب اعظم ﷺ کا محبوب اعظم ہونا ان چند کلمات سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو دعائے رحمت یا دعائے قہر وغضب کے طور پر ان کی زبان حق ترجمان سے نکلے۔ یہ بات بھی واضح کر دی گئی تھی کہ حضور پرنور ﷺ اگر کسی کی ہلاکت کی دعا فرماتے ہیں تو اس میں بھی رحمت کے بیشمار پہلو موجود ہوتے ہیں، کیونکہ ایسی دعا دوسروں کے لئے عبرت وموعظت کا سبق لئے ہوتی ہے، غرض رحمۃ للعلمین ہر حال میں رحمۃ للعلمین ہیں اور ہر وقت رحمۃ للعلمین ہیں۔گویا دعا کا فوراً منظور ہونا بھی رحمت کہ دیکھنے والوں نے دعا کرنے والے اور دعا منظور کرنے والے کا تعلق گویا آنکھوں سے دیکھ لیا

؎ منظور ہیں ابرو کے اشارے سے دعائیں
کب تیر کماندار نبوت کا خطا ہو

ہاں ان دعاؤں کے فوری اثرات سے مختلف اوقات میں ہزار ہا لوگ

ایمان لائے پھر جس شخص کے حق میں دعا ہے، اس کا حال خود اس کے لئے دو جہان کی کامیابی کا سبب اور دوسروں کے لئے ایمان افروز ہو گیا گویا اس میں بھی رحمت کا ایک پہلو، پھر دعا بظاہر جس کے خلاف ہے، اس کا عبرتناک انجام دوسروں کیلئے تنبیہ و احتیاط و توبہ کا سامان بن گیا۔

یہ ہے سارے جہانوں کے سردار، سارے نبیوں اور رسولوں کے امام، سب تاجداروں اور کشور کشاؤں کے فرمانروا اور سارے محسنوں اور مہربانوں کے سرخیل حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی دعاؤں کے رحمت بھرے نتائج، جن کا نہایت ہی مختصر سا حصہ آپ نے گذشتہ قسط میں دیکھا۔ اب آیئے محبوب اعظم و اکرم ﷺ کے نائبوں اور وارثوں کی دعاؤں کے اثرات کی طرف۔ یہ لوگ حضور اکرم و ادوم ﷺ کی اتباع کر کے خدا کے محبوب بن گئے جیسا کہ قرآن پاک نے خود اعلان فرمایا

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(آل عمران:۳۱)

ترجمہ: اے محبوب تم فرما دو! لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

ظاہر ہے محبّ اگر اللہ قادر مطلق ہے، تو محبوب حضور پرنور ﷺ کے وارث، نائب اور مطیع و متبع حضرات ہیں سوچو وہ کونسا محبّ ہے جو محبوب کی بات نہ مانے حدیث پاک میں محبت خداوندی کا ایک ثمرہ یہی قبولیت دعا فرمایا گیا ہے،

وَاِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ

(بخاری شریف)

ترجمہ: اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور میری پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں

گویا ؎

محبت کا یہ مطلب ہے کہ میں نے

وہی چاہا ہے جو کچھ تم نے چاہا!

بعض دفعہ اللہ کا یہ محبوب بظاہر گردش زمانہ کا اسیر نظر آتا ہے، اور دیکھنے والا انہیں سرسری نظر سے دیکھ کر انہیں (معاذ اللہ) نہایت حقیر سمجھ بیٹھتا ہے، حتیٰ کہ اس کی بات تک سننا گوارا نہ کرے اور اس کے لئے گھر کا دروازہ تک کھولنے کا روادار نہ ہو، مگر یہ دھوکا تو چشم ظاہر ہی کو ہوا ہے، اسی لئے حکیم الامت فرماتے ہیں ؎

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

حدیث پاک کے مطابق اسی قسم کے بظاہر 'کسمپرس' بندے کا حال اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ (مسلم)

ترجمہ: کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے بال بکھرے، جسم غبار آلودہ ہوتے ہیں، دروازوں پر دھکے کھانے والے، لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو وہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

پھر جب اس قسم کے بندے کی دعا بارگاہ رب العزۃ میں قبول ہو جاتی ہے اور اس سے صورتِ حال میں غیر متوقع بلکہ بعض دفعہ غیر ممکن نظر آنے والی تبدیلی آتی ہے تو ہر باشعور کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ایسے موقع پر جو شخص کچھ بھی خلوص رکھتا ہو، ایسے بندے کے اصل مقام سے ہی آگاہ نہیں ہوتا بلکہ قدرت خداوندی پر اس کا ایمان اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے، بلکہ وہ جو کسی ماورائی طاقت پر یقین رکھنا اپنے فلسفہ وسائنس کی روشنی میں 'غیر معقول' سمجھتے ہیں قبول دعا کے ایسے واقعات سے سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اگر ضد و تعصب نے ان کے سینے کو بالکل تاریک ہی نہ کر دیا ہو تو ضرور دائرۂ ایمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ غور کیجئے حضور پرنور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی دعاؤں سے جو اثرات مرتب ہوتے تھے، اپنی اپنی شان کے لائق اور اپنے اپنے انداز کے مطابق اولیاء اللہ جو ان کے سچے وارث و نائب ہوتے ہیں، کی دعاؤں سے ایسے ہی نتائج نکلتے ہیں۔ خیال فرمائیے تخت سلطنت پر ایک فرعون طبع جابر و قاہر شخص براجمان ہے، ہاں ہاں ایسا شخص جو بظاہر انسانوں کی تقدیر کا مالک بنا ہوا ہے اور کسی بڑے سے بڑے انسان کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ ایک دبلے پتلے فاقہ کش بیکس و کسمپرس نظر آنے

والے شخص کو چھیڑ بیٹھتا ہے وہ اس کے مقابلے میں کوئی لشکر نہیں لاتا، کسی کو اس کا سر لانے کا حکم نہیں دیتا (اور بظاہر ایسا ممکن ہی نہیں) کچھ نہیں کرتا اور کچھ نہیں کر سکتا، ہاں اپنے رب کو جس کے قادر مطلق ہونے پر اسے پورا پورا ایمان ہے، پکارتا ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے نہ وہ اقتدار رہتا ہے نہ اختیار، نہ تاج رہتا ہے، نہ تخت، کل تک جس لشکر کو اپنی طاقت کا راز سمجھتا تھا، اب وہی اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس جتھے کو اپنا باڈی گارڈ جانتا ہے اب وہی اسے ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ مل جائے تو پھانسی چڑھایا جائے۔ یہ تو ہے صورت اندرونی و داخلی انقلاب کی، یعنی ادھر بندۂ خدا نے دست دعا بلند کیا، ادھر رعایا کے دل پھر گئے اور چند لمحوں یا چند دنوں میں اہل وفا۔ بے وفا ہو گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ خود کو لوگوں کی موت و حیات کا مالک سمجھنے والا اپنی حیات و موت کے بارے میں بے بس ہو گیا۔ یا یوں ہوا کہ مردِ حق کی دعا اندرونی بغاوت پر نہیں، کسی خارجی طوفان کو اٹھا لائی اور دوسرے ملک کے سربراہ نے اسے شکست دے کر ذلیل و رسوا کیا۔ کبھی یہ ہوتا ہے نہ وہ، گھر کا کوئی فرد، بیٹا یا بھتیجا راتوں رات سازش کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور خود اس کا جانشین بن جاتا ہے پھر کبھی یہ کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ اچانک کسی مرض میں مبتلا ہو گیا اور چند لمحوں میں مر گیا، یا گھوڑے یا محل کی چھت سے اچانک گرا اور موت کی تاریک وادی میں جا پہنچا۔ ٹھنڈے دل سے سوچئے، تاریخ میں یوں بھی انقلاب آتے ہی رہے ہیں مگر جن انقلابات کی بنیاد دعا پر تھی، ان کا اور ہی رنگ تھا اور ان

کی امتیازی شان کا سبب عوام وخواص کو معلوم تھا(کہ فلاں شخصیت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے اور یہ اس کا نتیجہ ہے) اسی بنا پر وہ دوسروں کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان بن جاتا تھا۔ یہاں تاریخ سے چند ایسے ہی واقعات درج کئے جاتے ہیں جن کا نتیجہ ہے تو حکیم الامت کے الفاظ میں یہی ہے

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی!

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

تو مردِ میداں، تو میرِ لشکر　　نوری حضوری تیرے سپاہی
کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی　　یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی

مختصر یہ کہ محبوبانِ خدا اپنے اپنے درجے کے مطابق خلافت الہیہ پر فائز ہوتے ہیں اور روئے زمین کی ہر شے پر خدا کے فضل وکرم سے ان کا قبضہ واقتدار ہوتا ہے، قرآن پاک فرماتا ہے

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا
عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۝ (الانبیاء:۱۰۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا
کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے

اب آیئے تاریخ کے جھروکوں سے ان کے قبضہ واختیار کے جلوے دیکھیں۔ مگر اس سے پہلے ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے، وہ یہ کہ قرآن پاک میں تصریح ہے کہ بادشاہی دینا اور اسے سلب کرنا اورعزت وذلت سے کسی کو دوچار کرنا اللہ کی ہی شان ہے۔تو اس سلسلے میں محبوبان خدا سے یہ خدائی وصف منسوب کرنا خلاف واقعہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس آیت پرغور فرمایئے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

(آل عمران:۲٦)

ترجمہ: یوں عرض کر! اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے

یقیناً اللہ ہی مالک ملک ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔تو اب یوں سمجھئے جنھیں وہ اصل میں ملک عطا فرماتا ہے وہ یہی بندگان حق ہوتے ہیں جنھیں اس کے خلفا ہونے کا اعزاز ملا ہے۔ اگر وہ اپنے خلفا کو تو ملک نہ بخشے اور دوسروں کو عطا فرمادے تو ان کی خلافت کا کیا مفہوم رہ جائے گا۔اللہ کے یہ خلفا گویا اپنی اپنی شان کے مطابق اس کے نائب السلطنت (Vice Roys) ہیں اور باقی بادشاہ ان خلفا کے زیر نگیں اور دست نگر۔ان کی محبوبیت اور خداداد عظمت وحشمت کا اظہار کبھی ان کی

دعا سے ہوتا ہے اور کبھی ان کے تصرف (یعنی خداداد اختیار سے) حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کا کسی کو ملک عطا فرمانا اور کسی سے ملک چھیننا بھی اللہ کے مالک الملک ہونے کی واضح دلیل ہے، ہاں ہاں اللہ کا مالک الملک (یعنی بادشاہی کا مالک) ہونا ایک دعویٰ ہے اور اس کی روشن دلیل یہ ہے کہ اس کے نائب اس کی طرف سے اس کی تقدیر کے مظہر ہوتے ہیں اور اس کے فضل سے اس کی خدائی میں اس کے حکم کے مطابق اس کا نظام چلاتے ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے یہ پاک بندے اللہ کا لشکر ہوتے ہیں اور قرآن پاک فرماتا ہے

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (الصفت:۱۷۳)

ترجمہ: اور بیشک ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا۔

ذیل کے واقعات کا تعلق تاریخ سے ہے۔ اور ان کے انتخاب کا مقصد یہی ہے کہ مردانِ حق اور محبوبانِ خدا کی دعا و توجہ کے اثرات پوری طرح سے نکھر کے سامنے آجائیں۔ چنانچہ یہ ایسے واقعات نہیں کہ دعا کا اثر ایک دو شخصوں کی صحتیابی، کامرانی، مرض، ناکامی، امارت یا غربت تک محدود ہو بلکہ ان میں اہلِ باطن کی دعاؤں کے ملک گیر اثرات کا تذکرہ ہے مثلاً اللہ کے ولی کی دعا سے قلعے کا فتح ہونا، دشمن کے لشکر جرار کا شکست کھا کر بھاگنا، بادشاہ کا تندرست، مریض یا ہلاک ہو جانا۔ درج ذیل واقعات زیادہ تر جامع کرامات اولیا (از علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ) سے لئے گئے ہیں، ممکن ہے ان میں زمانی ترتیب

بھی نظر نہ آئے تاہم صدق دل سے ان پر غور کرنے والے کے لئے اللہ کی قدرت مطلقہ اور حضور پرنور ﷺ کی صداقت واضحہ کے جلوے دیکھ سکتا ہے۔ (کیونکہ ولی کی کرامت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہوتی ہے)

خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی دعا: صحرا قبچاق کی فوج نے بخارا شہر کا محاصرہ کرلیا، لوگوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ امیر بخارا نے اپنے خاص لوگوں سے ایک گروہ آپ (حضرت بہاؤالدین نقشبند) قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا کہ ''اب ہم کلی طور پر دشمن کے مقابلے سے عاجز آگئے ہیں، ہماری تدبیریں خاک میں مل گئی ہیں اور سب اسباب کے رشتے ٹوٹ گئے ہیں۔ آپ کی ذات کے بغیر اب ایسی کوئی جائے پناہ نہیں جو ان ظالموں سے ہمیں بچا سکے۔ آپ اللہ کریم کے سامنے تضرع وزاری کریں تاکہ وہ ذات پاک ان کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو بچائے، یہی تو مدد اور دستگیری کا وقت ہے''۔ حضرت نے وفد سے فرمایا' ہم ذات یکتا کے حضور عاجزی وزاری کریں گے، پھر دیکھتے ہیں رب العزۃ جل مجدہ کیا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ صبح ہوئی تو وفد سے فرمایا' مجھے چھ دنوں کے بعد اس بلا سے نجات کی بشارت دی گئی ہے، تم جاؤ اور اپنے امیر کو اطلاع دے دو، بخارا والے یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق چھ دنوں کے بعد دشمن کی فوج نے خود بخود محاصرہ چھوڑ کر واپسی کی راہ اختیار کی۔

<u>قسطنطنیہ کیسے فتح ہوا:</u> جب سلطان محمد خان (ترکی عثمانی) نے قسطنطنیہ کو فتح

کرنا چاہاتو اس نے احمد پاشا بن ولی الدین کو بھیج کر حضرت محمد بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ آق بیق (مجذوب) علیہ الرحمہ کی خدمت میں تشریف آوری کی التجا کی موخرالذکر سے تو کوئی بات معلوم نہیں ہوسکی البتہ حضرت محمد بن حمزہ علیہ الرحمہ نے فرمایا مسلمان فلاں فلاں جگہ سے فلاں دن چاشت کے وقت قلعہ کے اندر داخل ہوجائیں گے۔آپ (احمد پاشا) اس وقت سلطان کے پاس ہی ہوں گے"۔احمد پاشا کے لڑکے کا بیان ہے کہ 'وہ وقت قریب آگیا مگر قلعہ فتح نہ ہوا تو ہم سلطان سے ڈرنے لگے۔میں حضرت محمد (بن حمزہ) کے خیمہ کی طرف گیا مگر خادم نے مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔میں نے خیمے کا کنارہ اٹھا کر اندر جھانکا تو دیکھا حضرت مٹی پر سجدہ ریز اور آہ و بکا میں مصروف ہیں۔دیکھتے ہی دیکھتے آپ دونوں پاؤں پر کھڑے ہوگئے،نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا 'اللہ کریم نے ہمیں قلعے کی فتح سے نوازا'۔اب جو میں نے قلعے کی طرف دیکھا تو وہاں نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ہماری فوج قلعے میں داخل ہوچکی تھی اور آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔کیسے لطف کی بات ہے 'محمد' ہی تختِ حکومت پر بیٹھا جہاد کررہا ہے اور 'محمد' ہی تختِ ولایت پر جلوہ افروز ہوکر فتح کی دعا کرارہا ہے۔

دو پتھر: علامہ سراج فرماتے ہیں بہت سے لوگوں نے حضرت ابوبکر یعفوری دمشقی علیہ الرحمہ سے عکا کے فرنگیوں کے مظالم کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا 'میں عکا اور بقیہ ساحل کو پھونک ماروں گا' (یہ گویا فتح کا اشارہ تھا) ایک مدت تک مسلمان بالکل

محصور ہو کے رہ گئے تھے۔ عکا کا محاصرہ مسلمانوں نے کیا تھا مگر فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ شمس الدین بن سلعوس (امیر) نے آپ کے مریدوں سے کہا کہ حضور کو وعدہ یاد دلائیں۔ یہ لوگ آپ کے گاؤں کفر کنا حاضر ہوئے اور ساری بپتا کہہ سنائی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر عکا کے مشرق میں چار ساعتوں کی مسافت پر واقع ایک گاؤں ام الکروم میں پہنچے۔ یہاں فرمایا' بیٹے مجھے تین پتھر پکڑاؤ۔ پہلا پتھر پھینکا تو پکارے اللہ اکبر، یا محمد (علیک الصلوٰۃ والسلام) دوسرا پتھر پھینک کر بھی یہی کہا۔ پھر فرمایا' واپس چلو یہ شہر کل انشاء اللہ فتح ہو جائے گا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ ادھر جس فوج اسلامی نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس کے بہت سے لوگوں نے بتایا کہ جس دن حضرت نے پتھر پھینکے تھے، فصیلوں کے بعض حصے گر گئے، ہر طرف غبار پھیل گیا اور لوگ چلائے کہ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔ ایک روایت کے مطابق تیسرا پتھر پھینکنے کیلئے عرض کیا گیا تو فرمایا' اگر ہم تیسرا پتھر ماریں گے تو ہر طرف پانی نکل آئے گا اور ہمیں اس بات کی اجازت نہیں۔'

عکا ۱۷۔ جمادی الاولیٰ ۶۹۰ھ کو جمعہ کے دن ملک اشرف کے ہاتھوں فتح ہو گیا اور ساحل شام پر جو علاقے فرنگیوں کے پاس تھے، وہ بھی اس کے بعد فتح ہو گئے

جب قبرص فتح ہوا: جب مسلمان جزیرہ قبرص کے جہاد کے لئے نکلے اور معرکہ کارزار گرم ہوا تو فوج کے ایک گروہ نے حضرت تقی الدین ابو بکر دمشقی حسینی قدس سرہٗ کو مسلمانوں کے آگے آگے جہاد کرتے پایا چنانچہ اللہ کریم نے اہل اسلام کو

فتح دی تو انھوں نے واپس آ کر بتایا کہ حضرت فوج کے سامنے مصروف جہاد رہے ہیں۔ حضرت کے غلاموں اور دوسرے لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو یہیں رہے ہیں اور ایک دن کے لئے بھی غائب نہیں ہوئے (کیا عجیب جہاد ہے کہ گھر میں جلوہ کناں بھی ہیں اور میدان جہاد میں سب سے آگے مصروف قتال بھی)

کنکریوں سے حملہ: شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ واقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام العارفین حضرت شیخ ارسلان کو ایک بار دمشق سے باہر دیکھا کہ اپنے سامنے کی کنکریوں کو اٹھا کر پھینک رہے تھے۔ میں نے پوچھا 'یہ کیا ہو رہا ہے'؟ فرمانے لگے 'فرنگیوں پر تیر پھینکے جا رہے ہیں'۔ اس وقت فرنگیوں کا شام پر حملہ کرنے کا ارادہ تھا اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ مسلمانوں نے بعد میں بیان کیا کہ اوپر سے کنکریاں آتی تھیں اور فرنگیوں کے سر پر پڑتی تھیں۔ چنانچہ ان کے گھوڑ سوار گھوڑوں سمیت اور دوسرے سپاہی بھی ہلاک ہو گئے۔ بدر و حنین میں کائنات کے محسن اعظم ﷺ کا کافروں کی طرف کنکریاں پھینکنا یاد کیجئے اور پھر اس کی روشنی میں حضور ﷺ کے سچے وارثوں اور نائبوں کو پہچانئے۔

تیس ہزار کفار کو شکست: جناب سراج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید بہرام شاہ حیدری قدس سرہ جیسے ثقہ راویوں سے نقل کیا کہ حضرت شیخ سلتق قدس سرہٗ نے اپنے شہر سے ایک ہزار سے بھی کم مسلمانوں کو کفار پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ان کی روانگی کو کئی دن گزرے تو اچانک ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ نے برہنہ

ہوکر ایسی حرکات شروع کر دیں جو دشمن سے لڑتے وقت کی جاتی ہیں۔خون آپ کے بدن سے گر رہا تھا اور فقراء اسے باری باری صاف کرتے تھے۔دن کے چوتھائی حصے میں (تین گھنٹے تک) یہ معاملہ رہا، پھر آپ سکون سے بیٹھ گئے۔محرم راز حضرت سید بہرام شاہ علیہ الرحمہ کے پوچھنے پر فرمایا کہ جب میں نے دیکھا کہ تقریباً تیس ہزار کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی جماعت کمزور پڑ چکی ہے تو میں خداداد طاقت سے ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ چنانچہ صرف تین مسلمان شہید ہوئے (اور یہ وہ تھے جو میرا معین کردہ راستہ چھوڑ گئے تھے،ان فاتحین میں سے سب سے پہلا شخص ایک ہفتہ بعد تمہارے درمیان ہوگا۔چنانچہ سات دن بعد ان میں سے سب سے پہلا شخص یہیں سیدھا آیا اور اس نے حرف بحرف تصدیق کی۔

عجیب واقعہ: ایک مرتبہ افریقہ میں فرنگیوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔فرنگی غالب دکھائی دینے لگے تو حضرت شعیب ابومدین المغربی رحمۃ اللہ علیہ نے تلوار اٹھائی اور صحرا کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔آپ کے ساتھ کچھ ہمنشین بھی تھے۔یہ سب حضرات ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے۔اچانک آپ کے سامنے خنزیروں کا ایک غول آیا جس سے صحرا بھر گیا۔آپ نے وہاں سے چھلانگ لگائی اور ان کے درمیان چلے گئے اور ان کے سر کاٹ کر ہوا میں بلند کرنے شروع کر دیئے۔حتیٰ کہ ان کی کثرت کو تلوار سے قلم کر دیا تو باقی دم دبا کر بھاگ نکلے۔ حضرت سے ماجرا پوچھا گیا تو فرمانے لگے یہ فرنگی تھے۔اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل و

رسوا کیا۔ مسلمان مجاہد واپس آئے تو حضرت کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔ انھوں نے حلفاً بتایا کہ دونوں کی فوج کے درمیان شیخ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو گئے تھے۔ آپ اپنی تلوار کو اٹھاتے، فرنگی پر وار کرتے اور اس کا سر قلم کر کے ہوا میں لہرا دیتے تو وہ اور اس کا گھوڑا دونوں زمین میں ڈھیر ہو جاتے۔

فتح بیت المقدس کی تحریری پیشگوئی: ابن خلکان جیسے بلند پایہ مورخین نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوالحکم عبدالسلام المشہور بہ ابن برجان علیہ الرحمہ نے قرآن پاک کی تفسیر ۵۲۰ھ میں لکھی۔ اس وقت بیت المقدس فرنگیوں کے قبضے میں تھا۔ اس (تفسیر) میں آپ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں رجب ۵۸۳ھ میں فتح ہوگا۔ چنانچہ بالکل اسی کے مطابق صلاح الدین ایوبی قدس سرہٗ نے اسے فتح کیا اور فرنگیوں کو مار بھگایا۔

اس قسم کے بیشمار واقعات تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں (جن میں ولی کی دعا سے فتح شکست اور شکست فتح میں تبدیل ہوتی رہی ہے) اب ذیل میں معدودے چند ایسے واقعات بھی درج کئے جاتے ہیں جن کا تعلق کسی کو 'ملک دینے' اور کسی سے 'ملک چھیننے' سے ہے۔ ہاں اللہ مالک الملک نے اپنے بندوں کو جو اختیارات و تصرفات عطا فرمائے ہیں ان کے سامنے اس قسم کے واقعات قطعاً حیرت انگیز اور نادر نہیں۔

دعا سے حکومت مل گئی: امام الاولیاء حضرت عبداللہ بن علوی الحداد رحمۃ اللہ

علیہ حدودِ حرم میں رونق افروز تھے کہ شریف برکات بن محمد جو ابھی حجاز کا والی مقرر نہیں ہوا تھا خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دعا کے لئے ملتجی ہوا۔ آپ نے دعا فرما دی اور وہ اجازت لے کر لوٹ گیا۔ بعد میں آپ نے پوچھا تو عرض کیا گیا کہ یہ مکہ معظمہ کا ایک معزز آدمی ہے۔ فرمایا' اس نے چاہا تھا کہ مکہ معظمہ کا بادشاہ بن جائے سو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں دعا قبول فرمالی ہے۔ چنانچہ دعا کی قبولیت کا ظہور بھی ہوگیا، (یاد رہے آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۴۴ھ میں ہوئی)

والی معزول: حضرت عبدالعال جعفری علیہ الرحمہ نے والی بغداد کے ہاں ایک آدمی کی سفارش کی جسے اس نے رد کر دیا، آپ واپس تشریف لے آئے اور یہ کہتے آ رہے تھے، سواری بیٹھ گئی اور ہم نے .... معزول کر کے اس کی جگہ عامر کو والی بنا دیا۔ آپ دوسرے دن بھی یہی فرماتے رہے۔ چنانچہ اچانک نائب السلطنت کی طرف سے ایک نگران آیا جس نے اس کی نگرانی کی، اسے پکڑ لیا اور زنجیروں میں جکڑ دیا نیز اس کی جگہ اسی کے بھائی عامر کو بٹھا دیا۔ (شیخ موصوف علیہ الرحمۃ دسویں صدی کے آخر میں واصل بحق ہوئے)

مغلوں کا حملہ: علاؤ الدین خلجی کے دور میں مغلوں نے حملہ کیا تو افواج زیادہ تر دکن میں مصروف تھیں اور اکثر امرا اپنی جاگیروں میں۔ بادشاہ کو ان کا مقابلہ دشوار نظر آیا، انھوں نے چند مرتبہ خاص دہلی پر بھی چھاپہ مارا اور غلہ وغیرہ اٹھا کر لے گئے بلکہ شاہی لشکر پر حملہ کر کے بہت سوں کو ہلاک اور زخمی کر لیا۔ علاؤ الدین خلجی کے

لئے صورت حال اور بھی پریشان کن ہوگئی تو اس نے حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ سے مدد طلب کی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس رات کرغی کے جی میں خدا جانے کیا آئی کہ راتوں رات اس نے محاصرہ جو دو مہینے سے قائم تھا بغیر کسی خاص وجہ کے اٹھالیا اور اپنے لشکر کے ہمراہ اپنے وطن لوٹ گیا۔

(تاریخ فرشتہ بالاختصار)

غیاث الدین تغلق کا انجام: خاندان تغلق کے بادشاہ کو بدبختی کی بنا پر حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ سے چڑسی ہوگئی۔ حالانکہ وہ اپنے پیشرو سلطان قطب الدین مبارک شاہ کا ہولناک انجام بھی دیکھ چکا تھا۔ چنانچہ بنگال سے لوٹ رہا تھا تو اس بغض و عداوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ راستے ہی سے اس نے ایک تیز رفتار سوار کے ذریعے کہلا بھیجا 'میرے دہلی پہنچنے سے پہلے ہی آپ غیاث پور سے نکل جائیں۔ ورنہ نتائج کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ آپ نے پیغام سنتے ہی فرمایا ہنوز دہلی دور است (یعنی ابھی دہلی دور ہے) درویشوں اور جاں نثاروں نے بار بار عرض کیا کہ 'حضور، وہ بہت ظالم ہے' اس کے غضب سے بچنے کے لئے چندروز اگر کہیں باہر قیام فرمالیں تو کیا حرج ہے، مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی حتیٰ کہ صرف پانچ کوس کا فاصلہ رہ گیا تو یاروں کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی مگر محبوب الٰہی 'ہنوز دلی دور است' پر قائم تھے۔ (یہیں پانچ کوس کی مسافت پر) اس کے بیٹے الغ خاں نے بڑا مضبوط اور خوبصورت محل تعمیر کرایا تھا، بادشاہ اپنے امراء و عمائد سمیت اسی محل میں

کھانا کھا رہا تھا کہ چھت گری اور بادشاہ ولی عہد سمیت اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ کہتے ہیں جب بادشاہ دلی کے قریب پہنچ گیا اور حضور کی خدمت میں یہ پہنچادی گئی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور یہ قطعہ پڑھا

قصد ظالم بسوئے کشتن ما است
دل مظلومِ ما بسوئے خدا است.
او دریں فکر تا بما چہ کند!
من دریں فکر تا خدا چہ کند

جب حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ تک اس کے مرنے کی خبر پہنچی تو فرمایا

اے روبہک چرانہ نشستی بجائے خویش
با شیر پنجہ کردی ودیدی سزائے خویش

سچ فرمایا اللہ جل مجدہ نے (بروایت بخاری)

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

ترجمہ: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے، میں اسے جنگ کا چیلنج دیتا ہوں۔

فیروز شاہ تغلق کا 'کمال': غیاث الدین تغلق کا بڑا بیٹا محمد تغلق بھی آپ کا عقید تمند تھا، چنانچہ وہ بھی آپ سے فیض پاتا رہا۔ مگر اس کا جانشین فیروز شاہ تغلق تو سراسر محبوب الٰہی قدس سرہ کی ایک دعا کے ثمرات میں ڈوبا رہا۔ محفل اولیا میں ہے کہ جب اوائل عمر میں سلطان آپ کی زیارت کو غیاث پورہ آیا تو نہایت ادب و

احترام کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔

حضور نے پوچھا' بابا چہ نام داری؟' (یعنی بابا تیرا کیا نام ہے؟)

جواب دیا'' فدوی بہ اسم کمال الدین مشہور است (یعنی یہ جانثار کمال الدین کے نام سے مشہور ہے)

ارشاد فرمایا ''عمر بہ کمال' دولت بکمال، نعمت بکمال''

اس دعا کا نتیجہ تھا کہ عمر نوے سال عرصہ حکومت انتالیس سال اور پھر ہر طرف امن وامان۔

بوعلی شرف قلندر کا نامہ مبارک: ظاہری اور باطنی بادشاہت میں کیا فرق ہے، اسے حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے نقطۂ نظر سے پیش کیا جاتا ہے۔ حکیم الامت کی مثنوی 'اسرار خودی' کا ایک عنوان ہے

در بیان اینکہ چوں خودی از عشق ومحبت محکم می گردد

قوائے ظاہرہ و مخفیہ نظام عالم را مسخر می سازد

یعنی' جب خودی عشق سے محکم ہو جاتی ہے تو نظام عالم کی ظاہری اور مخفی قوتوں کو مسخر کر لیتی ہے یعنی کائنات پر حکمران ہو جاتی ہے' (شرح اسرار خودی، از پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

اقبال نے جس واقعے کو نظم کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت بوعلی قلندر علیہ الرحمہ کا ایک مرید بازار میں جا رہا تھا، سامنے سے گورنر کی سواری آرہی تھی۔ مرید بیچارہ گورنر کی 'شان' کو نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے پیر خانے سے مساوات انسانی کا سبق

سیکھا تھا، اس لئے وہ تعظیماً دست بستہ کھڑا نہیں ہوا بلکہ سواری کے سامنے آ گیا۔ چوبدار اس گستاخی کو کیسے برداشت کرسکتا تھا اس لئے اس نے اپنا عصا درویش کے سر پر دے مارا، درویش کے لئے یہ صورت حال نا قابل برداشت تھی۔ مرید کی روداد غم سنی تو حضرت قلندر کو بھی جلال آ گیا، فوراً اپنے دبیر کو بلا کر سلطان علاؤالدین خلجی کو (جس کی) حکومت پشاور سے مدورا اور آسام سے کاٹھیاواڑ تک پھیلی ہوئی تھی اور جس کے تکبر کا یہ عالم تھا کہ بقول یوسف سلیم چشتی خدائی کا دعویٰ کرتے کرتے رہ گیا تھا) اس مضمون کا خط لکھوایا

'شحنۂ دہلی را اعلام آنکہ خواجہ سرائے ...... یکے از درویشاں را رنجانید و عرش الرحمٰن رابلرزہ آورد۔ اگر اورا بسزا رسانیدی بہتر، والا بجائے تو شحنۂ دیگر بدہلی نشانیدہ خواہد شد'

ترجمہ: دہلی کے کوتوال (علاؤالدین خلجی) کو معلوم ہو کہ خواجہ سرائے جو اس وقت پانی پت میں عامل ہے، ایک درویش کو رنج پہنچایا ہے، جس کی وجہ سے عرش الٰہی بھی کانپ اٹھا ہے۔ اگر تو اس کو سزا دے تو خیر، ورنہ تیری جگہ کسی دوسرے کو دہلی کا کوتوال (یعنی بادشاہ) مقرر کر دیا جائے گا

علامہ اقبال نے آخری جملے کا ترجمہ شعر میں یوں کیا ہے

باز گیر ایں عامل بدگوہرے ورنہ بخشم ملک تو بادیگرے

یعنی اس بد بخت گورنر کو معزول کردے ورنہ تیرا ملک کسی اور کو دے دوں گا۔

اس نامۂ مبارک کا اثر علاؤالدین خلجی پر کیا ہوا؟ اقبال فرماتے ہیں

نامہ آں بندۂ حق دستگاہ
لرزہ ہا انداخت در اندام شاہ
پیکرش سرمایہ آلام گشت
زرد مثل آفتاب شام گشت

مختصر یہ کہ بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ فوراً عاملِ مذکور کی طلبی کا فرمان صادر کیا اور قلندر صاحب کی خدمت میں معافی نامہ لکھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ قلندر صاحب کی بارگاہ میں یہ عریضہ کون پیش کرے، کسی میں یہ جرأت نہیں تھی آخر حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے مرید صادق حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کو سفارت و سفارش کے لئے منتخب کیا گیا تو انھوں نے شعر و شاعری سے حضرت قلندر کو خوش کر کے بادشاہ کی طرف سے معافی نامہ پیش کیا اور دبی زبان میں خود بھی سفارش کی تو معاملہ رفع دفع ہوا۔ حضرت اقبال نے اس واقعے کے آخرمین جو سبق دیا ہے، وہ بھی یادرکھنے کے قابل ہے۔

نیشتر بر قلب درویشاں مزن
خویش را در آتش سوزاں مزن

نوٹ: وہ لوگ جو اس تحقیق پر ہی اپنی عمر 'عزیز' صرف کر رہے ہیں کہ حضرت

اقبال اور مولانا مودودی کے نظریات میں مکمل یکسانیت تھی، از راہ کرم صرف اسی مضمون پر غور کر لیں ۔ حضرت اقبال جسے توحید کا فیض سمجھتے ہیں، وہ قوت عمل مودودی صاحب کے نزدیک محال اور ایسا طرز فکر ان کے نزدیک 'شرک' ہے۔ یہ بات از حد افسوس ناک ہے کہ لوگ جب کسی کو 'ہیرو' اور امام العصر بنانا چاہتے ہیں تو کیسی دور از کار باتوں کو اس سے منسوب کر لیتے ہیں حق یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں اقبال کی وہی انقلابی سوچ تھی جو قرآن پاک نے سکھائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک متوارث چلی آئی ہے اور مولانا مودودی نے ابن عبدالوہاب جیسے لوگوں کی طرح اپنے نظریات کو قرآنی نظریات کے نام سے پیش کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

45

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یکم، ۱۲ اکتوبر کو علی پور سیداں شریف (تحصیل و ضلع نارووال) میں قیوم زمانی، قندیل نورانی، شاہباز لامکانی اعلیحضرت شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کا (۶۵) پینسٹھواں، شہنشاہ ولایت، ناشر زہد و طریقت حضور نقش لاثانی قدس سرہ کا سترھواں عارف حقانی، قطب ربانی حضور نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ کا پانچواں سالانہ عرس مبارک منعقد ہو رہا ہے۔ حضور شہنشاہ لاثانی کے تصرفات و کرامات کا ذکر آپ کی سوانح حیات 'انوار لاثانی' میں اور حضور نقش لاثانی کے کمالات و برکات کا ذکر کتاب 'سیرت حضور نقش لاثانی' (برکات و کرامات) میں آ چکا ہے، شائقین ان کتابوں کا مطالعہ کر کے قلب و روح کی تسکین کا سامان حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں آج کی نشست میں حضور نقشہ نقش لاثانی (اعلیحضرت پیر سید عابد حسین شاہ صاحب) قدس سرہ کی صرف چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے، یہ ذکر غالباً تحریر میں پہلی بار آ رہا ہے۔ اہل نظر اس سے یہ بھی نتیجہ نکال سکیں گے جب وارث کے تصرفات کا یہ عالم ہے تو ان کے دونوں عظیم مورثوں کی کیا شان ہوگی (علیھم الرحمۃ والرضوان)

ا۔ مسئلے کا حل: حضور نقشہ نقش لا ثانی قدس سرہ کی سجادہ نشینی کا ابتدائی دور تھا کہ میں اور میرا ایک دوست موٹر سائیکل پر دربار شریف کی حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔راستے میں ساتھی نے ایک ٹریکٹر خریدنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا اور ساتھ ہی بتایا کہ حکومت سے کچھ رقم سود پر قرض بھی لینی پڑے گی۔میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق اسے روکا مگر وہ پوری طرح مطمئن نہ ہوا۔میں نے عرض کیا، اچھا حضور نقشہ نقش لا ثانی سے پوچھ لیں گے۔دربار شریف حاضر ہوئے تو آپ کے لاہور سے آئے ہوئے کچھ مہمان بھی خدمت میں بیٹھے تھے اور حضور ان سے سود ہی کا مسئلہ بیان فرمارہے تھے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کے ہولناک اثرات کی وضاحت فرمارہے تھے۔میرا ساتھی پوچھے بغیر اس طرز استدلال سے مطمئن ہو گیا اور سودی لین دین سے ہمیشہ کے لئے متنفر ہو گیا۔

ان مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا یہ خان غلام محی الدین صاحب (ایڈووکیٹ) کے احباب ہیں۔یہ جملہ خود بڑا اہم تھا۔چنانچہ چند روز بعد خان صاحب شکر گڑھ تشریف لائے، فرمانے لگے۔حضرت پیر صاحب بھی کمال کرتے ہیں، تفصیل پوچھی تو فرمایا، میں دوسری بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو خدشہ تھا کہ مریدوں کے اس ہجوم میں آپ مجھے بھول گئے ہوں گے تو آپ نے میرے دلی وسوسے کا ازالہ کرنے کے لئے پاس بلایا اور 'خان صاحب' فرما کر مجھ سے گفتگو میں مصروف رہے۔میں سمجھ گیا کہ آپ مجھے بھولے نہیں ہیں، ہاں نام فراموش ہو چکا ہوگا، اب ان دوستوں نے جن سے سود کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔مجھے

لاہور جا کر بتایا کہ حضرت نے آپ کا نام لے کر آسی سے ہمارا تعارف کرایا تو دوسری غلط فہمی بھی دور ہو گئی۔

نماز بڈیانے میں: ہمارے ایک گم شدہ برادر طریقت صوفی فضل کریم ان دنوں 'ساہو کے' نزد قصبہ بڈیانہ (ضلع سیالکوٹ) میں رہائش پذیر تھے۔ وہ دربار شریف کے لئے گھر سے روانہ ہوئے تو سوچا ظہر کی نماز بڈیانہ اڈے میں ادا کر لی جائے گی، وہاں آئے ہی تھے کہ بس آ گئی اور یہ سوچ کر سوار ہو گئے کہ دربار شریف کے اڈے پر پڑھ لوں گا۔ مگر بس دیر سے پہنچی اور ظہر کا وقت نکل چکا تھا دربار شریف حاضر ہوئے ہی تھے کہ حضور نقشہ نقش لاثانی نے فرمایا، 'بھائی فضل کریم' نماز ظہر بڈیانے میں رہ گئی،

دل کا مریض شفایاب: برادر طریقت چودھری محمد عالم ایڈووکیٹ (شکر گڑھ) حضور نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ کے خصوصی خادموں میں سے ہیں اور ان پر آپ کی خصوصی نظر کرم تھی، ان کا بیان ہے۔

''میرا بھتیجا امانت علی پولیس میں ہے۔ اسے دل کی تکلیف تھی۔ ایک دن اسے دورہ پڑا تو ساتھی سپاہیوں نے ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ فون پر اطلاع ہوئی تو میں ہسپتال پہنچا، ڈاکٹروں نے اپریشن کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے کا بندوبست کرنے کی ہدایت کی، میں گھبرا گیا۔ سوچا پہلے دربار شریف حاضر ہو کر پھر گھر جاؤں گا۔ حضور کو دور سے دیکھتے ہی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ سلام عرض کیا تو پھر فرمایا 'پہلے ظہر کی نماز پڑھ لو' فارغ ہوا تو فرمایا کھانا کھاؤ، کھانا بھی کھا لیا تو پوچھا 'پریشان کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا، بھتیجا دل کا مریض ہے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے

ہیں اور ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ اپریشن کے لئے ڈیڑھ لاکھ کا بندوبست کرو۔ حضور نے فریاد سن کر آنکھیں ظاہراً بند کرلیں اور پندرہ بیس منٹ کے بعد دوبارہ کھولیں تو فرمایا، جاؤ، اس کا pace maker کھول دو۔ یہ ظہر وعصر کے درمیان کی بات ہے۔ اگلے دن لاہور (ہسپتال) پہنچا تو دیکھا کہ امانت علی ایک اور عزیز محمد اقبال کے ساتھ ہسپتال سے باہر پتھر کے بنچوں پر بیٹھ کر چائے پی رہے ہیں۔ میرے لئے بھی ایک کپ منگوالیا گیا۔ اس دوران دونوں نے بتایا کہ کل ہم صوفی حمید صاحب کے ہاں گئے تھے۔ لوگوں کے بے پناہ ہجوم میں ہماری باری آئی تو بولے 'ابھی ابھی شہنشاہ لاثانی قدس سرہ نے تین بار حکم دیا ہے کہ ان کا (pace maker) پرزہ اتار دو۔ ہم نے عرض کیا کہ پھر اتار دیں تو فرمایا، اتاریں گے ڈاکٹر ہی، ڈاکٹروں سے عرض کی تو بولے 'جوان کی موت واقع ہو جائے گی'۔ آخر سفارشوں سے ڈاکٹر صاحب مان گئے۔ اب جو پیس میکر بند ہوا تو دیکھا دل کی دھڑکن بالکل صحتمند آدمی کی طرح تھی۔ اسی دوران ایڈیشنل آئی۔ جی صاحب کی چٹھی بھی ایم۔ ایس کو مل گئی جس میں لکھا تھا کہ مریض سرکاری ملازم ہے، لہٰذا اسکے پیس میکر کا انتظام بھی آپ کو (یعنی ایم۔ ایس صاحب کو) خود ہی کرنا ہوگا۔ حضور کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ میرا بھتیجا آج تک تندرست ہے، حتیٰ کہ اسے کبھی اس کے بعد دردِ سر بھی نہیں ہوا۔

روحانی (صاحب کا) علاج: یہ واقعہ کسی پہلی قسط میں آچکا ہے کہ ماہنامہ انوارِ لاثانی کے اولین مدیر جناب روحانی صاحب دل کے مریض تھے وہ دربار شریف میں تھے اور دوائیوں کا وسیع دسترخوان سجا کر تشریف فرما تھے کہ حضور نقشہ نقش

لاثانی قدس سرہ جلوہ افروز ہوئے، آپ نے ان کی سب دوائیاں پھینک دیں اور فرمایا روحانی اگر تم اس بیماری میں مر گئے تو قیامت کے دن میرا گریبان پکڑ لینا۔ الحمدللہ پھر انہیں آج تک دل کی ہلکی سی تکلیف بھی نہیں ہو سکی۔

جلال کی برکات: حضور باہر ڈیوڑھی میں تشریف فرما تھے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی ۔عزیز مکرم حاجی عبد الرزاق صاحب کو اسی مقصد کے لئے دروازے پر کھڑا کیا تھا کہ ایک صاحب پھر بھی اندر گھس آئے۔حضور جلال میں آ گئے اور آپ نے اپنے عصا کی نوک سے اسے روکا، خدا کی قدرت جہاں پر نوک لگی، پیٹ کے اس حصے میں درد تھا اور ڈاکٹروں کے بقول کینسر تھا۔ چنانچہ درد تھم گیا اور بیمار نے خود کو تندرست پایا۔ کچھ دیر بعد حضور خطبہ جمعہ کے لئے مسجد میں تشریف لے آئے تو اس نے حاجی صاحب موصوف کو اپنا مرض بتایا اور ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ کسی کے کہنے پر حاضر ہوا ہوں اور بھیجنے والے نے بتایا تھا کہ اگر حضرت صاحب نے عصا وغیرہ مارا تو سمجھ لینا شفا ہو گئی۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے میں شفایاب ہو گیا ہوں۔ یہ تھا رنگ جلال، اب شان جمال دیکھئے۔ پنجابی خطبے کے بعد آپ نے تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا، ایک صاحب آئے تھے، مجھ سے زیادتی ہو گئی۔ از راہ کرم کھڑے ہو جائیں کہ سب کے سامنے ان سے معافی طلب کروں۔ دو تین بار اصرار کے بعد وہ اٹھے اور پائے مبارک پر یہ کہہ کر گر پڑے کہ حضور نے مجھے مارا نہیں میرا علاج کیا ہے۔ (گویا جلال نے مرض دور کیا تو جمال نے اس کی 'انسانیت' کی تربیت فرمادی)

پیٹ کا درد جاتا رہا: ایک بار عرس کے موقع پر یکم اکتوبر کو عشاء کی نشست کے بعد رات کے تقریباً بارہ بجے فارغ ہوا تو اچانک پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ اس وقت کوئی ڈاکٹر یا حکیم یا میڈیکل کیمپ دکھائی نہیں دے رہا تھا، پریشانی کے عالم ایک وسیع برآمدے میں جا کر ایک چارپائی پر جو اسی وقت میرے لئے ایک برادر طریقت نے خالی کی تھی، لیٹ گیا۔ درد بحال تھا اور شدید نہ ہونے کے باوجود ڈر تھا کہ سونے نہ دے گا۔ کہ اچانک اندھیرے میں بالکل خلاف توقع حضور نقشہ نقش لاثانی تشریف لے آئے اور چارپائی کے پاس سے ہو کر واپس چلے گئے۔ اسی وقت درد جاتا رہا۔ (گویا حضور اسی لئے تشریف لائے تھے)

حادثے کا اثر ختم ہو گیا: عزیز مکرم حاجی عبدالرزاق (مرکزی رہنما شیران اسلام) بیان کرتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں لاہور جا رہا تھا، کاموکی پہنچے تو کار جس کی اگلی سیٹ پر میں بیٹھا تھا، ایک ٹیوٹا ہائی ایس کے ساتھ ٹکرا کر پچک سی گئی۔ کسی کو بھی کسی بھی سواری کے بچنے کی امید نہیں تھی، میرا ماتھا ڈیش بورڈ سے ٹکرایا اور دایاں جبڑا ٹوٹ گیا، ناک منہ سے خون جاری ہو گیا اور میں بیہوش ہو گیا۔ اسی مدہوشی میں یوں محسوس ہوا جیسے حضور نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ نے کار کا دروازہ کھولا۔ لوگوں نے کسی اور گاڑی میں بٹھا کر ہسپتال (گوجرانوالہ) میں داخل کرا دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے حاجی اصغر کو بتایا کہ اگر علاج بہتر اور جلد چاہتے ہو تو میرے پرائیویٹ ہسپتال (دستگیر روڈ) میں داخل کرا دیں۔ حاجی اصغر اسی پریشانی میں دربار شریف حاضر ہوئے تو اگلے روز صبح حضور نقشہ نقش لاثانی ہسپتال تشریف لے آئے۔

اپریشن رات کا ہو چکا تھا اور دانتوں کی تاروں کی بنا پر میں بول نہیں سکتا تھا۔ تکلیف کی جگہ کے اوپر سے آپ نے دستِ شفقت گزارا تو درد اسی وقت موقوف ہو گیا۔ احمد اور رضائے مصطفیٰ صاحبان حضور کے ساتھ تھے، چند روز بعد انھوں نے بتایا کہ لاہور پہنچ کر حضور ساری رات جبڑے کے درد کے سبب سو نہیں سکے۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ پانچ سال تک کوئی سخت چیز نہ کھا سکوں گا مگر میں نے اسی روز گوشت اور دوسری سخت چیزیں کھانا شروع کر دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ تاریں نوے دن کے بعد کھولی جائیں گی۔ دربار شریف میں حاضر تھا تو حضور کے استفسار پر میں نے عرض کیا کہ نوے میں سے ابھی ساٹھ دن گزرے ہیں حضور کے حکم پر چیک کرایا گیا تو ڈاکٹر نے تاریں کھول دیں۔ اگلی صبح پھر دربار شریف حاضر ہوا تو اشارے سے عرض کیا، جبڑا کام نہیں کر رہا۔ حضور فیصل آباد تشریف لے جا رہے تھے۔ بابا لانگری نے حسب الارشاد ناشتے کے لئے باجرے کی روٹیاں عنایت فرمائیں میں نے ڈسکہ جا کر انہیں دودھ میں بھگو کر کھا لیا۔ صبح اٹھا تو جبڑا پہلے سے بھی بہتر ہو چکا تھا۔ ولی کامل کے اس تصرف پر ڈاکٹر خود حیران تھے۔

برکت وصحت: مرکزی رابطہ سیکرٹری شیرانِ اسلام حافظ محمد اظہر نعیم 'آپ بیتی' سناتے ہیں:

یہ ۱۹۹۲ء کا واقعہ ہے۔ ان دنوں میں گورنمنٹ کالج شکر گڑھ میں سال اول کا طالبعلم تھا تمام اہل کنبہ عرس شہنشاہ ولایت میں شرکت کے لئے پھگواڑی جا رہے تھے کہ اچانک میری دائیں ٹانگ میں درد شروع ہو گیا۔ چنانچہ امی جان اور

میں گھر میں رہ گئے۔باقی سب روانہ ہو گئے اب درد تھا کہ لمحہ بہ لمحہ شدت اختیار کرتا جارہا تھا اور بخار تھا کہ ۱۰۴ ڈگری سے نیچے نہیں آرہا تھا۔منہ بند نہیں کر سکتا تھا پھر بھی سانس لینا دشوار تھا۔پھر منہ سے پانی چلنا شروع ہو گیا،چنانچہ پلنگ سے منہ باہر کر لیا اور پانی نیچے ایک برتن میں گرتا رہا۔رات بھر والدہ صاحبہ کی گود میں تڑپتا رہا۔یہ رات اتنی بھیانک تھی کہ والدہ صاحبہ کا اور خود میرا دل اس کے تصور سے بھی گھبرا جاتا ہے۔

اذان فجر سے کچھ پہلے ایک ٹانگے والا باہر آیا۔اس نے والدہ صاحبہ کو پانی دے کر بتایا کہ اسے حضور نقشہ نقش لاثانی (عرف لالہ جی سرکار) نے اظہر کے لئے دیا ہے۔پینے کی دیر تھی کہ منہ اور گلے کی تکلیف دور ہو گئی اور سکون کے ساتھ غنودگی طاری ہونے لگی۔چند لمحوں بعد والدہ صاحبہ کسی چیز کے لئے باورچی خانے گئیں تو اتنے میں خود سرکار نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ تشریف فرما ہو گئے۔حیران کن بات یہ تھی میری چارپائی ساری کوٹھی کے عین وسط میں (سب کمروں کے درمیان) تھی۔ وہاں پوچھے بغیر خود بخود آنا بہت مشکل تھا اور یہاں تو کوئی بتانے والا ہی نہیں تھا۔آپ نے تشریف لا کر پوچھا درد کہاں ہے؟ میں نے ہاتھ رکھ کر بتایا تو حضور نے لعاب دہن مبارک لگا کر اور کچھ پڑھ کر پھونک ماری تو درد بھی غائب ہو گیا

ڈاکٹروں سے ٹانگ کا اپریشن کرایا،انھوں نے تین ماہ کے لئے بیڈ ریسٹ کا حکم دیا صبح دوپہر اور شام کو درد کے لئے گولیاں بھی تجویز کر دیں۔میں ان سے کہتا کہ درد نہیں ہو رہا تو وہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔انھیں ڈاکٹر عامر عزیز صاحب جو آج کل زیر عتاب ہیں کے زیر علاج تھا۔یہ دوبارہ ٹانگ کے اپریشن پر زور دے رہے

تھے اور تین ماہ کا بیڈ ریسٹ تجویز کر رہے تھے۔ بہر حال انھوں نے میو ہسپتال سے ٹیسٹ کرانے کا حکم دیا تو میں دربار شریف حاضر ہو گیا۔ حضور لالہ جی قدس سرہ سے ماجرا عرض کیا تو فرمایا ڈاکٹروں کو کیا علم تاہم ان کی تسلی کے لئے ٹیسٹ کرالو۔ ڈاکٹر صاحب کے حکم کے مطابق میو ہسپتال سے ٹیسٹ کرا کے رپورٹ لی تو وہ اس سے بھی مطمئن نہ ہوئے۔ پھر انھوں نے انمول ہسپتال سے ٹیسٹ کرانے کی تلقین فرمائی۔ اس دوران ایک اور ماہر ڈاکٹر صاحب نے یہ پریشان کن مشورہ دیا کہ اگر ٹانگ کٹوا کر بھی جان بچالی جائے تو کیا حرج ہے۔ بہر حال انمول ہسپتال سے بھی وہی رپورٹ آئی تو جماعت اسلامی کے ڈاکٹر عامر عزیز نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا یہ میرے تجربے کے خلاف اور سمجھ سے باہر ہے۔ میں نے عرض کیا، ہاں ہم بزرگوں کے ماننے والے ہیں اور مجھے اس کی سمجھ آ گئی ہے۔

پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا کہ ایک دو سال بعد حضور پوچھتے رہتے کہ ٹانگ کا کیا حال ہے اور اسے چیک کراتے رہنے کا حکم صادر فرماتے۔ وصال شریف سے کچھ عرصہ پہلے فرمایا۔ ڈاکٹر عرفان الحق (حق آرتھوپیڈک ہسپتال لاہور) کو دکھاؤ۔ انھوں نے دوا، انجیکشن دیئے۔ وصال شریف ہو گیا تو ڈر تھا کہ کہیں مرض پھر لوٹ نہ آئے مگر ان کی برکت و توجہ سے اب تک کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

46

بسم اللہ الرحمن الرحیم

'الحقیقہ' کا موجودہ شمارہ رمضانَ المبارک کے نصف آخر میں شائع ہو رہا ہے۔ اس ماہِ مقدس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا چنانچہ اس کی عظمت شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰن

(سورۃ البقرہ۔۱۸۵)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا

اور جس رات کو اس کے نزول سے مشرف فرمایا، اس کا نام لیلۃ القدر (یعنی قدر والی رات) رکھا اور اعلان فرمایا

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥ (سورۃ القدر۔۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا

اس مناسبت سے یہ شمارہ زیادہ سے زیادہ قرآنِ حکیم کی عظمت و یکتائی کے بیان کے لئے وقف کیا گیا ہے اور "توحیداور محبوبان خدا کے کمالات" کی زیر

نظر قسط میں محبوبانِ خدا کے کمالات کو قرآن پاک کی دنیوی برکات کے حوالے سے بیان کیا جارہا ہے۔

'اعجاز القرآن' پر دادِ تحقیق دینے والے بزرگوں نے عموماً اس کے اسلوبِ بدیع، فصاحت و بلاغت، اخبارِ غیب اور پیشگوئیوں کو ہی اس ضمن میں پیش کیا ہے۔ ہمارے خیال میں قرآن حکیم کی دنیوی برکات بھی اعجاز القرآن کا ایک اہم پہلو ہے اور جب قرآن پاک نیز رواياتِ حدیث میں بھی اس کی طرف واضح اشارات موجود ہیں تو پھر اس پہلو کو بھی ضرور اجاگر کرنا چاہیے۔ یہ بات اولین قسطوں میں کہیں کچھ زیادہ تفصیل سے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت آصف بن برخیار ضی اللہ عنہ کے ایک طویل فاصلے سے آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے تختِ بلقیس لا سکنے کی وجہ ان کا علم تورات یا علم زبور تھا (بلکہ قرآن پاک نے ان کے علم کو علم من الکتب یعنی کتاب کا کچھ علم قرار دیا ہے) ظاہر ہے قرآن پاک کی برکات پہلی آسمانی کتابوں سے کہیں زیادہ ہیں بلکہ جس طرح یہ کتابِ آخری ان کے دوسرے خصائص و کمالات کی جامع ہے، یونہی اس کی برکات ان سب برکات کا مجموعہ بلکہ اس مجموعے سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ اگر پہلی کسی کتاب کا علم حضرت آصف بن برخیار ضی اللہ عنہ کو اتنی قوت عطا کر سکتا ہے (کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے ایک وزنی تخت ایک ملک سے دوسرے ملک میں لا سکتے ہیں) تو قرآن پاک کے علم سے مالا مال ہونے والوں کی طاقتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ مومن کی 'اصل قوت' اسی علم

قرآن کا فیض ہے جس کا ذکر حکیم الامت اقبال علیہ الرحمہ نے یوں فرمایا ہے

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل سکتی ہیں تقدیریں

اسی قسط میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی قوتوں کا راز بھی خود ان کی زبانِ مبارک سے بیان کیا گیا ہے، آپ فرماتے ہیں

وَ اَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ
وَ قَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُئُوَالِیْ

ترجمہ: مجھے ہے سرِ قرآن سے نوازا، تاج پہنایا
جو کچھ مانگا مجھے دیتا رہا ہے خالقِ اکبر

اس سرِ قدیم کو شارحین نے 'علم قرآن' ہی سے تعبیر کیا ہے اور پھر اگلے شعروں میں آپ نے اس علم کی عطا کردہ قوتوں کے حیرت انگیز مظاہر کا ذکر فرمایا ہے مثلاً یہ کہ اپنا راز پہاڑوں پر ڈالوں تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر ریت میں مل جائیں سمندروں میں ڈالوں تو وہ خشک ہو جائیں۔ آگ پر ڈالوں تو خاموش ہو جائے اور مردے پر ڈالوں تو اللہ کی قدرت سے زندہ ہو جائے۔ ان شعروں پر غور کریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دریاؤں کے سینے پر چلنے، ان پر دہکتی آگ کا ٹھنڈا ہو جانے، ان کے حکم پر درندوں کا وسیع جنگل سے 'ہجرت' کر جانے کی وجہ خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن پاک کی برکات کا نہایت ہی مختصر سا بیان ہے مگر

یہاں اس کا ذکر بھی نہیں کر رہے۔ یہاں تو ان سے بھی عام تر برکات بیان ہوں گی جن میں بعض ہم آج کسی نہ کسی حد تک مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، اگرچہ ان کا سلسلہ بھی قرآن پاک کے نزول سے ہی شروع ہوا ہے۔ مثلاً قرآنی آیات کا دنیوی امراض میں باعث شفا ہونا، جادو اور زہر تک کے اثرات کا زائل کرنا، مالی مشکلات کا ازالہ، شکست کو فتح میں بدلنا، یہ بھی پوری تفصیل سے نہیں بلکہ نمونے کے طور پہ صرف چند واقعات بیان ہوں گے۔ اس کا ایک مقصد تو اس دعوے کی شہادت فراہم کرنا ہے کہ اللہ رب العلمین کا کلام حق 'عالمین' کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور اگر اس پر صدقِ دل سے ایمان لا کر اس کی ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے تو دین و دنیا کی کوئی مشکل ایسی نہیں جس کا حل اس کی برکت سے ممکن نہ ہو۔

وہ لوگ جو قرآنِ پاک کی ان غیر محدود قوتِ آفرینی کا اندازہ کرنا چاہیں تو ایمان کامل اور عملِ صالح سے آراستہ ہو کر آج بھی بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے برادرِ طریقت شیر پنجاب حضرت مولانا محمد یوسف سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ قیامِ پاکستان سے پہلے کہیں تقریر کے لئے گئے تو اس بستی میں ہندوؤں کا مشہور مناظر بچھو رام بھی چھیڑ خانی کے لئے آ گیا۔ مولانا کو اس کی آمد کا علم ہوا تو دورانِ تقریر ایک خاص جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر اسے مخاطب کیا اور فرمایا 'بچھو رام آ جا مقابلے کے لئے' اگر تو قرآن اور وید کی حقانیت پرکھنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ درخت سے کٹی ہوئی ایک خشک شاخ پر تو وید کے الفاظ پڑھ کر پھونک مار اور

اسی پر میں بھی قرآن پاک کی آیت پڑھ کر پھونک ماروں گا۔ جس کی پھونک سے سوکھی ہوئی شاخ سرسبز ہو جائے، اس کی کتاب اور اس کا دین سچا۔ یہ چیلنج سنتے ہی بچھو رام رفو چکر ہو گیا اور پھر کبھی اس گیدڑ کو شیرِ پنجاب کے سامنے کی جرات نہیں ہوئی۔ اس قسم کے واقعات ہر دور میں ہوئے اور قرآن پاک ہر دور میں اپنی عظمتوں، رحمتوں اور برکتوں کا لوہا منواتا رہا۔

قرآنِ پاک کا باعث شفا و رحمت ہونا خود قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا!

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○

(بنی اسرائیل۔۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔

یہاں 'رحمۃ للمومنین' کی ترکیب قابل غور ہے۔ اگر چہ قرآن پاک شفا و رحمت ہے مگر اس کا کامل ظہور ایمان سے مشروط ہے۔ جوں جوں ایمان مضبوط ہو گا، چاس کی شفا و رحمت کا ظہور زیادہ نمایاں ہوگا۔ بعد لوگ کوئی آیت پڑھتے ہیں تو وہ مطلوبہ اثر دکھائی نہیں دیتا تو دراصل یہ ان کے ایمان کی کمزوری کی بنا پر ہوتا ہے۔ حق یہی ہے کہ قرآن کی شفا و رحمت میں کوئی شک نہیں، مگر ہماری اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس سے فیض نہیں پا سکتے۔ سیدھی سی بات ہے قابل سے قابل ڈاکٹر بھی مریض کا علاج کرنا چاہے اور اچھے سے اچھا نسخہ بھی تجویز کرے۔ جب تک مریض

اس کی ہدایات کے مطابق دوا استعمال نہیں کرے گا اور مناسب پرہیز اختیار نہیں کرے، آفاقہ نہیں ہوگا۔ سوچئے شفا نہ ہونے کی وجہ ناقص حکیم یا ناقص دوا نہیں، بلکہ اس کی بد پرہیزی اور ہدایات کے مطابق نسخہ استعمال نہ کرنا ہے۔ یونہی حرام، حلال میں تمیز نہ کرنا، اوامر ونواہی کی پابندی نہ کرنا اور جھوٹ، چغلی وغیرہ سے پرہیز نہ کرنا وغیرہ ایمان کو کمزور کرنے والی صفات ہیں جس سے آیات بینات کی تاثیر کا جلوہ نظر نہیں آ سکتا۔ ظاہر ہے اس میں ہمارا اپنا قصور ہے، قرآن پاک کی آیات کی اثر آفرینی میں کوئی شک نہیں۔ آیئے اب صدر اول سے لے کر آج تک کے لمبے عرصے کی تاریخ ملت سے چند واقعات کا مطالعہ کیجئے۔

۱۔ **سورۃ فاتحہ کا دم:** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کچھ اصحاب رضی اللہ عنہم ایک سفر میں گئے تھے۔ جاتے جاتے عرب کے ایک قبیلے پر اترے۔ انھوں نے چاہا کہ قبیلے والے ہماری مہمانی کریں، لیکن انھوں نے مہمانی نہ کی۔ اتفاق سے ان کے سردار کو بچھو (یا سانپ) نے کاٹ کھایا اور کوئی تدبیر ان کی کارگر نہ ہوئی۔ کچھ لوگ ان میں سے کہنے لگے، چلو ان لوگوں سے پوچھیں جو یہاں آن کر اترے ہیں، ان میں شاید کوئی اس کا منتر جانتا ہو۔ وہ آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہنے لگے، لوگو، ہمارے سردار کو بچھو یا سانپ نے کاٹ کھایا ہے اور ہم نے سب جتن کئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تم میں سے کسی کو اس کا منتر معلوم ہے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بولا قسم خدا کی میں اس کا

منتر جانتا ہوں۔ لیکن تم لوگوں سے ہم نے یہ چاہا کہ ہماری مہمانی کرو تو تم نے نہ مانا، اب میں تمھارے لئے منتر پڑھنے والا نہیں، جب تک ہم کو اس کی مزدوری نہ دو۔ آخر چند بکریاں اجرت ٹھہریں اور وہ صحابی گیا اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر تھوکنے لگا۔ وہ ایسا چنگا ہو گیا جیسے کوئی رسی سے بندھا ہوا ور کھول دیا جائے اور خاصی طرح چلنے لگا۔ اس کو کوئی دکھ نہ رہا۔ جو بکریاں ٹھہری تھیں۔ وہ انھوں نے دیں۔ بعضوں نے کہا ان کو بانٹ لو، لیکن جس نے منتر پڑھا تھا، اس نے کہا ابھی ٹھہرو۔ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ سے یہ قصہ بیان کریں۔ آپ نے منتر پڑھنے والے سے پوچھا 'تجھے کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ منتر ہے'۔ پھر آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا۔ یہ بکریاں بانٹ لو۔ میرا بھی ایک حصہ اپنے ساتھ لگاؤ اور آپ ہنس دیئے (بخاری شریف کتاب الاجارات، ترجمہ علامہ وحید الزماں غیر مقلد و مسلم شریف)

۲۔ پاگل پن کا علاج: حضرت خارجہ بن صلت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

'میرے چچا مدینہ منورہ آئے اور اسلام لائے۔ اپنے قبیلے میں واپس گئے تو دیکھا ایک شخص پاگل ہو گیا ہے۔ لوگوں نے اسے زنجیروں سے باندھ رکھا ہے۔ قبیلہ والوں کو معلوم تھا کہ وہ مدینہ پاک سے ہو کر آئے ہیں اور ایک نیا طریقہ سیکھ کر آئے ہیں۔ اس لئے وہ ان کے پاس آئے اور اس پاگل کے لئے علاج کے طلب گار ہوئے۔ انہوں نے اس پاگل پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر صبح، شام دم کیا اور وہ اچھا ہو گیا۔ اہل قبیلہ نے خوش ہو کر ان کو سو (۱۰۰) بکریاں انعام میں دیں۔ اس معاملے

میں ہدایت کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات عرض کی ،فرمایا' کیا صرف یہی پڑھی تھی؟ ایک دوسری روایت (کے مطابق فرمایا)، کیا تم نے اس کے سوا کچھ کیا تھا' عرض گزار ہوا 'نہیں' فرمایا' لے لو، لوگ باطل دم کر کے کھاتے ہیں تم نے سچا دم کر کے کھایا ہے'(ابوداؤد شریف، کتاب الطب)

قرآن پاک کی دنیوی برکتوں کا ایک روشن عنوان ہے، شفائے امراض، نمونے کے طور پر اس کی دو مثالیں پیش کر دی گئیں، مگر ان برکتوں کے اور بھی بے شمار عنوانات ہیں ، یہاں صرف ایک اور عنوان کے تحت صرف ایک مزید مثال درج کی جاتی ہے۔

آیۃ الکرسی کی برکت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان المبارک کے صدقات کا نگران مقرر فرمایا۔ایک شخص آیا اور اس نے غلہ بھرنا شروع کر دیا لیکن میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا' اب میں تجھے نبی علیہ السلام کے پاس لے جاؤں گا' تو وہ گڑ گڑا کر کہنے لگا کہ' میں غریب عیالدار ہوں اور شدید ضرورت کی وجہ سے یہ حرکت کی تھی'۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا اگلی صبح (جب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا) تو آپ ﷺ نے فرمایا' ابو ہریرہ! تمہارے رات والے قیدی کا کیا حال ہے' میں نے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ! اس نے مجھ سے شدید حاجت اور عیالداری کا ذکر کیا سو مجھے اس پر رحم آ گیا اور اسے چھوڑ دیا' حضور ﷺ نے فرمایا' اس نے تم سے

یقیناً جھوٹ بولا، وہ پھر آئے گا'۔ حضور ﷺ کے اس فرمان پر کہ 'وہ پھر آئے گا'۔ مجھے اس کے آنے کا یقین ہو گیا، لہذا میں منتظر تھا کہ وہ آ ہی گیا اور غلہ بھرنے لگا سو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ آج تو میں تجھے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ضرور لے جاؤں گا'۔ اس نے کہا 'مجھے چھوڑ دے کہ بیشک میں محتاج ہوں اور عیالدار، اب پھر نہیں آؤں گا'۔ سو مجھے پھر رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تیرے رات والے قیدی کا کیا ہوا'۔ میں نے عرض کیا 'یا رسول اللہ ﷺ! اس نے سخت حاجت اور عیالداری کا رونا رویا، سو مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا'۔ فرمایا 'اس نے جھوٹ بولا اور وہ پھر آئے گا'۔ چنانچہ میں منتظر تھا کہ وہ آ کر غلہ بھرنے لگا۔ میں نے اسے پھر پکڑ لیا اور یہ کہا، کہ آج ضرور تجھے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ یہ تین میں سے آخری بار ہے۔ تو مجھے نہ لوٹنے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے۔' اس نے کہا مجھے 'چھوڑ دے' میں تجھے ایسے کلمات ضرور سکھاؤں گا جن کی برکت سے اللہ تجھے ضرور نفع بخشے گا، جب تو رات کو بستر پر جائے تو آیۃ الکرسی آخر تک پڑھ لیا کر، اللہ کی طرف سے تجھے ایک پہرہ دار مل جائے گا اور شیطان تیرے پاس بھی نہ پھٹکے گا'۔ میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تیرے قیدی کا کیا بنا، میں نے عرض کیا 'اس نے کہا کہ وہ مجھے ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ مجھے نفع دے گا، فرمایا 'یہ بات اس نے سچ کہی ہے اگرچہ وہ بہت جھوٹا

ہے'۔ کیا تو جانتا ہے کہ تین راتیں تو کس سے مخاطب رہا'۔ میں نے عرض کیا 'نہیں' فرمایا 'وہ شیطان ہے' (بخاری شریف)

اس قسم کے اور واقعات بھی مل سکتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح قرآن پاک سے اخروی و روحانی انعامات کے علاوہ دنیوی برکات حاصل کیا کرتے تھے۔ اب یہاں مابعد کی تاریخ کے ایک دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ صوفیہ عظام رضی اللہ عنہم اس سے کیا فیض لیتے ہیں اور غلاموں کو پہنچاتے تھے۔

انڈا سونے کا ہوگیا: حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک فقیر نے کچھ سوال کیا۔ آپ نے مرغی کے انڈے پر بلند آواز سے قُلْ هُوَ اللّٰه شریف پڑھ کر دم کیا، وہ (انڈا) سونے کا ہوگیا۔ آپ نے اس فقیر کو دے دیا، وہ خوش خوش اپنے گھر گیا، بیوی سے بولا مجھے تو جناب شیخ نے مالا مال کر دیا۔ اتنا بہت سا سونا عطا فرمایا اور سونا بنانے والی کیمیا بھی سنا دی، تجربے کے لئے ایک انڈا لیا اور سو (۱۰۰) دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰه پڑھ کر دم کیا مگر کچھ نہ ہوا۔ سارا قرآن پڑھ کر پھونکا، انڈا، انڈا ہی رہا، سونا تو کیا پیتل بھی نہ بنا۔ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا 'حضور آپ نے جو کچھ پڑھا تھا' اس سے کہیں زیادہ میں نے پڑھ کر دم کیا، مگر میرا کچھ نہ بنا، آپ نے ہنس کر فرمایا 'کلام ربانی کے لئے زبان بھی فریدانی چاہئے۔ (درس القرآن از حکیم الامت مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ)

نیل جاری ہو گیا: حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ لکھتے ہیں۔

ایک سال دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا۔ لوگ تکلیف اور شدید مشقت میں مبتلا ہو گئے، کوئی فقیر حضرت شیخ محمد خفی مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر کہنے لگا' حضور! فاتحہ شریف تلاوت فرمائیں تا کہ رات کو دریائے نیل کا پانی چڑھ آئے، آپ نے فاتحہ شریف کی تلاوت کی تو رات کو پانی بہت زیادہ بڑھ گیا، (سابقہ مدت کی کمی بھی پوری ہوگئی، بلکہ سطح اور بھی بلند ہوگئی) (جامع کرامات الاولیاء حصہ اول)

کھانے میں برکت: حضرت امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

" حضرت شیخ محمد علی زعبی **قادری** رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت شیخ عبدالفتاح آفندی زعبی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ طرابلس کا حاکم اپنے حواریوں کے ساتھ دادا جان کی خدمت میں ماہ رمضان میں حاضر ہوا۔ مغرب سے پہلے وہ واپس جانا چاہتے تھے حضرت نے انہیں افطار کی دعوت دی۔ انھوں نے تو دعوت تو قبول کر لی لیکن حاکم کے دل میں خیال آیا کہ وہ نوکر بھیج کر اپنے باورچی خانے سے کھانا منگوا لے۔ وہ سمجھتا تھا کہ حضرت کے پاس اتنا کھانا نہیں ہوگا۔ جو سب کے ساتھیوں کے لئے کافی ہو اور پھر یہ کہ ان مہمانوں کے شایان شان ہو۔ حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نیت پر مطلع فرما دیا۔ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا' خادم کو کھانا لانے کے لئے نہ بھیجئے۔ ہمارے پاس لوگوں کے شایان شان کھانا موجود ہوگا، سامنے ایک طبق پڑا تھا جس پر کپڑا تھا۔ خادم سے فرمایا اس طبق کو کھول اور بسم اللہ پڑھ۔

خادم نے ایسا ہی کیا۔ کھانے کا ایک تھال نکل آیا۔ پھر آپ نے طبق کو ڈھانپنے کا حکم دیا، اس نے ڈھانپ دیا تو پھر فرمایا 'بسم اللہ پڑھ کر کھول دے' اب کھانے کا ایک اور تھال سامنے تھا۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور دستر خوان رنگا رنگ کھانوں سے بھر گیا۔ سب نے یہ کھانے کھائے اور یہ ان کے اپنے کھانوں سے کہیں زیادہ لذید تھے۔"

کرکٹ میچ جیت لیا: صوفی محمد اقبال نوری صاحب کا بیان ملاحظہ فرمائیے

عرصہ بیس سال کا ہوا۔ حاجی احمد حسین رضوی نے نجیب آباد میں اتفاقیہ ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا تو ہفتہ میں دو تین بار اعلیحضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہر جگہ سے جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی۔ ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور بیس رن بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہوگئی جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہوگئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز میں اور غلام جیلانی (ہم دونوں ہم سبق اور پیر بھائی تھے) اعلیحضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیحضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی ہر دو جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لئے ہوئے ہیں کہ ہماری جیت ہو۔ پھر بریلی کے طلبہ کی کیونکر امداد کی جائے جبکہ ہر دو فریق میں مسلم اور غیر مسلم طلبا موجود ہوں گے۔ عرض کیا 'حضور! بات تو یہی ہے، مگر ماسٹر

خادم نے ایسا ہی کیا۔ کھانے کا ایک تھال نکل آیا۔ پھر آپ نے طبق کو ڈھانپنے کا حکم دیا، اس نے ڈھانپ دیا تو پھر فرمایا 'بسم اللہ پڑھ کر کھول دے' اب کھانے کا ایک اور تھال سامنے تھا۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور دسترخوان رنگا رنگ کھانوں سے بھر گیا۔ سب نے یہ کھانے کھائے اور یہ ان کے اپنے کھانوں سے کہیں زیادہ لذیذ تھے۔''

کرکٹ میچ جیت لیا: صوفی محمد اقبال نوری صاحب کا بیان ملاحظہ فرمایئے

عرصہ بیس سال کا ہوا۔ حاجی احمد حسین رضوی نے نجیب آباد میں اتفاقیہ ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا تو ہفتہ میں دو تین بار اعلیٰحضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہر جگہ سے جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی۔ ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور بیس رن بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہوگئی جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہوگئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز میں اور غلام جیلانی (ہم دونوں ہم سبق اور پیر بھائی تھے) اعلیٰحضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی ہر دو جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لئے ہوئے ہیں کہ ہماری جیت ہو۔ پھر بریلی کے طلبہ کی کیونکر امداد کی جائے جبکہ ہر دو فریق میں مسلم اور غیر مسلم طلبا موجود ہوں گے۔ عرض کیا 'حضور! بات تو یہی ہے، مگر ماسٹر

قرب محمد صاحب جو سید ہیں، حضور انھیں خوب جانتے ہوں گے' فرمایا 'ہاں' عرض کیا، وہ لڑکوں کو گیند بلا بھی کھلاتے ہیں اور ڈرل ماسٹر بھی ہیں۔ ان کی تنخواہ میں پندرہ روپے ترقی اس شرط پر قرار پائی ہے کہ بریلی والے جیت جائیں' ۔فرمایا 'یہ بات قابل غور۔ ارشاد فرمایا 'اگر میرٹھ والوں کے سولہ نمبر (رن) بنیں تو بریلی والوں کی جیت ہے، عرض کیا 'جی حضور' اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کل صبح جب بریلی کے لڑکے کھیلنے کے لئے چلیں تو انھیں جو مسلمان ہوں سکھا دیا جائے کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم بڑھائیں اور سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر چھنگلیا سے شروع کریں اور کٓھٰیٰعٓصٓ یہ پانچ حرف ہیں، ایک ایک انگلی پر ایک ایک حرف پڑھ کر اسے بند کرتے جائیں۔ پھر الٹے پر بھی حٰمٓ عٓسٓقٓ کہ پانچ حرف ایک ایک انگلی پر ایک ایک حرف پڑھ کر اسے بند کرتے جائیں، دونوں مٹھیاں بند ہو جائیں تو سورۃ الفیل (اَلَمْ تَرَ کَیْفَ) پڑھیں۔ تـر میھم پر پہنچیں تو اسے دس بار پڑھیں۔ وہ یوں کہ پہلے سیدھے ہاتھ کی ایک ایک انگلی ترمیھم ایک ایک بار پڑھ کر کھولتے جائیں پھر یونہی الٹے ہاتھ کی انگلیاں کھولیں پھر تـرمیھم سے آگے باقی سورت پڑھ کر اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں اور جو لڑکا گیند پھینکے اسے سکھا دیں کہ ہر مرتبہ حم ینصرون پڑھ کر گیند پھینکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ رن بنا کر میرٹھ کے وہ سب لڑکے آوٹ ہو گئے۔ جو نا معلوم کہاں کہاں سے جیت کر آئے تھے۔

بعض عاملین نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کٓھٰیٰعٓصٓ اور حٰمٓ عٓسٓقٓ

کے پانچ پانچ حرف اور ترمیھم کے چھ حرف ملا کر سولہ ہوئے۔ پس اعلیٰحضرت کے

اس عمل کی بنا پر ان کا سولہ رن سے آگے بڑھنا یا کم ہونا ناممکن تھا۔

اب آتے ہیں اپنے گھر یعنی خانوادہ شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ النورانی کی

طرف صرف ایک دو واقعات۔

اب آیئے۔ ڈاکٹر خالد غزنوی صاحب کی کتاب 'اللہ الطبیب' کی طرف

اس کے صرف ایک دو اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

ایک پائیلٹ کا بیان: پاکستانی فضائیہ کے ایک بمبار پائیلٹ کو گردے

میں اکثر درد رہا کرتا تھا۔ ڈاکٹروں نے بار بار اپریشن کا مشورہ دیا مگر وہ ملک پر جنگ

کے بادل دیکھ کر آپریشن سے بچتا رہا کہ ۶ ستمبر ۶۵ء کو دشمن نے حملہ کر دیا۔ فضائیہ کے

عملے کو معلوم تھا کہ فلاں پائیلٹ درد گردہ سے بے حال ہو جاتا ہے۔ ایسے غیر یقینی

پائیلٹ کے ساتھ جنگ کے دوران کوئی بھی شخص Navigator بننے کو تیار نہ تھا۔

اس کے جذبہ کو دیکھ کر ایک نوجوان تیار ہو گیا اور یہ بھارتی ٹھکانوں پر بمباری کرنے

جاتا تھا۔ درد گردہ سے بچنے کیلئے پرواز سے پہلے اور دورانِ واپسی پر وہ قرآن مجید کی

یہ آیت پڑھتا رہا

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور۔۳۵)

سترہ روزہ جنگ کے دوران اسے ایک مرتبہ بھی گردہ میں تکلیف نہ ہوئی

اور جب امن چین ہو گیا تو اس کا آپریشن ہوا۔ دونوں گردوں میں سے ۱۹ پتھریاں

نکالی گئی۔ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ ۱۹ پتھریوں والے گردے ناکارہ ہوجاتے ہیں اور اس کے لئے کوئی بھی جسمانی مشقت کرنا ناممکن ہوتا ہے مگر اللہ کے کلام میں شفا کی برکت سے یہ شخص دوسروں سے زیادہ سرگرم رہا اور دشمن کے ٹھکانوں کو تباہ کرنے میں اس کی کارگزاری تندرست ساتھیوں سے کم نہ رہی''

دل کا دورہ اور دمہ: دل کو جانے والی خون کی رگوں میں رکاوٹ آجانے سے دورہ پڑتا ہے۔سانس کی نالیاں بند ہوجائیں تو سانس لینے میں تکلیف ہوتی ہے۔ یہ دونوں بیماریاں چھاتی میں گھٹن سے پیدا ہوتی ہیں۔قرآن مجید نے اس باب میں اپنی افادیت کا بڑا اہم تذکرہ فرمایا ہے۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (یونس۔۵۷)

(تمھارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ہدایت کا سرچشمہ آیا ہے، جو کہ سینے کے اندر کے مسائل کے لئے شفا ہے)

اس آیت مبارکہ کو صبح تین شام تین مرتبہ پڑھ کر مریض اپنے اوپر پھونک لے تو ان مسائل سے نجات ہوجاتی ہے۔ایک بزرگ کے صاحبزادے کو دل کا دورہ پڑا، انھوں نے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی بجائے اپنے بیٹے پر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر صبح، شام دم کیا۔یہ نوجوان چند دنوں میں تندرست ہوگیا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝

٥فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ٥ (الحجر۔۹۷ تا ۹۹)

(ہم کو علم ہے کہ ان لوگوں کی باتیں تمھارے سینے میں گھٹن پیدا کرتی ہیں۔تم ان سے بے نیاز ہو کر اللہ کی تعریف بیان کرو، اور نماز پڑھتے رہو۔اللہ کی عبادت اس یقین اور خلوص سے کرو کہ تم کو اس پر یقین کامل رہے)

ان بزرگوں کا قصہ معلوم ہونے پر ہم اپنے دل اور دمہ کے مریضوں کو پچھلے دس سالوں سے یہ مبارک آیت پڑھنے کی تلقین کرتے آئے ہیں۔درود شریف کے ساتھ یہ آیت مبارکہ صبح ،شام تین مرتبہ پڑھنے اور نماز پڑھنے سے ان بیماریوں کا ایک مریض بھی ضائع نہیں ہوا۔یہ اللہ کا فضل اور قرآن مجید کی برکت ہے۔

ایک دوسالہ بچہ شدید دمہ میں مبتلا تھا۔اس کو دوائیں دینے کی بجائے قرآن مجید کی یہ آیت صبح شام تین تین بار پڑھ کر پھونکنے کی ہدایت کی اور گرم پانی میں شہد دینے کی ہدایت کی۔اس بچے کو پچھلے دو ماہ سے دمہ کا ایک بھی دورہ نہیں پڑا۔الحمدللہ قرآن مجید ہر حال میں شفا ہے۔

اب آخر میں ہم اپنے گھر کی طرف یعنی خانوادۂ شہنشاہ لاثانی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

غصے کا علاج: ایک شخص نے حضور نقش لاثانی قدس سرہ سے عرض کی،حضور ایک

صاحب ہیں جب وہ مجھے دیکھتے ہیں تو فوراً غضبناک ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا اس وقت تم بھی آہستہ آہستہ سورۂ اخلاص پڑھا کرو۔ الحمدللہ! جلد ہی یہ شکایت جاتی رہی۔

غلبہ محبت سے جان چھوٹ گئی: حضور نقشۂ نقش لا ثانی اعلیٰحضرت پیر سید عابد حسین شاہ صاحب قدس سرہٗ النورانی جامعہ نظامیہ لاہور میں زیر تعلیم تھے کہ ان کا ایک ساتھی کسی کی محبت میں ایسا وارفتہ ہو گیا کہ ہر وقت اسی محبوب کا تصور دل و دماغ پر چھایا رہتا آپ سے فریاد کی تو ارشاد ہوا کہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرو بحمداللہ مرض جاتا رہا۔

جن بھوت بھاگ جائیں گے۔ ایک دوست نے کسی بزرگ سے جن بھوت نکالنے کا یہ طریقہ سیکھا ہوا تھا کہ سورۂ یٰس مبین کے ساتھ پڑھی جائے۔ سچی بات یہ ہے مجھے یہ مشکل نظر آیا تو میں نے اپنے برادرِ طریقت ڈاکٹر غلام یٰسین صاحب کو نارووال سے ساتھ لیا اور دربار شریف حاضر ہو گئے۔ راستے میں عرض کیا کہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے مزار پہ التجا کریں کہ ہمیں جن بھوت بھگانے کا آسان طریقہ فرمایا جائے۔ الغرض مزار پر سلام عرض کر کے باہر نکلے تو ڈاکٹر صاحب نے بتایا ۔حضور فرماتے ہیں، سورۃ فاتحہ آیۃ الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر دم کرتے رہو چند بار کی تکرار سے جن بھوت بھاگ جائیں گے۔ اب ہم حضور نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھتے ہی فرمانے لگے 'اجی چاروں قل' پڑھنے سے تو پہاڑ راستہ دے دیتے ہیں جن بھوت کیا نہیں بھاگیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

47

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذشتہ قسط میں چند قرآنی وظائف اوران کی گوناگوں برکات وتاثیرات کا ذکر کیا گیا ہے۔اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اوراد و وظائف کے ذکر کی سعادت بھی حاصل کی جائے جن کا ذکر احادیث مبارکہ میں آیا ہے۔یقیناً آیات و روایات میں وارد ہونے والے ان کلمات میں بڑی برکت وتاثیر ہے،مگراس فیض کے حصول کے لئے قلب وزبان کی طہارت بھی ضروری ہے(جیسا کہ گذشتہ قسط میں بھی یہ تصریح کردی گئی ہے)اگر دوا کو ڈاکٹر یا طبیب کی ہدایات کے مطابق استعمال نہ کیا جائے اور مجوزہ پرہیز کی پابندی نہ کی جائے تو اس سے دوا کی ناکامی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ ظاہر ہے،اس کا سبب مریض کی بد پرہیزی اور بےاحتیاطی ہوتی ہے۔اس لئے ان وظائف کا فیض حاصل کرنے کیلئے بھی حلال کھانا اور سچ بولنا ضروری ہے۔حضور پرنور ﷺ نے خود اس کی ہدایات فرمائی ہے۔چنانچہ ایک طویل حدیث کے آخری الفاظ مبارکہ یوں ہیں

ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ
اِلَى السَّمَآءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ
حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى
يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ (مسلم،مشکوٰۃ)

ترجمہ: پھر ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کرتا ہے، بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے، اے میرے رب، اے میرے رب حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور حرام غذا کھلائی جاتی ہے۔ بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہو

اسی برکت وتاثیر میں اضافے کے لئے اللہ کے پاک بندوں سے اجازت بھی لی جاتی ہے۔ وہ جس کو اجازت دیتے ہیں، اپنی توجہ بھی اس کے شاملِ حال کر دیتے ہیں۔ ہم نے بعض وظائف کے ضمن میں بعض واقعات بھی درج کر دیئے ہیں تا کہ انھیں یاد رکھنا بھی آسان ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ اکل حلال (یعنی حلال کھانے) اور صدق مقال (یعنی سچ بولنے) سے بھی ایمان ویقین زیادہ ضروری ہے۔ جس کا جتنا یقین پختہ ہوگا' وہ اتنا ہی فیضیاب ہوگا۔ وہ لوگ جو حضور پرنور ﷺ کے ارشاد فرمودہ اوراد ووظائف کو معاذ اللہ شک وشرک کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جن کا نظریۂ توحید خود ہادیٔ اعظم نبی اکرم رسول اکرم ﷺ کے درس توحید سے ٹکراتا ہے، وہ

اگر سارا قرآن پاک بھی پڑھ لیں تو انھیں کیا حاصل ہوسکتا ہے۔ جسے 'الصادق' اور 'الامین' ﷺ کی زبان وحی ترجمان پر بھی یقین نہیں، وہ تو ابولہب اور ابوجہل کی طرح مردود و ملعون ہے، اسے اللہ کی رحمت سے کیا واسطہ۔

اب آیئے ان قدسی اوراد و وظائف کی طرف جو حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے غلاموں کو بکمالِ شفقت و رحمت سکھائے ہیں۔

۱۔ ہر قسم کی بیماری اور تکلیف سے رہائی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور پرنور ﷺ بیماروں اور کسی تکلیف میں مبتلا ہونے والوں پر یہ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ ، اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا (بخاری، ابوداؤد)

ترجمہ: اے لوگوں کے رب بیماری کو دور فرما، شفا عطا فرما کہ تو ہی شافی ہے تری شفاء کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا عطا فرما جس میں کوئی کمی نہ ہو۔

۲۔ شدید درد کا علاج: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی، یارسول اللہ، اس درد سے مر رہا ہوں، میرے حال پر مہربانی فرمایئے۔ ارشادِ عالی ہوا، درد والی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو اور یہ کلمات کہہ کر ہاتھ پھیرتے جاؤ

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ

(نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس

تکلیف سے جو (جسم میں) پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں

۳۔حضرت جبریل علیہ السلام کا دم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بیمار ہوا تو حضور سید عالم ﷺ عیادت کو تشریف لائے اور ارشاد فرمایا، میں تم پر وہ دم نہ کروں جو جبریل علیہ السلام میرے پاس لے کر آئے تھے۔ التجا کی، ضرور حضور، تو یہ دم فرمایا

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ فِيْكَ اِمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (ابن ماجہ)

ترجمہ: میں اللہ کے نام سے تجھے دم کرتا ہوں اور اللہ تمھیں ہر بیماری سے شفا دے جو تمھارے اندر ہے اور گرہوں پر پھونکیں مارنے والیوں سے اور حسد کرنے والوں کے حسد سے۔

۴۔ایک جامع دعا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ غربت وظلم سے یوں پناہ مانگا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْقِلَّةِ وَ الذِّلَّةِ وَ الْفَقْرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ (نسائی)

ترجمہ: اے میرے اللہ میں قلت، ذلت، فقر و تنگدستی، ظلم

کرنے اور ظلم میں مبتلا ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

۵۔آنکھ اور بعض اعضا کی حفاظت: حضرت شکل بن حمید کے والد ماجد رضی اللہ عنہما نے عرض کی ، یا رسول اللہ ! مجھے ایسی دعا سکھایئے جس سے نفع اٹھاؤں۔ فرمایا، یوں کہا کر

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَ لِسَانِیْ وَ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ یَعْنِیْ ذَکَرَہٗ (نسائی)

ترجمہ: اے اللہ مجھے میرے کان ، میری آنکھ، میری زبان، میرے دل اور جنسی بدچلنی سے محفوظ فرما۔

۶۔زخم یا پھوڑے کا علاج: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب کوئی شخص زخم یا پھوڑے کی شکایت لے کر آتا تو رسول اعظم واکرم ﷺ اپنی مبارک انگلی زمین پر پھیر کر اس کو مٹی لگاتے اور تکلیف والی جگہ پر رکھ کر یہ فرماتے تھے

بِاسْمِ اللّٰہِ تُرْبَۃُ اَرْضِنَا، بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا، یُشْفٰی سَقِیْمُنَا، بِاِذْنِ رَبِّنَا (مسلم)

ترجمہ: میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے جو ہم میں کسی کے تھوک میں ملی ہوئی ہے تا کہ ہمارے بیمار کو ہمارے رب کے حکم سے شفا ہو۔

۷۔ہر غم اور ہر قرضے سے نجات: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا

بیان ہے کہ ایک روز حضور پرنور ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا حضرت ابو امامہ انصاری رضی اللہ عنہ (غم واندوہ کی تصویر بنے) بیٹھے ہیں۔ ارشاد فرمایا

'اے ابوامامہ! مسجد میں نماز کے اوقات کے علاوہ کیسے آئے ہو؟ عرض کی ''غموں اور قرضوں نے مجھے یہاں لا بٹھایا ہے''۔ فرمایا' کیا میں تمھیں ایسا کلام نہ سکھاؤں جس کی برکت سے اللہ تمھارے قرضے اتار دے اور تمھارے غم دور کر دے۔ گذارش کی، حضور ضرور سکھایئے۔ فرمایا صبح وشام یہ دعا کیا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَ قَھْرِ الرِّجَالِ (ابوداؤد)

ترجمہ: اے میرے اللہ' میں سستی، کنجوسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں قرض کے غلبے اور لوگوں کے قہر وغضب سے تیری پناہ کا سوالی ہوں۔

۸۔ نیند نہ آئے تو: نیند نہ آئے تو بستر پر لیٹنے کے بعد حضور ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں یہ دعا کرنی چاہیے

اَللّٰھُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَھَدَأَتِ الْعُیُوْنُ وَاَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ لَا تَاْخُذُکَ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَھْدِیْ لَیْلِیْ وَاَنِمْ عَیْنِیْ (اللہ الطبیب)

ترجمہ: اے اللہ تارے چھپ گئے اور آنکھوں نے آرام پکڑا

اور تو سدا زندہ اور قائم رکھنے والا ہے۔ تجھے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند، یا حیی یا قیوم میری اس رات کو آرام دے اور میری آنکھ کو سلا دے۔

۹۔ نیند میں ڈر آئے تو: حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں، نیند میں ڈر آئے تو گیارہ بار پڑھ کر گیارہ بار سینے پر پھونک ماریں (تین دن صبح وشام یہ عمل کریں) انشاءاللہ ڈر نہ رہے گا۔

اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَ عِقَابِہٖ وَ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ

(ترمذی)

ترجمہ: اللہ کے پورے کلمات کی اس کے اپنے غضب وعقاب سے اور اس کے بندوں کی برائی سے اور شیطانوں کے وسوسے سے اور اپنے پاس شیطانوں کے حاضر ہونے سے پناہ مانگتا ہوں

۱۰۔ مختلف اخلاقی وروحانی بیماریوں سے نجات: حضرت ام معبد روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا ہے

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْکِذْبِ وَ عَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَةِ، فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْر

ترجمہ: اے میرے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو
ریاکاری سے، میری زبان کو جھوٹ سے، میری آنکھ کو خیانت سے
پاک کردے کہ تو ہی آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے بھید جانتا ہے

١١۔غم زیادہ ہو جائیں تو: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق حضور پرنور ﷺ نے فرمایا، جس کے غم اور فکر زیادہ ہو جائیں، وہ بار بار یہ کلمات دہرائے۔سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کی ایک روایت کے مطابق یہ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه (بخاری، مسلم)

ترجمہ: تمام قوت وطاقت اللہ ہی کیلئے ہے۔

١٢۔جو (حلال) کھاؤ، نقصان نہیں دے گا: ایک واقعہ سن لیجئے۔

''ایک صاحب اعلیحضرت (بریلوی علیہ الرضوان) کو دعوت دے کر چلے، دوسرے دن گاڑی آئی، آپ نے مولانا ظفر الدین صاحب بہاری سے ارشاد فرمایا، مولانا آپ بھی چلیں۔مکان پر پہنچے تو دیکھا میزبان منتظر ہیں۔ان کو چارپائی پر بٹھایا اور ہاتھ دھلانے کے بعد ایک ڈلیہ میں چند روٹیاں اور قیمہ جو غالباً بقر کے گوشت کا تھا، مہمانوں کے سامنے رکھ گئے۔مولانا کو الجھن ہوئی کہ حضور بقر کا گوشت تناول نہیں فرماتے، اگر شوربے دار ہوتا تو کسی طرح کام چل جاتا، ان کی دلی تشویش آپ پر ظاہر ومنکشف ہوگئی۔فرمانے لگے، حدیث شریف میں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

ترجمہ: اس اللہ کے نام سے شروع جس کے نام کی برکت سے کوئی چیز بھی زمین وآسمان میں نقصان نہیں دیتی اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

''اس کو پڑھ کر مسلمان جو کچھ کھائے، اس کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ مولانا بھی سمجھ گئے کہ حضور نے میرے شبے کا جواب ارشاد فرمایا ہے۔ میزبان صاحب مولانا کے ملاقاتی تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب ہاتھ دھلانے آئے تو ان سے کہا 'اس غربت میں اعلیٰحضرت کی دعوت کی ضرورت ہی کیا تھی'۔ جواب دیا کہ اسی وجہ سے تو آپ کی دعوت کی ہے تاکہ اعلیٰ حضرت کے مبارک قدم سے میرے گھر میں خوشحالی ہو اور دین ودنیا کی برکتیں حاصل ہوں۔'' (مجدد اسلام: ص۸۱)

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ کو کتاب وسنت پر جو ایمان کامل تھا، اسی نے آپ کو اعلیٰحضرت بنایا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں

''میرے پاس ان عملیات کے ذخائر بھرے پڑے ہیں، لیکن بحمد اللہ تعالیٰ آج تک کبھی اس طرف خیال بھی نہیں کیا۔ ہمیشہ

ان دعاؤں پر جو احادیث میں ارشاد ہوئیں عمل کیا۔ میری تو تمام مشکلات انھیں سے حل ہوتی رہی ہیں ۔ (ملفوظاتِ اعلیٰحضرت، حصہ دوم ارشاد اول)

اب اسی ضمن میں ایک مزید واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۴۳۔ بیماریوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ: یہ واقعہ علامہ ملک العلماء ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے سامنے پیش آیا، نوبت کہاں تک پہنچی، اعلیٰحضرت کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے

'اسی دن مسوڑھوں میں ورم ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہو گیا مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اتارتا تھا اور اسی پر اکتفا کرتا، بات بالکل نہ کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ قرأت سریہ بھی میسر نہ تھی۔ سنتوں میں بھی کسی کی اقتدا کرتا۔ اس وقت مذہب حنفی میں عدم جواز قرأت خلف الامام کا یہ نفیس فائدہ مشاہدہ ہوا۔ جو کسی سے کہنا ہوتا، لکھ دیتا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں۔

میرے منجھلے بھائی مرحوم (یعنی مولانا حسن رضا خاں) ایک طبیب کو لائے، ان دنوں بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا۔ ان صاحب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا، یہ وہی ہے، وہی ہے، یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کرسکتا تھا، اس لئے انھیں جواب نہ دے سکا، حالانکہ میں خوب جانتا تھا، یہ غلط کہہ رہے ہیں کہ مجھے طاعون ہے اور نہ ان شاء اللہ العزیز کبھی ہوگا، اس لئے کہ میں نے طاعون

زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی تھی جسے سید عالم ﷺ نے فرمایا، جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا۔ اس بلا سے محفوظ رہے گا۔

وہ دعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً (ترمذی، ابن ماجہ)

(ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے اس چیز سے عافیت دی جس میں تجھے مبتلا کیا اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی)

جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا، الحمدللہ کہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا (سیرت امام احمد رضا، بحوالہ حیات اعلیحضرت)

۱۴۔ پیٹ درد کے لئے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز مسجد میں بیقراری سے لیٹا ہوا تھا کہ نبی ﷺ تشریف لائے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا

'اے ابو ہریرہ! کیا تمھارے پیٹ میں درد ہے؟

میں نے عرض کی کہ ہاں! یارسول اللہ'

فرمایا، اٹھو اور نماز پڑھو، کیونکہ نماز میں بھی شفا ہے (اللہ الطبیب بحوالہ ابن ماجہ)

۱۵۔درود شریف سے غم دور، گناہ معاف: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، میں حضور پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں۔آپ فرمائیں کہ میں درود شریف پڑھنے کے لئے کتنا وقت مقرر کرلوں۔فرمایا، 'جتنا تم چاہو' میں نے عرض کیا چوتھائی وقت فرمایا، جتنا تم چاہو، اگر اس میں زیادہ کرو تو تمھارے حق میں بہتر ہے۔عرض کیا، آدھا وقت، فرمایا، جتنی تمھاری مرضی، ہاں زیادہ کرو تو تمھارے لئے بہتر ہے،عرض کیا، دو تہائی وقت،فرمایا،جیسی تمھاری مرضی، ہاں زیادہ کرو تو تمھارے لئے بہتر ہے،عرض کیا، سارا وقت (عبادت) آپ پر درود شریف ہی پڑھوں گا تو فرمایا

اِذًا یَّکْفِیْ ھَمَّکَ وَیُکَفِّرُ لَکَ ذَنْبَکَ (ترمذی)

ترجمہ: تب تو تمھارے سب غموں کو کافی ہوگا اور تمھارے گناہ مٹا دے گا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب علیہ الرحمہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں

'اس بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ جو تمام دعائیں وظیفے چھوڑ کر ہمیشہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے تو اسے بغیر مانگے سب کچھ ملے گا اور دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی' (مرآت المناجیح جلد دوم)

جدید 'توحید' کے علمبردار غور سے پڑھیں

درج ذیل وظائف بھی احادیث میں ہیں

۱۶۔نماز حاجت: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک

شخص جس کی نگاہ کمزور تھی، حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض گزار ہوا 'حضور! میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے عافیت بخشے۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا' اگر تو چاہے تو تیرے لئے دعا کو موخر کردوں جو تیرے لئے بہتر ہے اور تو چاہے تو دعا کردوں۔ اس نے عرض کیا دعا فرما دیجئے۔ حضور انور ﷺ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا اور دو رکعت ادا کر کے یوں دعا مانگنے کا حکم دیا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی نبیٔ رحمت جناب محمد ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں یا محمد! میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میرے لئے پوری کی جائے۔ اے اللہ میرے بارے میں حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

ابن ماجہ شریف میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں۔ قال ابو اسحق هذا حديث صحيح یعنی ابواسحٰق نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

حصن حصین میں یہ روایت ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ قزوینی اور

منصف ابن ابی یوسف کے حوالے سے درج ہے۔اس کتاب کے متعلق مولانا محمد ادریس صاحب (دیوبندی) مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کا تبصرہ سنئے۔انھوں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔اسی ترجمے میں 'عرض مولف اور مقصد تالیف، کے تحت فرماتے ہیں

''حصن حصین مستند کتب حدیث سے جمع کردہ ادعیہ و اذکار و آیات پر مشتمل ایک معروف و مقبول کتاب ہے۔ مصنف علام امام محمد بن محمد بن محمد الجزری شافعی رحمۃ اللہ علیہ اتفاقاً اس کتاب کی تالیف کے بعد ہی مشیت الٰہی سے 'تیموری فتنہ، کے زمانہ میں افواج تیمور کے نرغہ میں پھنس گئے ہیں (جس کا تذکرہ کتاب کے خطبہ میں آرہا ہے) اس ناگہانی مصیبت کے زمانہ میں اسی مسنون ادعیہ واذکار کے مجموعہ یعنی حصن حصین کے مسلسل ختم کی برکت سے انھوں نے اور تمام شہر کے مسلمانوں نے اس بلائے بے درمان سے رہائی پائی ہے اور تیموری فوجیں شہر کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئی ہیں''

(ترجمہ حصن حصین ص ا، مطبوعہ تاج کمپنی)

اسی عنوان کے نیچے 'ص ۴' پر فرماتے ہیں (اور یہ از حد قابل غور اور لائق تحسین ہے)

جو دعائیں اور اذکار قرآنِ عظیم میں مذکور ہیں وہ تو اللہ جل شانہ کا مقدس کلام ہیں ہی، لیکن جو دعائیں اور اذکار احادیث میں وارد ہیں، وہ بظاہر تو رسول اللہ ﷺ کی

زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے کلمات ہیں۔لیکن درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کی 'وحی' کے ذریعہ ہی آپ کی زبان مقدس سے ادا ہوئے ہیں،اس لئے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے متعلق قرآن کریم کی شہادت یہ ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(سورۃ النجم:۳،۴)

آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے وہ (جو بھی زبان سے کہتے ہیں وہ) وحی ہے جوان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

لہذا اللہ جل وعلا کے مقدس کلام میں اور رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے نکلی ہوئی دعاؤں اوراذکار میں جوتاثیر و برکت ہوسکتی ہے وہ کسی بھی دوسرے شخص کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات میں یا انھی کے ترجموں میں خواہ وہ اردو میں ترجمہ ہوخواہ فارسی یا کسی بھی دوسری زبان میں ہو،ہوبہوترجمہ ہو،اس میں وہ اثر و برکت ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی جوقرآن کریم کی آیتوں یا حدیث رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں اوراذکار میں ہے۔ (ترجمہ حصن حصین،تاج کمپنی)

کتاب کا دیباچہ وخطبہ اور مقصد تالیف جو مصنف علیہ الرحمہ نے خودلکھا ہے،اس کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا محمد ادریس صاحب (دیوبندی) فرماتے ہیں۔

(یعنی یہ خیالات وارشادات خودحضرت مصنف کے ہیں)

''اگرچہ (دعاؤں کا) یہ مجموعہ بہت مختصر اور چھوٹا سا ہے مگر

میں نے (انسانی حوائج وضروریات کے لئے) ہر باب کی کوئی صحیح حدیث نہیں چھوڑی جس کو پیش نظر نہ رکھا ہو (اور اس کتاب میں ذکر نہ کیا ہو)

اور جب میں اس (مجموعہ) کی ترتیب واصلاح مکمل کر چکا تو مجھے ایک ایسے دشمن (تیموری لشکر کے سردار) نے اپنے پاس حاضری کا حکم دیا (جو اتنا طاقتور اور ظالم تھا کہ) اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی دفع ہی نہیں کرسکتا تھا، تو میں فرار اور روپوش ہوگیا اور اسی قلعہ حصن حصین میں پناہ گزین ہوگیا۔ (یعنی اس روپوشی کے زمانہ میں حصن حصین کا ختم کرتا رہا) تو ایک شب مجھے سردار انبیاء علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میں حضور اقدس ﷺ کی بائیں جانب بیٹھا ہوا ہوں، اور گویا حضور علیہ الصلوۃ والسلام مجھ سے فرماتے ہیں: کہو کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے میرے اور تمام مسلمانوں کے لئے (اس کتاب کے ذریعہ تمام مصائب وآفات سے محفوظ رہنے کی دعا فرمایئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لئے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے۔ گویا میں آپ کے دست مبارک کی طرف دیکھ

رہا ہوں۔ پھر آپ نے دعا فرمائی اور (دعا سے فارغ ہو کر)
روئے مبارک پر ہاتھ پھیرے۔ جمعرات کی شب میں میں نے
یہ خواب دیکھا اور اتوار کی رات کو دشمن (شہر کا محاصرہ چھوڑ کر)
بھاگ گیا" (صفحہ نمبر ۱۱۔۱۲)

پھر آیئے اسی نماز حاجت کی طرف، اسی کے بارے میں نسیم الریاض جلد ثالث ص ۱۰۴ پر ہے

كَانَ ابْنُ حُنَيْفٍ وَبَنُوْهُ يُعَلِّمُوْنَهُ النَّاسَ وَقَدْ
حُكِيَ فِيْهِ حِكَايَاتٌ فِيْهَا اِجَابَةُ دُعَاءِ مَنْ دَعَا بِهٖ
مِنْ غَيْرِ تَاَخُّرٍ

(یعنی حضرت عثمان بن حنیف اور ان کی اولاد لوگوں کو یہ دعا
سکھایا کرتے تھے اور اس کے متعلق بہت سی حکایات بیان
کی گئی ہیں جن میں اس دعا کے ساتھ دعا مانگنے والوں کی
حاجات کے فوری طور پر پورا ہونے کا ذکر ہے (حصن
حصین ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی مدظلہ ص ۲۰۴)

۱۷۔ سفر میں سواری کا جانور چھوٹ کر بھاگ جائے تو بلند آواز سے کہے

اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے

۱۸۔ اگر کسی مددگار کی ضرورت ہو تو پکارے:

یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ ، یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ ،

یَا عِبَادِ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ

ترجمہ: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو!

میری مدد کرو اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو

مولانا محمد ادریس صاحب اس وظیفے کے نیچے لکھتے ہیں

ف! مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، یہ عمل آزمودہ ہے۔

انصاف اور ایمان کا تقاضا: جس رسول اکرم و اعظم و افخم ﷺ نے دنیا کو اللہ کی توحید اور بندگی کا سبق دیا، جس نے اوہام وظنون کی ظلمات کو چھانٹا، بتوں کی جھوٹی اور موہومہ خدائی کے پرخچے اڑا دیئے اور جس نے ایمان و عرفان کی تجلیات سے فکر و نظر کو منور فرما کر یا اللہ اور یا حیی یا قیوم کا ورد سکھایا، وہی یا عباد اللہ کا ورد سکھا رہا ہے۔ اگر واقعی اللہ کے نبی ﷺ پر مکمل ایمان و اعتماد ہے تو یقین کیجئے یا عباد اللہ کہنا بھی شرک نہیں، توحید ہی کا جلوہ اور ایمان کا تقاضا ہے۔ ہاں جس دنیائے اسباب میں ڈاکٹر حکیم، جج وکیل، امیر و وزیر اپنے اپنے اختیارات کے مطابق اپنوں کی مدد کر سکتے ہیں، وہاں اللہ کے بندے کیوں مدد نہیں کر سکتے اور اگر دنیا والوں کی مدد شرک نہیں تو اللہ والوں کی مدد کیوں شرک ہوگئی۔ نیز اگر یا عباد اللہ کہنا شرک نہیں تو یا رسول اللہ کہنا کیوں شرک ہوگا۔

لیجئے اس ضمن میں ایک ایمان افروز روایت۔ مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور پرنور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں داخل ہوئے

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَ النِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَ تَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَ الْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ترجمہ: تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو کر نعرے لگاتے تھے

يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ایک غیر مقلد 'محدث' کا فیصلہ: مولانا وحید الزمان غیر مقلد جو کئی کتب حدیث کے مترجم اور غیر مقلد حضرات کے قابل قدر و قابل اعتماد مصنف و محقق ہیں، اپنا فیصلہ دیتے ہیں۔ یاد رہے جس 'ہدیۃ المہدی' کا یہ اقتباس پیش کیا جارہا ہے، اس کے سرورق پر یہ بھی تحریر ہے، 'مشتمل بر عقائد اہل حدیث، اور غالباً اس کا نام 'ہدیۃ المہدی' اس لئے رکھا گیا ہے کہ مصنف کی آرزو کے مطابق، جب امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور ہو تو اسے ان کی خدمت میں 'نذر' کیا جائے۔ بہرحال ان کا فیصلہ حسب ذیل ہے۔

مَا تَقُوْلُهُ الْعَامَّةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ يَا عَلِيُّ اَوْ يَا غَوْثُ فَبِمُجَرَّدِ النِّدَاءِ لَا نَحْكُمُ بِشِرْكِهِمْ كَيْفَ وَ قَدْ نَادٰى

رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ قَتْلٰی بَدْرٍ یَافُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَ یَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَ وَرَدَ فِیْ حَدِیْثِ عُثْمَانَ بْنِ حُنَیْفٍ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ وَ صَحَّحَہُ الْبَیْھَقِیُّ وَالْجَزْرِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ وَ وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ (ص۲۴)

ترجمہ: یعنی عام لوگ جو یارسول اللہ، یاعلی، یاغوث کا نعرہ لگاتے ہیں تو صرف اس ندا سے ہم انھیں مشرک نہیں کہہ سکتے۔ اور کیسے کہیں جب خود رسول اللہ ﷺ نے مقتولین بدر کو یا فلاں بن فلاں اور یا فلاں بن فلاں کہہ کر پکارا اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے **یا محمد** میں آپ کے ذریعے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور اس حدیث کو بیہقی و جزری نے صحیح کہا اور ترمذی نے حسن صحیح۔ اور ایک روایت میں ہے۔ یارسول اللہ میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں اور حدیث میں آیا ہے، 'اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو'۔

لیجئے 'یا عباد اللہ' کے سلسلے میں ایک اور روایت، یہ ہے کتاب "الوابل الصیب" اس کے مصنف ہیں علامہ ابن القیم الجوزیہ۔ میں نے اسے مکہ معظمہ میں خریدا تھا۔ اس میں یہ روایت یوں درج ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ
اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّۃُ اَحَدِکُمْ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ فَلْیُنَادِ: یَاعِبَادَ
اللّٰہِ اِحْبِسُوْا، یَاعِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا، فَاِنَّ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ
حَاضِرًا سَیَحْبِسُہٗ (رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا جانور جنگل میں (چھوٹ کر) بھاگ جائے تو وہ پکارے 'اے اللہ کے بندوا سے روک لو' اے اللہ کے بندو! اسے روک لو، کہ اللہ عزوجل کی طرف سے کوئی ضرور حاضر ہوتا ہے جو اسے جلد ہی روک لے گا

۱۹۔ پاؤں سن ہو جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا پڑھتے تھے:

حضرت عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا، تو ایک آدمی نے عرض کیا

اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ

یعنی اسے یاد کیجئے جو آپ کو سب انسانوں میں محبوب ترین ہے، تو آپ نے فوراً پکارا یا محمد (ﷺ)

ہاں ہاں اگر حضور ﷺ کسی کو سب سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو وہ مومن نہیں ہو سکتا چنانچہ اسی حقیقت کے پیش نظر کہنے والے کا مطلب بھی یہی تھا کہ حضور پرنور ﷺ کو پکاریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

48

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذشتہ دو قسطوں میں قرآن پاک کی بعض آیات کی تاثیرات اور حدیث پاک میں وارد اوراد و وظائف کے اثرات کا ذکر کیا گیا نیز یہ بھی واضح کیا گیا کہ ان تمام 'اذکار' کا اثر سب کے لئے یکساں نہیں ہوتا بلکہ جو جتنا رزق حلال اور صدق مقال (یعنی سچ بولنے) کا التزام کرتا ہے، اتنا ہی ان 'وظائف' کا اثر زیادہ ہوگا۔ اس اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ کتاب و سنت کی برکات کی سب سے بڑی جلوہ گاہ اولیاء اللہ ہیں بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسول ﷺ کے کلام سے فیض پاتے ہیں اور آگے تقسیم کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں کی زبان غیر محتاط ہوتی ہے، اس لئے قرآن مقدس اور حدیث پاک کے الفاظ اس پر وہ اثر نہیں دکھاتے۔ اللہ والوں کا اور کوئی فائدہ نہ بھی ہو، پھر بھی کیا یہ بات کم ہے کہ ان کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی تاثیرات ظاہر ہوتی ہیں گویا ان کا وجود اسلام کی صداقت کا چلتا پھرتا ثبوت ہے۔

اب ایک اور پہلو سے اولیاء اللہ کی روحانی عظمت پر گفتگو کی جاتی ہے،

اس سلسلے میں رأس الاولیاء، رأس الاصفیاء، محبوب سبحانی، غوث صمدانی واہب المراد حضور شہنشاہ بغداد کا ایک ارشاد عالی سن لیجئے۔ یہی آج کے مضمون کی بنیاد ہے۔

وَهُوَ قَوْلُهٗ جَلَّ وَ عَلَا فِیْ بَعْضِ کُتُبِهٖ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا اَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْکَ تَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں فرمایا ''اے ابن آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، میں کسی چیز کو کہتا ہوں 'ہو جا' تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو میری فرمانبرداری کر۔ میں تجھے یہ شان دے دوں گا کہ تو بھی کسی چیز کو کہہ دے گا 'ہو جا' تو وہ ہو جائے گی۔ چنانچہ بہت سے انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء (علیہم الرضوان) سے ایسا ہوا۔

ظاہر ہے جس پر اللہ کی جو بھی رحمت ہوئی، حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کے صدقے میں ہوئی، تو سوچئے جب حضور ﷺ کے غلاموں اور وارثوں کا یہ مرتبہ ہو کہ وہ مقام 'فنا' پر فائز ہو کر 'کن' کہہ دیں تو اس کے مطابق ہوتا ہے خود باعث تکوین کائنات علیہ افضل الصلوٰت کی شان کیا ہو گی اسی لئے اعلیحضرت قدس سرہ نے فرمایا ہے

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

یہاں حصول برکت کے لئے محض ایک دو واقعات درج کئے جاتے ہیں

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حکم بن عاص حضور ﷺ کی مجلس میں آتا اور حضور ﷺ کچھ فرماتے تو وہ منہ مار مار کر نقل اتارنے کی کوشش کرتا

حضور ﷺ نے فرمایا

كُنْ كَذٰلِكَ فَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتّٰى مَاتَ (طبرانی۔ بیہقی وغیرہ)

ترجمہ: ایسا ہی ہو جا چنانچہ وہ ہو گیا اور مرتے دم تک منہ مارتا رہا

۲۔ ایک شخص وحی لکھتے لکھتے مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے مل گیا تو حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُهٗ

(بیشک اسے زمین قبول نہ کرے گی)

چنانچہ مشرک اسے دفن کرتے ، زمین باہر پھینک دیتی ، وہ اور گہرا کھودتے ، زمین پھر باہر پھینک دیتی ، آخرکار باہر پڑا رہا حتیٰ کہ جسم نیست و نابود ہو گیا مگر زمین نے آخر تک قبول نہ کیا (بخاری و مسلم)

۳۔ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا كُلْ بِيَمِيْنِكَ (اپنے دائیں ہاتھ سے کھا) بولا لَا اَسْتَطِيْعُ (میں ایسا نہیں کر سکتا گویا دایاں ہاتھ بیکار ہے) فرمایا لَا اسْتَطَعْتَ (تو ایسا نہ کر سکے) اس نے یہ جھوٹا عذر از راہ تکبر کیا تھا چنانچہ ہاتھ ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گیا (مسلم)

۴۔ حضور پرنور ﷺ نے غزوۂ ذی قرد (۷ھ) میں ایک چشمے پر نزول فرمایا تو عرض کیا گیا ’حضور! اس کا نام بیسان ہے اور اس کا پانی نمکین ہے، ارشاد ہوا

بَلْ هُوَ نُعْمَانُ وَمَاءُهُ طَيِّبٌ“

ترجمہ: (نہیں) بلکہ وہ نعمان ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے

تو وہ میٹھا ہو گیا (شفا شریف، خصائص کبریٰ اول)

اولیاء کرام علیہم الرضوان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے بیشمار واقعات آپ کو مل جائیں گے، جن میں انھوں نے کوئی ورد وظیفہ نہیں بتایا، محض اللہ کے توکل پر فرما دیا کام ہو جائے گا یا بالکل اوپر کی حقیقت کے مطابق فرما دیا ’ہو جا‘ تو جس کی طرف ہونے کا اشارہ تھا، ہو گیا۔ مثلاً راحت القلوب کے مقدمے میں اخبار الاخیار وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک سوداگر گاڑی پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا۔ جب اجودھن پہنچا تو راستے میں حضرت شیخ (بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہ) کھڑے تھے۔ آپ نے اس سے پوچھا، اس میں کیا لدا ہوا ہے۔ سوداگر نے ٹالنے کے لئے کہا ’نمک ہے بابا‘ آپ نے فرمایا ’نمک ہی ہوگا‘ سوداگر نے منزل پر پہنچ کر جب دیکھا تو بوروں میں شکر کی بجائے نمک تھا۔ بہت پریشان ہوا اور پھر واپس اجودھن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی طلب کی۔ آپ نے فرمایا ’جھوٹ بولنا بری عادت ہے۔ آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ پھر فرمایا ’بوروں میں شکر تھی تو انشاء اللہ شکر ہی ہوگی۔ سوداگر نے جھوٹ سے توبہ کی اور جا کر بوروں

کو دیکھا تو ان میں شکر بھری ہوئی تھی۔ خانخاناں نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے

کان نمک، جہاں شکر، شیخ بحرو بر

آں کہ شکر نمک کند واز نمک شکر!

الحقیقہ کا موجودہ شمارہ جنوری میں شائع ہو رہا ہے۔ میرے شیخ و مرشد، سیدی وسندی شیخ الاولیاء راس الاصفیاء، شہنشاہ ولایت سرکار نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کا سالانہ عرس مبارک جو ہر سال ۲ ذوالحجہ کو نقش لاثانی نگر میں ہوتا ہے، اس بار ۱۳ جنوری کو آرہا ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے چند واقعات قارئین کی نذر کئے جاتے ہیں۔ یہ نہایت ہی قلیل نمونہ ہے آپ کے خداداد کمالات وتصرفات کا اور پھر یہ کہ ان کے ظہور کا تعلق اسی فقیر پر تقصیر سے ہے۔ حق یہ ہے کہ اس عاجز کو میٹرک کا نتیجہ آنے سے پہلے ہی والد ماجد علیہ الرحمہ کے انتقال کی بنا پر یتیمی کا صدمہ سہنا پڑا، مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ یتیمی مرشد کامل قدس سرہ کی توجہات و عنایات کا مزید سبب بن گئی۔ کالج کی تعلیم کا اہتمام ہی اس نظر کرم سے نہیں ہوا بلکہ رحمت و برکت کا یہ سلسلہ حضور کے وصال تک بلکہ تا حال جاری وساری ہے۔

۱۹۵۶ء میں میٹرک کا امتحان وظیفہ کے ساتھ پاس کر کے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں داخل کرا دیا گیا۔ یتیمی اور پھر غربت بھی، حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے اس بندہ بیکس کی بے سروسامانی پر رحم فرماتے ہوئے موضع غازی پور متصل سیالکوٹ جناح پارک سیالکوٹ شہر میں صوفی با صفا قدوۃ اہل وفا جناب صوفی

رحمت علی صاحب کے ہاں رہائش کا بندوبست کر دیا، ان کا جوان اور نیک نہاد بیٹا محمد شریف اس سے چند مہینے قبل پانی میں ڈوب کر شہید ہو گیا تھا تو صوفی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا اور رب نے محمد حسین (آسی) کی شکل میں بیٹا دے دیا اور آسی کا باپ فوت ہو گیا تھا، اسے میری صورت میں اللہ کے فضل سے باپ مل گیا۔ حق یہ ہے کہ دلوں کا یہ تعلق مرشد کامل کی توجہ کے بغیر ناممکن تھا۔ قبلہ صوفی صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا نے بالکل بیٹوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ پیار کیا۔ بلکہ ان کی اولاد نے بھی مجھے ایک فرد کنبہ ہی کی حیثیت دی اور اب تک یہ خاندان میرے ساتھ بزرگوں کی اس روش کو نباہ رہا ہے۔

۱۹۵۷ء میں میں نے کالج میں سال اول میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

ایک سال پہلے سیالکوٹ میں کوئی صاحب ساجد میر نامی ایف۔ اے میں ۶۵۰/۴۹۲ نمبر لے کر پورے بورڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کر چکے تھے اور اب میرے سال اول میں ۶۵۰/۴۹۱ نمبر آئے تھے، میں دربار شریف حاضر ہوا اور اپنے آقا و مولا، اپنے سخی و بندہ نواز (قدس سرہ) کی خدمت میں نتیجے کی خبر عرض کی۔ حضور بہت خوش ہوئے۔ درباری حکیم مولانا غلام رسول علیہ الرحمہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ’حکیم جی یہ امتحان میں اول آیا ہے‘ حالانکہ وہاں ضلع بھر کے طالبعلم ہوتے ہیں میں نے عرض کی ’حضور‘ ایک نمبر زیادہ آ جائے تو اگلے سال بورڈ میں اول یا دوم آنے کی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ بات میں نے ’ساجد میر‘ صاحب کے واقعے

کو سامنے رکھ کر محض فطری سادگی کی بنا پر کردی تھی، مگر قربان جایئے اس خدا رسیدہ مردِ کامل کے، فرمایا 'اللہ اگے ایہ کدوں مشکل اے' یعنی اللہ یوں بھی کر سکتا ہے، وہ قادرِ مطلق جو ہوا، اسے کیا مشکل ہے'۔ (میرے حضور کا تکیہ کلام ہی کچھ ایسا ہوا کرتا تھا) اگلے سال امتحان کے دنوں میں بیمار ہو گیا۔ بعض دفعہ یوں ہوتا کہ پرچہ شروع ہونے سے پندرہ بیس منٹ پہلے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوا۔ پرچہ تسلی سے مکمل کیا تو علالت پھر لوٹ آتی۔ مگر اللہ کریم نے اپنے بندہ کریم کی زبانِ کریم کی لاج رکھی اور فقیر ۶۵۰/۹۲۴ نمبر لے کر لاہور بورڈ میں دوسری پوزیشن پر فائز ہو گیا حالانکہ یہ ون یونٹ کا زمانہ تھا اور پشاور اور کوئٹہ تک لاہور بورڈ کے دائرے تھے۔

ہاں ضمناً ایک بات اور عرض کردوں۔ قبلہ صوفی رحمت علی رحمۃ اللہ علیہ غوث الاغیاث فرد الافراد حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کے مرید صادق تھے اور حضور نے اپنی مرضی کے مطابق نقشبندی اور پھر قادری سلسلے میں بیعت فرما کر دو سلسلوں کے فیض سے مالا مال کیا ہوا تھا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کی یہ عادت مبارکہ نہیں تھی کہ کسی کو خود بیعت کی ترغیب دیتے۔ کسی نے اس سلسلے میں عرض کی تو بندہ نوازی فرماتے۔ پھر ایک سلسلے کے بعد خود دوسرے سلسلے میں بیعت فرمانا تو بالکل ہی بہت عجیب تھا مگر صوفی صاحب پر یہ کرم فرمایا (مرشد حقانی نے ان کی استعداد کو ملحوظ رکھ کر یہ نوازش فرمائی)۔ سیدی حضور نقش لاثانی قدس سرہ کا مجھے ان کے ہاں ٹھہرانا محض میری ظاہری مشکلات ہی کے پیش نظر نہیں

تھا بلکہ ان سے تربیت دلانا بھی مقصود تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سیدنا رحمۃ للعلمین ﷺ کے فضل وکرم اور مرشد حقانی حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی برکت وتوجہ سے میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ کی بات ہے میں ابھی جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتا تھا کہ قبلہ صوفی صاحب مرحوم غریب خانہ پر تشریف لائے، اپنے اس عاجز و نالائق بیٹے کو سینے سے لگایا اور فرمایا' جو امانت مجھے پیر خانے سے ملی تھی میں نے خدا کے لئے تجھے بخشی۔ فالحمد لله رب العلمين ثم الصلوٰة والسلام على سيدنا رحمة للعلمين و على آله و اصحابه اجمعينO

چونکہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے خود اس سگ بارگاہ کو کالج میں داخل کرایا تھا لہذا عقیدہ وایمان کی ہی نہیں بہت حد تک عمل وکردار کی حفاظت بھی کی۔ سال سوم میں میں حضور قبلہ عالم کے اشارے پر کالج کے ہاسٹل میں داخل ہو گیا۔ اس وقت مجھے اس تبدیلی کی زیادہ سمجھ نہ آئی مگر بعد میں راز کھلا۔ ہاسٹل میں ایک مرزائی نوجوان بھی داخل ہو گیا تو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ وہ مرزائیت کی لعنت سے آزاد ہو گیا اور دائرہ اسلام میں آیا۔ اسی طرح ایک نوجوان جس پر دہریت کا غلبہ ہو رہا تھا، دوبارہ ایمان کے نور سے روشن ہو گیا۔ باقی طلبہ بھی خدا کے فضل اور حضور سیدنا رحمۃ للعلمین ﷺ کی رحمت سے خاصے متاثر تھے۔ ہاسٹل میں اذان و نماز باجماعت کا اہتمام تھا اور یہ فقیر امامت کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ آٹھ یا بیس

تراویح کا جھگڑا کھڑا ہو گیا تو بعض نوجوانوں نے کالج لائبریری سے کتابیں لے کر خود تحقیق کی تو انھوں نے بیس پڑھنی شروع کر دیں۔ ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے گھروں میں اس سے پہلے آٹھ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

یہ تو ہاسٹل کی باتیں تھیں مگر مرشد کامل کی توجہات وتصرفات یہاں بھی یہیں تک محدود نہیں تھے۔ چنانچہ ایک بار ہاسٹل کے طلبہ نے سپرنٹنڈنٹ ہاسٹل کے خلاف پرنسپل صاحب سے شکایت کی یا سپرنٹنڈنٹ نے بعض طلبہ کے ناروا سلوک کے خلاف پرنسپل صاحب کے کان بھرے تھے۔ مجھے اس ساری صورت حال کا اسی وقت علم ہوا جب پرنسپل صاحب نے کچہری لگا لی۔ اختر نامی ایک طالب علم جو تحصیل شکر گڑھ کا رہنے والا تھا، تفتیش کے دوران کہنے لگا، سپرنٹنڈنٹ نے حضور پر نور ﷺ کے بارے میں 'یہ' کہا۔ پرنسپل صاحب نے کچھ اور شکایات بھی سنیں اور پھر اختر سے کہا کہ 'سپرنٹنڈنٹ سے معافی مانگ لے' میں نے کہا 'پرنسپل صاحب! آپ نے سنا جو سپرنٹنڈنٹ کے خلاف شکایت ہوئی۔ پرنسپل صاحب نے کہا 'ہاں'۔ میں نے کہا 'آپ پر کیا اثر ہوا' بولے'' میں تو یہ چاہتا تھا مجھ پر بجلی گر پڑے مگر یہ نہ سنتا۔ میں نے کہا پھر بھی اختر کو معافی مانگنے کی تلقین کرتے ہیں میں تو اختر کو معافی نہیں مانگنے دوں گا۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا میں نے تو یہ کہا تھا کہ مستشرقین نے یوں کہا ہے'۔ (یعنی میں نے اپنی طرف سے یہ بات نہیں کہی) میں نے کہا 'اگر مستشرقین نے ایسی بکواس کی تھی تو آپ نے اسے کیوں دُھرایا'۔ وہ چپ ہو گیا اور

پرنسپل خاموشی سے لوٹ گئے۔

یہ تو شیخ کریم قدس سرہ العظیم کی توجہ تھی جس نے ہاسٹل کی فضا میں انقلاب برپا کر دیا چنانچہ پرنسپل صاحب کہا کرتے تھے' آسی کے آنے سے ہاسٹل پاک ہو گیا ہے' (غالباً اس سے پہلے اذان و نماز باجماعت کا اہتمام نہیں تھا) خدا کے فضل سے ہم لوگ باجماعت نماز ہی ادا نہیں کرتے تھے بلکہ ہر جمعرات کو سیالکوٹ کے عظیم و جلیل تاجدار حضرت امام علی الحق قدس سرہ کے مزار پر حاضری کی سعادت بھی حاصل کرتے تھے۔ ہمارے کالج میں پروفیسر تجمل حسین راٹھور انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انگریزی کے ساتھ فلسفے کے مطالعے نے ان کو شکوک و شبہات میں گرفتار کر کے ان کی ذہنی فضا کو تیرہ و تاریک کر دیا ہوا تھا۔ بعض دفعہ وہ مجھے بھی اس قسم کے پیغام بھیجا کرتے تھے کہ آسی کو کہنا انگریزی سیکھنی ہے تو پانچ وقت کی نماز نہ پڑھا کرے بلکہ دو تین وقت کی کافی ہے۔ اس قسم کے مذہب دشمن کو بھی بعض دفعہ رات کے دس بجے دربار امام صاحب میں دیکھتا تو پوچھتا' سر یہاں کیسے آئے ہیں' تو فرماتے' آسی! یہاں سکون ملتا ہے'۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ جملہ مزارات اولیاء کی برکات پر ہمارے یقین کو اور زیادہ مضبوط کر دیتا۔

یہ نوجوان جو اس وقت ہاسٹل میں تھے، کالج سے فارغ ہو کر کوئی کسی طرف نکل گیا اور کسی نے کوئی شغل اختیار کر لیا مگر الحمد للہ ہاسٹل کی مقدس فضا کے اثرات دیرپا ثابت ہوئے اور دوستوں کے فکر و عمل کو مدتوں تک روشن کرتے رہے۔

یہ تھا ہاسٹل کا معاملہ (جس میں داخلے کا اچانک اشارہ فرمایا گیا تھا) رہ گیا کالج کا معاملہ تو اس سے زیادہ وسیع تھا۔ یہاں دیوبندی، غیر مقلد، رافضی وخارجی اساتذہ ہی نہیں تھے، 'اسلامیہ' کا لفظ کالج کے نام میں داخل ہونے کے باوجود کئی کمیونسٹ ذہن کے لوگ بھی تھے۔ میں ایک مدت تک سوچتا رہا ہوں کہ آخر کالج میں مجھے کیوں داخل کرایا گیا تھا، کیا معروف دینی تعلیم اس سے زیادہ بہتر نہیں تھی، تو کالج کے حالات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عملاً اسلام کے بارے میں جن مختلف خیال لوگوں کو کالج میں دیکھنے کا موقع ملتا تھا، ہمارے دینی مدرسوں میں اس کا چانس بہت کم ہے۔ پیر ومرشد حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے اس قسم کے لوگوں کے عین درمیان رکھ کر ان میں سے کسی سے متاثر نہیں ہونے دیا بلکہ ان کی برکت سے بہت سے دوسرے لوگوں کا ایمان بھی بچ گیا۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ کالجوں میں بد مذہب لوگ اپنے بچوں کو اپنے مسلک کی تبلیغ کے لئے بھی داخل کراتے ہیں۔ میں نے طالب علمی کے معروف دور میں بھی اسکا مشاہدہ کیا اور بطور استاد بھی۔ چنانچہ ہمارے نوجوان بڑی آسانی سے ان کا شکار ہو جاتے ہیں اور علم حاصل کرتے کرتے ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بہت افسوس کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ ہماری مذہبی بے حسی جو مدتوں پہلے شروع ہوئی، نجانے کب تک جاری رہے گی۔ اکثر و بیشتر علماء ومشائخ بھی اس صورت حال کا درک نہیں رکھتے۔ اور اگر ہم ایسے ہی اپنے مذہب کا احساس رکھتے جیسے

دوسرے رکھتے ہیں تو شاید یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔اس وقت ہمارے ہاں بےحسی ہی نہیں، بدنظمی بھی ہے۔اگر ہم بھی اتنے ہی ہوشیار ہوتے جتنے اہل سنت و جماعت کے مخالفین ہیں تو شاید یہ مخالفین زیادہ نہ پنپ سکتے۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کے اصول کے مطابق ہمیں جینے کا کوئی حق نہیں۔ہم اگر بچے ہوئے ہیں تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور حضور پرنور ﷺ کی نظر کرم۔ یوں سمجھئے اپنی بےتدبیریوں بلکہ بدتدبیریوں کے باوجود اور نہایت سخت نالائق اور بےشعور و بےحس ہوتے ہوئے بھی ہم زندہ ہیں تو اس لئے کہ جیسے بھی ہیں حضور ﷺ کے تو ہیں۔مخالفین صلوٰۃ وسلام کے دشمن، حضور ﷺ کے علم غیب کے منکر، حضور ﷺ کے تصرفات و کمالات کے باغی، وہ اپنی نمازوں روزوں کے باوجود حضور ﷺ کے کچھ نہیں لگتے نہیں ایسا نہیں، لگتے ہیں مگر دشمن لگتے ہیں۔وہ بہت چالاک، بہت عیار، بہت فنکار، بہت منصوبہ ساز، بہت منظم اور متحد، مگر پھر بھی حضور ﷺ سے دور اور بدخواہ۔ان کی ساری چالاکیاں، منصوبہ بندیاں، تنظیمیں اور شور شرابے صرف اس لئے کہ حضور پرنور ﷺ کا ذکر روکا جائے، فضائل کا انکار کرایا جائے اور امت کو اپنے والی ﷺ سے منقطع کر دیا جائے۔لہٰذا یہ سرکار دولتمدار ﷺ کے ہی نہیں رب قہار و جبار کے بھی دشمن، ظاہر ہے تھوڑا بہت کامیاب تو ہو جاتے ہیں، آخری کامیابی ان کے مقدر میں نہیں۔

اس کے برعکس ہم وقت کے تقاضوں سے بےخبر ہی سہی، بےشعور و بےحس ہی سہی، خدا کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے باغی نہیں اور اب ہم

جیتے ہیں تو محض اس لئے کہ حضور ﷺ کی بندہ نوازی اور رحمت ہمارے ساتھ ہے اور اس کی برکت سے وہ صورت ہے جسے خود زبانِ رسالت نے فرمایا تھا

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

ہاں یہ جماعت ہے جسے سوادِ اعظم فرما کر امت کو حکم دیا گیا

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ

ترجمہ: بڑے گروہ کی پیروی کرو

اور کہیں فرمایا

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ

ترجمہ: تم پر جماعت اور عام لوگوں کے ساتھ چلنا ضروری ہے۔

خدا کا شکر ہے اپنی بے حسی اور بے شعوری کے باوجود ہم حضور ﷺ کے ہیں۔ حضور ﷺ کے ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کے دشمن ہمیں مشرک کہتے ہیں۔ یہ کہتے رہیں، پھر کیا ہے، ہمارے آقا و مولا ﷺ ہمیں تسلی دے چکے ہیں

وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ (بخاری)

ترجمہ: اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔

خیر بات یہ ہو رہی تھی کہ مخالفین اہل سنت اپنے بچوں کو ٹریننگ دے کر کالجوں میں بھیجتے ہیں اور وہ کسی حد تک اپنا مقصد بھی پورا کر لیتے ہیں، ہمارے ہاں

ایسی سوچ نہیں۔مگر قربان جائیں جس سراپا بصیرت وشعور شخصیت نے اس عاجز کو کالج میں داخل کرایا تھا، اس نے اس وقت گو یہ راز نہیں کھولا، لیکن حقیقت ہے اپنے سگ بارگاہ کے ایمان کا ہی خیال نہیں رکھا بلکہ اس کے ذریعے کئی دوسرے نوجوانوں کا ایمان بھی بچالیا۔میں سوچتا ہوں آدھی صدی گزرنے کے باوجود ابھی تک کالجوں اور سکولوں کو سنبھالنے کا ہمیں تصور نہیں آیا، اور میرے آقا علیہ الرضوان اتنا عرصہ پہلے بھی کیسی خداداد بصیرت واحساس کے مالک تھے۔آیئے حضور قبلہ عالم کی توجہ کے چند مزید کرشمے دیکھیں۔

انگریزی کے ایک استاد غیر مقلد تھے اور مجھے بہت چاہتے تھے سال دوم کو انگریزی پڑھاتے ایک دن نجانے کیا جوش آیا، دفعتاً فرمانے لگے 'مسجدوں میں اللہ اور رسول (ﷺ) کا نام تو لکھا نہیں ہوتا، البتہ یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ لکھا ہوتا ہے۔اور شَیْئًا لِلّٰہِ کا معنی ہے اللہ کا حصہ۔ایک طالبعلم نے عرض کی 'سر' ایسی مسجدیں کہاں ہے جس میں اللہ ورسول ﷺ کا نام پاک نہیں، اور یہ لکھا ہے، پروفیسر صاحب! میں دکھا سکتا ہوں۔پھر میں کھڑا ہوا۔میں نے عرض کیا، کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہمارے لائق پروفیسر صاحب کو شَیْئًا لِلّٰہِ کا معنی نہیں آتا۔شیئاً کا معنی ہے کوئی چیز اور للہ کا معنی ہے اللہ کے لئے۔سارے جملے کا مفہوم یہ ہوا، 'یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی اللہ کے لئے کچھ دیجئے' اس میں 'اللہ کا حصہ' کہاں سے آ گیا۔

پروفیسر صاحب چند لمحے خاموش رہے۔پھر کہنے لگے قرآن تو کہتا ہے

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ گویا وہ تو بالکل ہمارے جیسے بشر ہیں، انھوں نے پتا نہیں کیا کیا بنالیا ہے،

میں نے کہا، دوستو! ہمارے پروفیسر صاحب کہہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ عام بشروں جیسے ہیں، میں ابھی ثابت کرتا ہوں کہ حضور تو حضور ﷺ۔ جس چیز کی نسبت بھی حضور ﷺ سے ہوجائے، قرآن پاک کی رو سے وہ بیمثال ہوجاتی ہے

سنو میری دلیل نمبر ا: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں فرمایا

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (سورۃ الاحزاب:۳۲)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو

ظاہر ہے حضور پرنور ﷺ کے عقد سے مشرف ہونے والی خواتین جب دوسری عورتوں کی طرح نہیں رہیں تو حضور پرنور ﷺ کو اپنے جیسا سمجھنا کتنی جرأت ہے۔

اب سنو دلیل نمبر ۲:

مگر پروفیسر صاحب فرمانے لگے، چلو رہنے دو پڑھتے ہیں۔

اسلامیات کے پروفیسر صاحب دیوبندی مکتب فکر سے متعلق تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنا واقعہ سنایا۔ کہنے لگے' ہم مسجد میں جشن نزول قرآن منانے لگے تو ایک وکیل تیمور نامی کے پاس گئے اور انھیں صدارت کے لئے کہا تو انہوں نے کہا کہ' میں قرآن کو نہیں مانتا' اس میں ربط نہیں'۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ ہم اس کا جواب نہیں دے سکے۔

اسلامیات کے پروفیسر کا قرآن پاک کے بارے میں یہ جملہ گویا ایک دھما کا تھا۔ میں نے دیکھا جیسے اسلامیات پڑھنے والے نوجوانوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے ہیں (معاذ اللہ جب اسلامیات کا پروفیسر قرآن پاک کا دفاع کرنے کے بجائے اس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والے کے سامنے ہتھیار ڈال رہا ہے تو ظاہر ہے......)

میں نے اٹھ کر کہا 'اگر کسی تیمور لنگ کو قرآن میں ربط نظر نہیں آتا تو اس کا اندھا پن ہے، میں ثابت کرتا ہوں کہ جتنا ربط قرآن پاک میں ہے ایسا دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔ آیت کا آیت سے، رکوع کا رکوع سے، واقعے کا واقعے سے، سورت کا سورت سے پھر وجہ ربط نہیں مفسرین نے دادِ تحقیق دی اور وجوہ ربط بیان کیں۔

میری دس پندرہ منٹ کی تقریر کے بعد پروفیسر نے میری بات کا 'بے ربط' سا جواب دینا چاہا تو میں پھر کھڑا ہو گیا اور دوستوں سے مخاطب ہو کر پوچھا، کیوں ساتھیو! 'میری بات کی تمہیں سمجھ آئی ہے کہ نہیں، سب نے کہا آ گئی ہے'۔ میں نے کہا اب مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ پروفیسر صاحب کو میری بات کی سمجھ نہیں آئی۔ میں یہ کہہ کر بیٹھ گیا اور پروفیسر صاحب اس پیریڈ میں پھر نہیں بولے۔

ہمارے ہاں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دیوبندی کہلوانے والے قرآن پاک کا ایسا دشمن ہو، مگر یہ دوسروں کے سامنے کی باتیں ہیں جہاں انھیں قرآن پڑھ پڑھ کر دوسروں کو حضور نبی کریم ﷺ کا گستاخ و باغی بنانا چاہتے ہیں، وہاں اگر قرآن پاک کے بارے میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کریں تو کون سنے؟ ہاں ہاں

مجھے بھی تعجب ہوا مگر حقیقت یہی ہے کہ جو حضور پرنور ﷺ کا نہیں بنا، وہ قرآن پاک کا کیا لگتا ہے اور جسے حضور ﷺ پر ایمان نہیں وہ قرآن پاک پر ایمان کیونکر رکھ سکتا ہے۔

اسی دور میں کالج ہال میں پرنسپل صاحب نے محفل میلاد منعقد کرائی اور بعد میں قیام وسلام ہوا۔ فارسی کے پروفیسر صاحب جو غیر مقلد تھے اور دیوبندی حضرات اس میں سب کھڑے ہو گئے، میں اگلے روز جان بوجھ کر لیٹ تھا کہ میرے کلاس میں جانے سے پہلے بات چھڑ چکی ہو۔ چنانچہ لڑکے پوچھ چکے تھے کہ قیام کا کیا مسئلہ ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ادب سے حکم کی تعمیل زیادہ ضروری ہے (الامــــر فـوق الادب) میرے ساتھی اللہ رکھا صاحب اور اختر صاحب کھڑے ہو گئے اور بولے کبھی کبھی ادب امر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے

پھر انھوں نے یہ شعر بھی پڑا

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

پروفیسر صاحب ادب کے فائق ہونے کی مثال، میں نے کہا، حدیبیہ میں حضور ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا میرے نام کے آگے سے 'رسول اللہ' کاٹ دو، مگر انھوں نے نہیں کاٹا۔ گویا ادب کو حکم پر ترجیح دی۔ پروفیسر صاحب کہنے لگے 'کاٹ دیتے تو بہتر ہوتا'۔

اس پر میں نے آٹھ دس منٹ تقریر کی اور پروفیسر صاحب کا پوری کلاس نے خوب مذاق اڑایا۔ میں نے یہ بھی کہا

'وہ علی المرتضیٰ جنھیں باب مدینۃ العلم کہا جاتا ہے، وہ علی المرتضیٰ جنھیں صحابہ کرام سب سے بڑا قاضی کہتے تھے، آج تک کسی نے ان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا، جی چاہتا ہے کہ ان کی بارگاہ میں عرض کروں ٹھیک ہے پوری امت میں خارجیوں کے سوا کسی نے آپ سے اختلاف نہیں کیا اور سب کو آپ کی علمی عظمت تسلیم ہے۔ مگر مبارک ہو آج آپ کا استاد پیدا ہو گیا اور وہ جناح اسلامیہ کالج میں فارسی کا پروفیسر۔

ایک اور واقعہ سنئے۔ سال سوم میں انگریزی کا پیریڈ تھا پروفیسر صاحب جو صدر شعبہ انگریزی تھے۔ مضمون کا عنوان تھا Defence of Nonsense۔ پروفیسر صاحب اس کا تعارف کراتے ہوئے فرمانے لگے

All those things that we can't understand are non-sensical. So these miracles of the Prophets and karamat of the saints, are all nonsensical. Do you agree with this definition of A nonsense, Mr. Asi.

ترجمہ: وہ تمام چیزوں جنھیں ہم نہیں سمجھ سکتے بے عقلی کی

چیزیں ہیں۔ سو معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء سب ایسی ہی ہیں۔ آسی! کیا بے عقلی کی اس تعریف سے تم متفق ہو۔

میں جواب دیا

My good Sir, this definition of nonsense is quite nonsensical.

جناب والا! بے عقلی کی یہ تعریف نری احمقانہ ہے۔

کلاس روم میں سناٹا چھا گیا۔ چند منٹوں کے بعد صدر شعبہ فرمانے لگے۔ آؤ پڑھیں

اگلے روز حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی اگوکی ریلوے اسٹیشن پر زیارت ہوئی ایک ساتھی نے یہ واقعہ سنایا۔ حضور نے فرمایا میں وہاں ہوتا تو یہی جواب دیتا۔ میں نے عرض کیا' آپ وہیں تھے اور یہ جواب آپ ہی نے دیا تھا'

(نوٹ: بعض دوستوں نے 'الحقیقہ' کا میلاد نمبر پڑھا تو مجھے حکم دیا کہ اس میں اپنی آپ بیتی بھی قسط وار شائع کرنی چاہئے۔ ان مہربانوں میں خصوصاً گرامی منزلت حضرت پیر سید صابر حسین شاہ صاحب آف اٹک مدظلہ العالی بھی نہایت ہی واجب الاحترام بزرگ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میری کچھ حقیقت نہیں۔ البتہ جو کچھ بھی ہے شیخ کریم قدس سرہ کے کرم کا اِک مختصر سا باب ہے۔ چونکہ ان کا سالانہ عرس ۲ ذوالحجہ کو آرہا ہے اسی لئے انکے حوالے سے اپنی کچھ داستان بیان کرکے تعمیل ارشاد کی گئی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

49

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لیجئے ماہ محرم (۱۴۲۶ھ) کا آغاز بھی ہو گیا۔ اسلامی تقویم کے اس اولین مہینے کو 'توحید' سے جو گہرا تعلق ہے، بالکل واضح ہے۔ ٹھیک آج سے تیرہ سو اکسٹھ سال قبل محرم کی دس تاریخ ہی تھی جب شہزادۂ رسول جگر گوشۂ بتول حضرت سیدنا امام حسین نے کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں اپنے بہتر ساتھیوں سمیت تین دن بھوکے پیاسے رہ کر جان کا نذرانہ جانِ آفرین کی بارگاہ میں پیش کیا (صلے اللہ وسلم علیٰ نبینا الکریم الامین وعلی آلہ اجمعین)

توحید کا تقاضا: توحید کا اولین تقاضا یہی تو ہے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی کی پروا نہ کی جائے اور اس کی رضا کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے تو پھر سانحہ کربلا کی عظمت کا کون انکار کرسکتا ہے جس میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ

کے پیارے نواسے علیہ الرضوان والسلام نے اپنا سب کچھ اپنے معبود برحق کی راہ میں قربان کر کے اپنے جدامجد ﷺ کی نسبت کا حق ادا کر دیا اور رہتی دنیا تک عظیم ترین قربانی کا شرف حاصل کر کے اہل نظر سے منوالیا کہ واقعی رسول اعظم ﷺ کے لختِ جگر کو 'شہید اعظم' ہی ہونا چاہئے تھا۔ 'توحید' کا یہی وہ عظیم تقاضا یا عملی سبق ہے جس کے پیش نظر میرا غریب نواز خواجہ یعنی سلطان الہند والئی اجمیر رضی اللہ عنہ یوں خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے

شاہ است حسین، بادشاہ است حسین رضی اللہ عنہ
دین است حسین دین پناہ است حسین رضی اللہ عنہ
سرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسین رضی اللہ عنہ

ترجمہ: (عارفان حق اور مقربان بارگاہ کے) بادشاہ جناب سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں (یونہی مجاہدان باطل شکن اور شہیدان راہ وفا کے) شہنشاہ (بھی) آپ ہی ہیں۔ (دین کا حسین علیہ السلام پاک سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ ان دو کو الگ نہیں کیا جاسکتا ہے) (لہذا) دین حسین ہے (اور حسین دین ہیں) (کون نہیں جانتا جب دین پر یزید جیسا دشمن دین مسلط ہو رہا تھا تو) دین کو پناہ دینے والے حضرت امام ہی ہیں علیہ السلام۔ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے اس جگر پارے نے سر کا نذرانہ تو اپنے مولا جل شانہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا مگر یزید پلید و

عنید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا۔ خدا کی قسم اس جرات مردانہ اور عزیمت یگانہ کا مظاہرہ کرکے آپ نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی عملی تفسیر پیش کردی۔ بلاشبہ توحید کا بنیادی تقاضا بھی یہی ہے۔

حکیم الامت حضرت اقبال علیہ الرحمۃ نے بھی اسی نقطہ نظر کی تائید کی ہے

بہرحق درخاک وخوں غلطیدہ است

پس بنائے لاالہ گردیدہ است

ترجمہ: محض حق کی خاطر خاک وخون میں غلطاں ہیں۔ اسی لئے (حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ کے بقول) لا الہ الا اللہ کی تفسیر کی عملی بنیاد کے مظہر یکتا بن گئے ہیں

آگے جاکے فرماتے ہیں

(۱) ماسوااللہ را مسلماں بندہ نیست

پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

(۲) خونِ او تفسیر ایں اسرار کرد

ملت خوابیدہ را بیدار کرد!!

(۳) تیغ لاچوں ازمیاں بیروں کشید

از رگِ ارباب باطل خوں کشید

(۴) نقش الا اللہ بر صحرا نوشت

سطر عنوان نجات ما نوشت

(۵) رمز قرآں از حسین آموختیم

ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

ترجمہ: (۱) مسلمان اللہ کے سوا کسی کا غلام نہیں ہوتا اور اس کا سر کسی بھی فرعون کے سامنے نہیں جھکتا۔

(۲) حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ علیہ کے خون نے ان اسرار کی تفسیر کر کے سوئی ہوئی ملت کو بیدار کر دیا۔

(۳) آپ نے لا (یعنی اللہ کے مقابلے میں کوئی کچھ نہیں) کی تلوار نیام سے کیا کھینچی معبودان باطل کا خون بہا کر انھیں ذلیل و بے قدر کر دیا

اس تخیل کو مولانا محمد علی جوہر علیہ الرحمہ نے یوں پیش کیا ہے

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(۴) رسول مکرم و معظم ﷺ کے لاڈلے فرزند نے صحرا کے سینے پر الا اللہ کا نقش لکھ کر گویا ہماری نجات کے عنوان کی سطر لکھ دی (اور واضح کر دیا کہ کوئی مسلمان دو جہان کے غم سے نجات چاہتا ہے تو اسے یہی انداز جاں سپاری و قربانی اپنانا ہوگا)

(۵) قرآن کی اصل رمز یہی ہے جو ہم شہید دشت کرب و بلا رضی اللہ عنہ کی سیرت سے سیکھتے ہیں اور انھیں کی آتش غیرت وتوحید ہے جس سے گرمی لے کر ہم ولولہ وعزم سے سرشار ہوتے ہیں۔اسی بنا پر جوش ملیح آبادی نے (حالت ایمان میں) کہا تھا

یہ صبح انقلاب کی جو ہر طرف ہے ضو
یہ جو مچل رہی ہے صبا، پھٹ رہی ہے پو
یہ جو چراغ ظلم کی تھرا رہی ہے لو
در پردہ یہ حسین کے انفاس کی ہے رو
یہ حق کے جو چھڑے ہوئے ہیں ساز دوستو
یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

یہی وہ تاباں ودرخشاں سیرت حسینی ہے جسے ایک شاعر یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے

اس کی ہمت پہ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو ناز ہے
اس نواسے پہ محمد مصطفےٰ ﷺ کو ناز ہے
سجدے اوروں کے بھی ہیں،اس کا نیا انداز ہے
اس نے وہ سجدہ کیا جس پہ خدا کو ناز ہے

خدا کو ناز ہے: ہاں ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ 'اس پہ خدا کو ناز ہے'۔ آپ نے وہ حدیث پاک تو پڑھی ہوگی جس میں عید الفطر کے لئے جانے والے روزہ داروں پر خدا کے فخر فرمانے کا ذکر ہے بلکہ روز عید الفطر کا تعارف ہی اسی حوالے سے کرایا گیا ہے

فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهَى اللّٰهُ بِهِمْ مَلٰئِكَتَهٗ فَقَالَ يَا مَلٰئِكَتِيْ مَا جَزَاءُ اَجِيْرٍ وَّفّٰى عَمَلَهٗ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: اور جب بندوں کی عید یعنی افطار کا دن ہوتا ہے، اللہ اپنے فرشتوں کے سامنے ان پر فخر و ناز فرماتا ہے سو پوچھتا ہے اے میرے فرشتو اس مزدور کا کیا بدلا ہے جو اپنا کام پورا کر دکھاتا ہے ....(الخ)

اگر ایک مہینہ روزے رکھنے اور رمضان المبارک کا قلبی احترام کرنے سے اللہ عید کے دن اپنے ان بندوں پر فخر و ناز فرماتا ہے تو جس شخصیت نے راہ مولا میں اپنے دوستوں بلکہ گھر کے جوانوں اور بچوں کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر قربان کر کے خود بھی آخر کار جامِ شہادت نوش کر لیا اور اپنی مخدرات اہل بیت کو اسیر کرانا بھی منظور کر لیا، اس پہ اس کے والدین، اس کے جد امجد حضور رسول خدا علیہ وعلٰی اہل بیتہ الصلوٰۃ والسلام کو بلکہ اس کے خالق کو فخر و ناز کیوں نہ ہوگا۔

جہاد کی فضیلت: حقیقت یہی ہے کہ 'توحید' کا اولین تقاضا جذبہ قربانی و جہاد ہے۔اس کے بغیر ایمان متحقق ہوتا ہے نہ توحید۔خود ہادی کائنات اصل موجودات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات نے فرمایا

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھے اس بات سے محبت ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر (یونہی) قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

قرآن پاک کی ان گنت آیات میں جہاد کا حکم دیا گیا اور اس کی فضیلت بیان فرمائی گئی، مگر سب سے 'افضل جہاد' کونسا (جہاد) ہے۔اس سلسلے میں محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء جو اپنے خدا کے بعد احکم الحاکمین ہیں، فرماتے ہیں۔

اَفْضَلُ الْجِہَادِ کَلِمَۃُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: سب سے بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔

اور دوسری روایت کے مطابق ایک آدمی نے عرض کیا 'ای الجہاد افضل ؟ (یعنی کونسا جہاد افضل ہے؟)

فرمایا كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ (نسائی باسناد صحیح)

ترجمہ: (افضل جہاد ہے) جابر سلطان کے سامنے حق بات کہنا۔

اگر جابر سلطان کے سامنے سچی اور انصاف کی بات کہنا ہی افضل جہاد ہے تو جو شخصیت حق کی علمبرداری کرتے ہوئے اپنی ساری متاع حیات راہ مولا میں قربان کر دے، اس کے جہاد کی عظمت وفضیلت کو کون بیان کر سکتا ہے اور کون اس کے اجر وثواب کا اندازہ کر سکتا ہے۔ بلاشبہ کسی بھی ترغیب وترہیب سے بے نیاز ہو کر اور ہر قسم کی مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے اللہ کی رضا کے لئے ثابت قدم رہنا ہی استقامت ہے تو فرمایئے جس استقامت کو شہزادہ رسول مکرم ﷺ نے گلے سے لگایا اس کی مثال تاریخ انسانی میں کہاں ہے۔ غور فرمایئے یہی استقامت ہے جو شجر توحید کا ثمرہ ہے اور یہی ہے جو اسلام کا مغز ہے۔ چنانچہ حضرت ابوعمرو یا ابوعمرہ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قُلْ لِّيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَّا أَسْئَلُ عَنْهُ أَحَدًا غَيْرَكَ

ترجمہ: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر مجھے اس کے متعلق آپ کے بغیر کسی دوسرے سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

تو فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مسلم)

ترجمہ: (زبان سے) کہہ دو میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر ڈٹ جاؤ (کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس راہ ایمان سے ہٹا نہ سکے اور کوئی حرص و ہوس تمہارے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکے کہ معاذ اللہ تمہارا عمل تمہارے ایمان کی نفی کر رہا ہو)

یہی وہ استقامت ہے جس کا ذکر اور فضل قرآن پاک میں بھی جا بجا ہے مثلاً

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○

(حٰمٓ السجدہ۔ ۳۰ تا ۳۲)

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ (اس پر مضبوطی سے) قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے مددگار ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو۔ (یہ) مہمانی (ہے) بہت بخشش والے

بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے۔

دوسرے مقام پر فرمایا

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۚ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ

(الاحقاف:۱۳،۱۴)

ترجمہ: بیشک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے نہ ان پر خوف نہ ان کو غم۔ وہ جنت والے ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، (یہ) ان کے اعمال کا انعام (ہے)

اہل استقامت: دیکھا آپ نے، یہ ہے استقامت۔ قرآن کریم میں مختلف انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی جو حکایات وارد ہیں، ان کا مرکزی نقطہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آتش نمرود میں ڈالا جانا، جناب اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح کے لئے تیار ہو جانا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا دربار فرعون میں اس کی نام نہاد 'خدائی' کے خلاف نعرہ حق، یہ سب استقامت ہی کے مختلف مظاہر ہیں۔ ان کے علاوہ اولیائے عظام کا جہاد مثلاً اصحاب کہف کا ایمان پر ثابت قدم رہنا صبر و استقامت ہی کی تفسیر ہے۔ اس کائنات میں بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا گیا، یہ بھی ان کی ثابت قدمی ہی کا ثبوت ہے۔ مگر یہ شہید کئے جانے والے

پیغمبرانِ ذی اقسام علیہم السلام وہی تھے جن کو جہاد بالسیف (تلوار سے جہاد) کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جن حضرات کو جہاد کی وحی فرمائی گئی ان میں سے ایک بھی نبی شہید نہیں ہوا کہ یہ ان کی شان کے خلاف تھا۔ اس دنیا میں ہمارے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا سے بڑھ کر کوئی بھی استقامت' کا مظاہرہ نہیں کر سکا اور نہ کر سکتا ہے۔ بلکہ جسے بھی 'استقامت' سے نوازا گیا وہ حضور پرنور ﷺ کا صدقہ تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے یہ حبیب اعظم واکرم واتم ﷺ ہر نعمت و دولت کے خازن و قاسم ہیں۔ یہ ارشادِ عالی از حد مشہور ہے

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّخَازِنٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِي (بخاری کتاب الجہاد)

ترجمہ: بیشک میں قاسم و خازن ہوں اور اللہ عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت و دولت اور عظمت و رفعت اصلاً اپنے محبوب و مطلوب ﷺ کو عطا فرمائی پھر جسے ملی، اسی آقا ﷺ کا صدقہ ملی اور اسی ﷺ کے دستِ رحمت سے ملی۔ جب نبوت و رسالت تک کے حصول میں حضور پرنور ﷺ واسطہ ہیں تو دوسرے خصائص و خصائل بعد کی چیزیں ہیں۔ لہٰذا حق یہی ہے کہ دنیا میں جب بھی، جتنی بھی اور جس کو بھی صبر و استقامت کی دولت نصیب ہوئی، اسی رحمۃ للعلمین ﷺ کے دَربارِ دُربار سے ارزانی ہوئی۔ کیا خوب فرمایا برصغیر میں علم حدیث لانے والے شیخ محقق برکۃ المصطفیٰ فی دیار الہند حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی نے

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بر دست ختم

ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام
مطلوب ذاتِ اوست دگر جملگی طفیل
مقصود نورِ اوست دگر جملگی ظلام

ترجمہ: دائرہ اسلام میں جو رتبہ بھی تھا، حضور پرنور ﷺ پر ختم ہو گیا اور اللہ کے پاس جو نعمت بھی تھی، اس کے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والسلام پر مکمل ہو گئی (یعنی ہر نعمت ساری کی ساری الوہیت کے اسی مظہر یکتا علیہ التحیۃ والثناء کو عطا ہوئی) گویا اصل مطلوب اسی سرکار دولتمدار ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے، باقی سب حضور ﷺ پرنور ہی کے طفیلی ہے اور کائنات کا اصل مقصود اسی جانِ نور ﷺ کا نور ہے، باقی نری ظلمتیں ہیں۔

چونکہ بات چل نکلی ہے، سو آیئے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بیان کی طرف کہ نبی کس طرح نبی بنائے گئے۔ وہ عالم ارواح کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

Believe me that I have seen him
and have done him reverence,
even as every prophet hath seen
him , seeing that of his God giveth
to them prophecy.

ترجمہ: یقین جانو میں نے اسے دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی

ہے جیسے ہر نبی نے اسے دیکھا ہے کیونکہ اسی کی روح کی زیارت کے سبب ہی تو خدا نے انھیں نبوت عطا فرمائی ہے۔

استقامت رحمۃ للعلمین ﷺ کی عطا: یاد رکھیں استقامت یا ایمان پر ثابت قدمی اللہ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے جیسا کہ اوپر آیات وروایات سے ثابت کیا گیا۔ اس کے حصول کا انحصار بھی اللہ رب العلمین کے فضل وکرم اور اس کے حبیب وسیلہ کونین حضور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر عنایت پر ہی ہے۔ اولاً اور اصولاً اس کے مالک، خازن اور قاسم بھی شہنشاہ مدینہ علیہ الصلوۃ والسلام ہیں خود حضور پرنور ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کا عنوان جلی یہی ہے۔ مکہ معظمہ اور طائف کے گلی کوچوں میں جو سلوک اس جان رحمت مہر منیر ہدایت ﷺ سے ہوا، کسی نبی یا رسول (علیہ السلام) سے نہیں ہوا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشکل ترین ایذا پر بھی صبر واستقامت کا لازوال مظاہرہ اسی محبوب دلنواز وجان افروز ﷺ کی نظر کرم اور تجلی رحمت کا صدقہ تھا۔ اس میں کیا شک ہے کہ اللہ اپنے ایمان والوں پر سکینہ نازل فرماتا ہے، خود اس کا اعلان مبارک ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ (الفتح:۴)

ترجمہ: وہی جس نے ایمان والوں کے دلوں میں اطمینان اتارا تاکہ انھیں یقین پر یقین بڑھے

اس کے بعد اس کے حبیب مکرم ﷺ جو اللہ کے فضل سے سکینہ بھی اتارتے ہیں اور انھیں ثابت قدم بھی رکھتے ہیں، دیکھئے حضرت عامر بن اکوع (صحابی) رضی اللہ عنہ کی فریاد بدرگاہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّکَ مَا اَبْقَیْنَا
وَاَلْقِیَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا
وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِکَ مَا اسْتَغْنَیْنَا

ترجمہ: خدا گواہ ہے یارسول اللہ اگر حضور نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ زکوۃ دیتے، نہ نماز پڑھتے تو بخش دیجئے جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں ہم حضور پر فدا، اور حضور ہم پر سکینہ اتاریں اور جب ہم دشمنوں سے مقابل ہوں تو حضور ہمیں ثابت قدم رکھیں اور ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں۔

دیکھئے صحابی اپنے آقا و مولا حضور پرنور ﷺ سے التجا کر رہے ہیں کہ سکینہ بھی نازل فرمائیں اور ثابت قدمی بھی بخشیں۔ ممکن ہے اللھم کے لفظ سے کسی کو وہم ہو کہ اللہ سے خطاب ہے حالانکہ یہاں اللھم محض برکت کے لئے ہے۔

ورنہ اللہ سے فـــداءً لک (یعنی ہم تجھ پر فدا) نہیں عرض کیا جا سکتا کیونکہ "ائمہ فرماتے ہیں کہ کسی پر فدا ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس پر اگر کوئی بلا یا تکلیف آئی ہو تو وہ اپنے اوپر لے لی جائے اور اس کی محافظت میں اپنی جان دے دی جائے تو اللہ عزوجل کو اس کلام کا مخاطب کیونکر بنا سکتے ہیں۔ رہا یہ کہ ابتدا میں اللّٰھم ہے، اس سے مقصود حضرت عزت جل جلالہ کو پکارنا نہیں (کہ یہ اللہ عزوجل سے عرض قرار پائے) بلکہ اس کے نام سے ابتدائے کلام ہے۔ (الامن والعلی)

رہ گیا یہ کہ حضور ﷺ سے ثابت قدم رکھنے کی التجا تو اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں۔ قرآن پاک کی رو سے اللہ کے فرشتے بھی مومنوں کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

(الانفال۔۱۲)

ترجمہ: جب (اے محبوب) تمھارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔

ذرا خیال فرمایئے اللہ جل مجدہ کے نائب اعظم اور اقلیم ہستی کے شہنشاہ اعظم حضور پرنور ﷺ سے ثابت قدمی عطا فرمانے کی التجا کر رہے ہیں تو ثابت ہوا کہ بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے یوں تو سب کچھ ملتا ہے مگر مانگنے کی خاص چیزوں میں نہایت اہم ثابت قدمی یعنی اہم صبر واستقامت ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی بلند کردار اور وسیع الظرف ہستیاں پہلے ہی اس سے متصف ہونے کے باوجود یہی مانگتے ہیں یعنی اس کا اعلیٰ درجہ، جیسا ہدایت کے اعلیٰ درجوں سے مشرف ہونے کے باوصف اللہ کے محبوب اور جلیل القدر بندے بھی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما، الفاتحہ۔۵) کہہ کر ہدایت و معرفت کے مزید اعلیٰ درجوں کی دعا کرتے ہیں۔سوچئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے ثابت قدمی کا سوال کیا تو انھیں اس کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ مل گیا مگر یہ سب سائل ہیں اور امام حسین علیہ السلام اس محبوب بندہ نواز ﷺ کے سائل ہی نہیں بلکہ وارث بھی ہیں اور سیرت وصورت میں مظہر یکتا بھی۔ ان پر اس سلسلے میں جو کرم فرمایا گیا، اس کی وسعتوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔

آیئے اب ایک حدیث پاک کی طرف۔ ہوا یوں کہ حضرت سیدہ خیر النساء علی ابیہا وعلیہا السلام اپنے والد کریم حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں وصال شریف سے چند روز قبل اپنے دونوں جگر پاروں کو لے کر حاضر ہوئیں اور عرض گزاریں کہ ان دونوں کو کسی چیز کا وارث بنا دیجئے ایک روایت کے مطابق سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ نے فرمایا

نَحِلْتُ هٰذَا الْكَبِيْرَ الْمَهَابَةَ وَالْحِلْمَ وَنَحِلْتُ هٰذَا الصَّغِيْرَ الْمَحَبَّةَ وَالرِّضَا

ترجمہ: اس بڑے کو میں نے ہیبت اور حلم بخش دیا اور اس

چھوٹے کو محبت ورضا۔

کون نہیں جانتا فی الواقع بڑے شہزادے جناب سیدنا امام حسن مجتبیٰ علی جدہ وعلیہ السلام ہیبت وحلم میں لاجواب تھے اوران سے چھوٹے شہزادے شہزادہ گلگوں قبا حضرت سیدنا امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام اپنے مقدس ومطہر نانا جان ﷺ کے وارث کی حیثیت سے محبت خداوندی اور مقام تسلیم ورضا میں 'لاثانی' تھے۔ حضور پرنور ﷺ کی ہیبت اور بردباری کے مظہر ہونے کی وجہ سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شان یہ تھی کہ ہر دیکھنے والا مرعوب ہوجاتا تھا اور اگر کوئی بدتمیزی سے پیش آتا تو بھی قطعاً نوٹس نہ لیتے۔ یونہی حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا وارث محبت ہونا اس بات کا متقاضی تھا کہ کسی عزیز سے عزیز کی محبت بھی اس کی راہ میں آڑے نہ آنے پائے اوراس پر سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان تک کی بازی بھی لگادی جائے۔ نیز تسلیم ورضا کی وراثت اس بات پر زور دے رہی تھی کہ راہ حق میں جو آلام ومصائب جوطوفان بھی درپیش ہوں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے، چنانچہ محبت ورضا کے پیکر جمیل نے وراثت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا حق ادا کردیا۔اس میں کیا شک ہے کہ 'توحید' کا نہایت ہی اعلیٰ درجہ یہی تھا کیونکہ

'بادوقبلہ دررہ توحید نتواں رفت راست
یارضائے دوست باید یاہوائے خویشتن

یزید پلید کیا تھا: یزید حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ الصلوۃ والسلام کی نظر میں کیا تھا،

اسے اس خطبے کی روشنی میں دیکھتے ہیں جس کے اصل الفاظ ابن اثیر میں ہیں۔ یہاں صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے

''اے لوگو! بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کی حرمتوں کو حلال کرنے والا، اس کے عہد کو توڑنے والا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کا مخالف ہو، اللہ کے بندوں پر گناہ وظلم کے ساتھ حکومت کرتا ہو، پھر وہ شخص (دیکھنے والا) طاقت پھر اپنے قول وفعل سے اس کو نہ بدلے تو اللہ کو حق حاصل ہے کہ اس دیکھنے والے کو بھی اس بادشاہ کے ساتھ عذاب میں مبتلا کر دے۔ خبردار! ان یزیدیوں نے شیطان کی فرمانبرداری کو لازم پکڑ لیا ہے، رحمٰن کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے، فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہے، اور حدود شرعی معطل کر دی ہیں، محاصل کو اپنی ذات پر خرچ کرتے ہیں، اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ اشیاء کو حرام ٹھہرالیا ہے، لہٰذا میں بہ نسبت کسی اور شخص کے (ان کے خلاف جہاد کرنے کا) زیادہ حقدار ہوں''

رخصت وعزیمت: حقیقت یہی ہے کہ یزید کے فسق پر تو تمام صحابہ کرام، تابعین یہاں تک کہ بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین اور آج تک کے تمام صوفیۂ کاملین رضی اللہ عنہم متفق ہیں بلکہ بعض نے اپنے مخصوص دلائل کی بنا پر اس پر کفرو ارتداد کا فتوی بھی لگایا ہے تاہم یہ بھی ثابت ہے کہ بعض مقدس شخصیات نے اس

کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی آخر کیوں؟ انھوں نے محض رخصت پر عمل کیا۔ یعنی اگر کوئی شخص محض جان اور آبرو وغیرہ بچانے کے لئے کلمہ کفر زبان سے ادا کر دیتا ہے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، قرآن کی رو سے ایسا جائز ہے، اسی کو رخصت کا نام دیا گیا، مگر عزیمت یہ ہے کہ جان و مال کی قربانی دے دے اور کفر کی بات زبان سے نہ نکالے۔ جن لوگوں نے اسے فاسق یا کافر جانتے ہوئے بیعت کر لی۔ انھوں نے اپنے مخصوص حالات کے مطابق یہی بہتر سمجھا اور ظاہر ہے ان کے اس عمل پر بھی کسی کو نکتہ چینی کا حق نہیں کیونکہ یہ 'رخصت' خود قرآن پاک نے دی ہے۔

ہاں عظمت 'عزیمت' میں ہے اور توحید کا اصل ظہور اسی سے ہوتا ہے، سنئے مجدد دین وملت اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کا فیصلہ۔ آپ فرماتے ہیں

''اب دو صورتیں تھیں یا بخوف جان اس پلید کی وہ ملعون بیعت قبول کی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا اگر چہ خلاف قرآن وسنت ہو، یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا قَالَ تَعَالٰی اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو) یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک بیعت نہ کی جاتی۔ یہ عزیمت تھی اور اس پر ثواب عظیم، اور یہی ان کی شان رفیع کے شایان تھی، اسی کو اختیار فرمایا'' (الحجۃ المؤتمنہ) ظاہر ہے جس شخصیت مقدسہ کو اپنے برادر اکبر سمیت زبان نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام سے یہ نوید سنائی گئی ہے کہ

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (ترمذی۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ: حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں

ایک اور روایت کے آخری حصے میں فرمایا'' یہ فرشتہ اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھ پر سلام عرض کرے اور مجھے بشارت دے

بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (ترمذی)

ترجمہ: کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

دیکھا آپ نے ،جن کے سرداران جنت ہونے کا فیصلہ رب نے فرمایا ہو،اور پھر اس عظمت کی عالم بالا میں دھوم مچی ہو۔اور فرشتے اپنے رب سے محبوب اکرم ﷺ پر سلام عرض کرنے کی اجازت ہی نہ لیتے ہوں بلکہ اس محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کی اس خوشخبری کا نذرانہ لینے کا اذن لے کر آتے ہوں،'سیادت' کے ان سزاواروں کے لئے رخصت نہیں عزیمت ہی سزاوار ہے۔اور وہ بھی ایسی جس پر خود 'عزیمت' کو ناز ہو۔تاکہ دنیا خود تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائے کہ واقعی جنت کے نوجوانوں کی سرداری اسی کو زیبا ہے جو اگلے پچھلے شہیدوں کے سردار ہیں۔ظاہر ہے شہیدوں کا سردار وہی ہو سکتا ہے جس پر سب سے زیادہ ظلم کیا گیا ہو اور جس نے سب سے زیادہ قربانی دی ہو۔تاریخ انسانی کو کھنگال کر دیکھ لو،شہادت کی داستانیں الٹ پلٹ کر کے دیکھ لو،قربانی کے واقعات کی ورق گردانی کر کے دیکھ لو،کیا نواسہ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے بڑا بھی کوئی شہید ہے۔ تحقیق کریں گے تو معلوم ہو جائے گا سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی بیمثال

قربانیاں پیش کی ہیں اور خود کربلا کے میدان میں بھی ان کے فرزندان وفا شعار نے بھی راہ حق میں اپنے عم محترم کا نہایت ہی قابل قدر اور پورا پورا ساتھ دیا تھا اور عزیمت کا حق ادا کر دیا تھا۔ چنانچہ منہال بن عمرو قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ

'جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے سر دمشق میں لائے گئے میں وہیں موجود تھا۔ امام عالی مقام کے سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، جب وہ اس آیت تک پہنچا

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۝ (الکھف۔۹)

ترجمہ: کیا تمھیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی کھوہ اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے (یعنی اصحٰب کہف کا قصہ بہت عجیب ہے)

تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک سے بزبان فصیح یہ آواز آئی

يَا تَالِيَ الْقُرْاٰنِ اَعْجَبُ مِنْ اَصْحٰبِ الْكَهْفِ قَتْلِي وَحَمْلِي (ابن عساکر۔ البدایہ والنہایہ)

ترجمہ: اے قرآن پڑھنے والے! اصحاب کہف کے قصے سے میری شہادت اور بے لاش سر کا نیزے کی نوک پر چڑھائے ہوئے شہر بہ شہر پھرانے کا اندوہ ناک افسانہ زیادہ تعجب خیز ہے

بیشک ہمارے رب نے سچ فرمایا اور ہمارے امام نے بھی سچ فرمایا۔ (رضی اللہ عنہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط

50

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے، رویت ہلال کے بارے میں ایک گفتگو کے دوران حضرت مولانا قاضی عبدالنبی کوکب علیہ الرحمہ فرمانے لگے "بعض دوسری قومیں چاند پر پہنچ بھی چکیں اور ہمارے ہاں ابھی یہ فیصلہ نہیں ہو پارہا کہ چاند نظر آیا ہے یا نہیں"۔ واقعی یہ صورت حال بڑی عجیب اور تشویشناک ہے کہ اقوامِ عالم کی رہبری کے لئے پیدا ہونے والی "خیر الامم" ظاہراً اس قعر مذلت میں گر چکی ہے کہ 'رہبری' تو کجا 'رہروی' سے بھی مایوس ہے اور منزل پر پہنچنا تو کجا منزل کے شوق سے بھی محروم ہوتی جارہی ہے۔ زمانہ سرپٹ دوڑ رہا ہے اور ہم ہیں کہ بغیر سفر کئے تھک کر چور ہوگئے ہیں، بقول حکیم الامت

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہداں کے لئے

اپنی 'قومی کسلمندی' کے اس حوصلہ شکن مظاہرے سے بھی زیادہ دردناک یا عبرتناک حال تقدیر کے ان بیٹوں کا ہے جو مدت العمر 'توحید' توحید کی رٹ لگانے کے باوجود ابھی توحید کی برکتوں سے فیضیاب تو کیا، آگاہ تک نہیں ہو سکے۔ ان کی

'غارتگر' توحید انسان کے سینے کو منور کرنے کے برعکس، اس سے رہا سہا نور بھی چھین لیتی ہے، اسے مشاہدہ و مکاشفہ سے محروم رکھتی ہے۔ 'توحید' ان کے نزدیک بدترین بے بسی کا نام ہے کہ کسی کی مدد کرنا گویا 'شرک' ہی سے ممکن ہے۔ مشکل کشائی سے ان کی توحید کو ضد ہے۔ جہاں کسی کو دور سے پکارا اگرچہ اللہ کا بندہ سمجھ کر ہی کیوں نہ ہو، وہیں ان سے ان کی توحید نے منہ پھیر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کے محبوبِ اعظم ﷺ کا واسطہ بھی پیش کیا جائے تو اس توحید پر نزع کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ ادھر یہ اندھی بہری اپاہج توحید ہے جو تقریباً دو صدیاں پہلے "انگریز ابلیس گٹھ جوڑ" سے معرض وجود میں آئی اور ایک وہ توحید ہے جسے اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم و اکرم و افخم ﷺ اپنے رب سے سیکھ کر لائے اور ساتھ ہی فرما دیا

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اِلَيْكُمْ لَيْسَ بِوَهْنٍ وَّلَا كَسَلٍ لِيُحْيِيَ قُلُوْبًا غُلْفًا وَّيَفْتَحَ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّيُسْمِعَ اٰذَانًا صُمًّا وَّيُقِيْمَ اَلْسِنَةً عُوْجًا حَتّٰى يُقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ

(الدارمی فی سننہ بسند صحیح)

ترجمہ: بیشک تشریف لایا تمھارے پاس وہ رسول جو تمھاری طرف بھیجا ہوا جو ضعف و کاہلی سے پاک ہے تاکہ وہ (رسول) زندہ فرما دے غلاف چڑھے دل اور وہ (رسول) کھول دے اندھی آنکھیں اور وہ (رسول) شنوا کر دے بہرے کانوں کو اور وہ (رسول) سیدھی کر دے ٹیڑھی زبانوں کو یہاں تک کہ لوگ

کہہ اٹھیں، ایک اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں (الامن والعلیٰ)

حضور پر نور ﷺ غلاف چڑھے دل کو زندہ کرنے لئے تشریف لائے ہیں تو سوچیے یہ دل زندہ کیا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے اسی سلسلے میں حضرت حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کردوبارہ
کہ یہی امتوں کے مرض کہن کا چارہ !!

پھر جب دل زندہ ہو تو اس کی وسعت کا حال حدیث قدسی سے پوچھیے ارشاد ہوتا ہے

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا یَسَعُنِیْ سَمَائِی وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ (احیاء العلوم)

ترجمہ: میرے جلوے زمین میں سماتے ہیں نہ آسمان میں، ہاں اپنے بندہ مومن کے دل میں سما جاتے ہیں

حضرت مولانا روم رحمہ القیوم نے اس کی شرح یوں بیان کی ہے۔

گفت پیغمبر ﷺ کہ حق فرمودہ است
من نگنجم ہیچ در بالا و پست
نے زمین و آسمان و عرش نیز
من نگنجم تو یقیں داں اے عزیز
در دل مومن بگنجم ویں عجب
گر ہمی خواہی ازیں دلہا طلب

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے ”میں کسی

اونچی نیچی جگہ میں نہیں سماتا، آسمان اورزمین تو کجا، عرش میں بھی
نہیں سماتا، ہاں سماتاہوں تواپنے بندہ مومن کے دل میں سماتاہوں،
اگرتو مجھے تلاش کرناچاہے۔تواسی قسم کے دلوں سے تلاش کر۔

دیکھی ان دلوں کی کیفیت جن کوحضور پرنور ﷺ نے زندہ فرمادیا ہے،
میں ۱۹۵۸ء میں سال سوم کا طالبعلم تھاجب ایک غزل میں یہ شعرکہا تھا

نہ ہوزندہ تودل کوقطرہ خوں سے بھی کم سمجھو
مگرہوتو محیط وسعت کون ومکاں بھی ہے

مگرمیری اور میرے شعرکی حیثیت ہی کیا ہے' آیئے حکیم الامت کے
فرمان سے لطف اندوز ہوں

چہ عجب اگر دوسلطاں بولایتے نہ گنجند
عجب ایں کہ می نہ گنجد بدوعالمے فقیرے

ترجمہ: اس پہ کیاتعجب کہ دوبادشاہ ایک ملک میں نہیں سماتے،
حیرت انگیز بات تویہ ہے کہ ایک فقیردوجہان میں نہیں سماتا۔

خیرمقصدتویہ دکھاناتھاکہ محبوب اکرم ہادی اعظم ﷺ دلوں کوزندہ کر
کے انھیں کن وسعتوں سے نوازتے ہیں۔یہی حال کانوں کوشنوااورآنکھوں کوبینا
کرنے کا ہے۔ظاہرہے عام شنوائی وبینائی کے اعتبار سے مسلمان اورکافرمیں کیا
فرق ہے۔ظاہرکی صورت حال تویہ ہے کہ کبھی ایک کافرایک عام مسلمان سے زیادہ
سنتادیکھتاہے توپھرحضور پرنور ﷺ کے لطف وکرم اورانقلاب وفیض کوظاہرپرہی

محمول کیا جائے تو حدیث پاک کا مفہوم کیا رہ جائے گا۔ یقیناً الصادق اور الامین ﷺ کی بات خلافِ واقعہ نہیں ہو سکتی تو ماننا ہوگا وہ لوگ جو حضور پرنور ﷺ کی نگاہ خاص سے فیضیاب ہوتے ہیں، ان کا دل، ان کی سماعت اور ان کی بصارت غیر محدود ہو جاتی ہے، اتنی غیر محدود کہ یہ عالم عناصر اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آیئے اس کی وضاحت ایک روایت سے کرتے ہیں، ایک ایسی روایت جسے حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے کشف المحجوب میں، حضرت مولانا روم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں، امام سیوطی نے جامع کبیر میں اور کہتے ہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں (جسے مفتی حضرت قبلہ مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق کے مطابق مولانا وکیل احمد سکندر پوری علیہ الرحمہ نے حیدر آباد سے حاصل کر کے اس کی شرح الدرالازھر شرح فقہ اکبر لکھی تھی) درج کیا۔ روایت یہ ہے کہ حارث ابن نعمان یا حارثہ ابن نعمان بیان کرتے ہیں۔ ''ایک بار میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار ﷺ نے پوچھا 'اے حارث! تم نے کس حال میں دن پایا، میں نے عرض کیا 'سچا مومن ہو کر' فرمایا تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ میں نے عرض کیا

وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَىٰ عَرْشِ رَبِّي بَارِزًا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَىٰ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَىٰ أَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ فِيْهَا

ترجمہ: میں گویا عرش الٰہی کو ظاہر اً دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل جنت

کو جنت میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور
دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھ رہا ہوں۔

احادیث مثنوی میں یہی واقعہ احیاء علوم الدین اور اسد الغابہ کے حوالے سے دیا گیا ہے۔ بعض روایات کے مطابق آخر میں حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ الْاِیْمَانَ فِیْ قَلْبِهٖ

(احادیث مثنوی بحوالہ احیاء العلوم، اسد الغابہ)

ترجمہ: یہ ایک بندہ ہے جس کے دل میں اللہ نے ایمان کا نور روشن کر رکھا ہے۔
جنت و دوزخ کو بلکہ عرش عظیم کو پوری وسعتوں کے ساتھ کھلم کھلا دیکھنے کو حضور پرنور ﷺ نے دل کے نور ایمان سے روشن ہونے کی علامت قرار دیا مگر چودھویں اور پندرھویں صدیوں کے مجتہدین کے نزدیک یہ شرک ہے۔ ببیں
تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اب اس میں کیا شک رہ گیا ہے کہ اللہ کے حبیب اکرم و مکرم ﷺ انسانوں کے دل و دماغ بلکہ سمعی و بصری بلکہ تمام صلاحیتوں میں غیر معمولی وسعتیں پیدا کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ یہ حدیث پاک جو حدیث پاک کی تقریباً گیارہ کتابوں میں آئی ہے اور ممکن ہے اسی مضمون میں بھی قارئین نے ایک سے زیادہ بار اسے دیکھا ہو، اسی حقیقت کی بین دلیل ہے۔ یہاں روایت بخاری کا ترجمہ دیا جاتا ہے

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' رب کریم کا ارشاد ہے جس

نے میرے کسی دوست کو تکلیف دی میری طرف سے اس کے لئے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ پیارے فرائض ہیں جو میں نے اس پر عائد کئے ہیں اور وہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرے قرب کے حصول میں کوشاں رہا یہاں تک کہ میں نے اسے محبوب کیا اور جب میں نے اس کو محبوب بنالیا تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ سنتا ہے اور بصارت بنتا ہوں جس کے ذریعہ وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو ضرور بالضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے طلب مغفرت کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کر دیتا ہوں اور کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں کرتا جو تردد اس مومن کے بارے میں ہوتا ہے جو موت پسند نہیں کرتا۔ میں اس کی ناپسندیدگی کو پسند نہیں فرماتا لیکن موت سے اس کو چھٹکارا نہیں۔ (بخاری۔مشکوٰۃ)

گویا قرب خداوندی کے حصول کی دوصورتیں ہیں

۱۔فرائض کی پابندی ۲۔نوافل کی کثرت

سب سے زیادہ قرب کا حصول فرائض کی پابندی ہی سے ممکن ہے۔رہ گئی

کثرت نوافل تو اس کے ذریعے جو بندہ خدا کا محبوب بنتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نور جلال اس کی سماعت و بصارت میں آ جاتا ہے اور وہ اسی نور سے قریب وبعید کی آوازیں سنتا اور قریب و بعید کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ یہی نور اس کے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ قریب و بعید کی چیزوں میں تصرف بھی فرماتا ہے۔ اب خیال فرمایئے، ایک شخص خرد بین، دور بین یا دوسرے سائنسی آلات سے دیکھتا ہے تو اسے کیا کچھ نظر نہیں آتا، بعض دور بینوں سے تو ستاروں کی رفتار تک کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اگر سائنسی تحقیق کے ذریعے معرض وجود میں آنے والی ایجادات میں یہ قوت ہے کہ باریک سے باریک اور دور سے دور کی چیز دکھا سکتی ہیں تو اللہ کے نور کی قوت کو کون بیان کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہونے والے مشاہدات کی حد کیا ہو سکتی ہے۔ ذرا سوچئے ٹی۔وی کے ذریعے لاکھوں میل دور کا منظر دیکھنے اور ریڈیو کے ذریعے لاکھوں میل دور کی آواز سننے سے توحید پر کوئی چرکا نہ آئے مگر اللہ کے نور جلال سے قریب و دور کی اشیاء کا مشاہدہ کرنے سے توحید چور چور ہو جاتی ہو تو یہ کیسی توحید ہے۔ سائنسدان اگر سائنس کے زور سے قریب و دور کا مشاہدہ کرائیں تو توحید میں کوئی فرق نہ آئے اور توحید لانے والا محبوب ﷺ جو دلوں کو زندہ، کانوں کو شنوا اور آنکھوں کو بینا کرنے کے لئے ہی آیا ہے، اگر کسی امتی کو فرائض یا نوافل کی کثرت سے خدا تک پہنچا کر اسے اس کے نور سے کوئی آواز سنا دیں، کوئی چیز دکھا دیں یا قریب و دور پر تصرف عطا فرما دیں تو 'توحید' چیخ اٹھے اور 'فریاد فریاد' کا شور مچانے لگے، کتنی عجیب بات ہے یہ اور کیسی شیطانی توحید ہے یہ! ارے سائنس کی ایجادات

پر'ایمان' ہو اور خدا کے نور پر نہ ہو، سائنسدان کے فیوض کا اقرار ہو اور سید الانبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی برکات کا انکار ہو تو بتاؤ تم نے 'کلمہ توحید' کا کیا مفہوم لیا۔ حق یہی ہے کہ تم اپنی تاریک، گمراہ، ناقص و کج فہم عقل پر ایمان لائے ہو، اللہ قادر مطلق اور اس کے حبیب یکتا علیہ التحیۃ والثناء پر تمھیں قطعاً ایمان نہیں۔ ہاں ہاں اگر تم قیامت کو صدق دل سے مانتے تو شیطان کے ایسے فرمانبردار نہ ہوتے جو تمھیں سائنس کا غلام اور نبوت کا باغی بنا چکا ہے۔ حق فرمایا ہے حق تعالیٰ نے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (البقرہ۔۸)

ترجمہ: اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں

حقیقت یہ ہے کہ سائنسدانوں کا سارا علم اور سائنس کی ساری ترقی بھی قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی مرہون منت ہے۔ فکر و نظر کی روشنی کے جتنے مظاہر بھی آج نظر آتے ہیں، طلوع اسلام کے بعد ان کا آغاز ہوا۔ جہاں جہاں قرآن کا نور پہنچتا گیا، وہم و گماں کے اندھیرے چھٹتے گئے اور حضور پرنور ﷺ نے آنکھوں اور کانوں کی جس بینائی اور شنوائی کا ذکر فرمایا، یہ محض اس کی بالکل ابتدائی اور سطحی شکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سائنسدان قرآن اور اسلام کے اس عالمگیر اور ہمہ گیر فیض کو تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔ ایک عام آدمی کا مسلمان ہونا اچنبھے کی بات نہیں، مگر ایک سائنسدان کا دین حق

قبول کرنا یقیناً اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جو سائنس کتاب وسنت میں ہے اس کی انتہا نہیں۔ اس سلسلے میں قرآن پاک نے انسان کامل وعالم کی قوتوں کا جو تصور دیا ہے، وہ اس سائنس کے دور میں کتنا عظیم اور ارفع واعلیٰ ہے، اسے سمجھنے کے لئے سورۃ النمل میں ملکہ بلقیس کا تخت لانے کا جو واقعہ مذکور ہے اس پر غور کیجئے۔ پہلے قرآن پاک کے الفاظ لیجئے

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ج وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ط فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ قف صلے (النمل:۱۷)

ترجمہ: سلیمان نے کہا "اے اہل دربار، تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں، جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا، میں اسے حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار ہوں جس شخص کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ بولا" میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں۔" جونہی کہ سلیمان نے

وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا، وہ پکار اٹھا، یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں۔

فاصلہ کس قدر تھا اور صورت حال کیا تھی، مولانا مودودی فرماتے ہیں

'بیت المقدس سے سبا کے پایہ تخت مارب کا فاصلہ پرندے کے اڑان کے لحاظ سے بھی کم از کم ڈیڑھ ہزار میل کا تھا۔ اتنے فاصلہ سے ایک ملکہ کا عظیم الشان تخت اتنی کم مدت میں اٹھالانا کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا تھا، خواہ وہ عمالقہ میں سے کتنا ہی موٹا تازہ آدمی کیوں نہ ہو۔ یہ کام تو آجکل کا جٹ طیارہ بھی انجام دینے پر قادر نہیں۔ مسئلہ اتنا ہی نہیں ہے کہ تخت کسی جنگل میں رکھا ہوا اور اسے اٹھالایا جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تخت ایک ملکہ کے محل میں تھا، جس پر یقیناً پہرہ دار متعین ہوں گے اور وہ ملکہ کی غیر موجودگی میں ضرور محفوظ جگہ رکھا گیا ہوگا۔ انسان جا کر اٹھالانا چاہتا تو اس کے ساتھ ایک چھاپہ ماردستہ ہونا چاہئے تھا کہ لڑ بھڑ کر اسے پہرہ داروں سے چھین لائے۔ یہ سب کچھ آخر دربار برخاست ہونے سے پہلے کیسے ہوسکتا تھا۔ اس چیز کا تصور اگر کیا جاسکتا ہے تو ایک حقیقی جن ہی کے بارے میں کیا جاسکتا ہے'۔ (تفہیم القرآن ج:۳ص۵۷۶)

آگے جا کے مولانا فرماتے ہیں۔

'جن اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں میں اٹھا
لانے کا دعویٰ کر رہا تھا، یہ شخص علم کی طاقت سے اس کو ایک
لحظہ میں اٹھا لایا' ص (۵۷۷)

عقائد کی کتابوں میں بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ کرامات الاولیاء معجزات الانبیاء کہ اولیا کی کرامتیں (ان کے) نبیوں کے معجزات ہوتے ہیں۔ گویا حضرت آصف بن برخیا کی یہ کرامت بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھی۔ آخر یہ معجزہ کیوں دیا گیا، مودودی صاحب کے الفاظ میں سنئے

حضرت سلیمان علیہ السلام تبلیغ کے ساتھ ساتھ ملکہ اور اس کے درباریوں کو ایک معجزہ بھی دکھانا چاہتے تھے تا کہ اسے معلوم ہو کہ اللہ رب العلمین اپنے انبیاء کو کیسی غیر معمولی قدرتیں عطا فرماتا ہے اور اسے یقین آجائے کہ حضرت سلیمان واقعی اللہ کے نبی ہیں۔ (ص ۵۷۵)

ہاں ہاں سائنسدان کے جملہ کمالات قرآن پاک کے انقلابی پروگرام کا نہایت ابتدائی قدم ہیں، ورنہ جوں جوں کسی کا صاحب قرآن سے قرب وربط اور قرآن پاک سے شغف بڑھتا جاتا ہے، اس کے علم اور مشاہدے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت اقبال اپنے متعلق فرماتے ہیں

می شود پردہ چشم پر کاہے گاہے!
دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے

ترجمہ: کبھی تو ایک معمولی تنکا میری آنکھوں کے لئے پردہ بن

جاتا ہے اور کبھی میں ایک نگاہ سے دونوں جہان دیکھ لیتا ہوں

سائنسدان خردبین، دوربین وغیرہ سے جو کچھ بھی دیکھتا ہے، اسے غیب اور ضمیر تقدیر نہیں کہا جا سکتا ہے، زندہ دل جو عشق مصطفےٰ اور فیض مصطفوی ﷺ سے زندہ ہوا ہے، اس کا مشاہدہ اس کے مقابلے میں از حد وسیع ہوتا ہے۔

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر!

مردمومن کو اس کا مقام یوں سمجھاتے ہیں۔

ترے علم و محبت کی نہیں ہے ابتدا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی
خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے!

باقی رہ گئی موجودہ دور کی ترقی یافتہ اقوام کی ترقی، تو اس سلسلے میں حضرت حکیم الامت کا فرمان سن لیجئے۔

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

افسوس دور حاضر کا کم نظر بلکہ "بے نظر" توحیدی فیضان سماوی سے محروم

قوموں کی ظاہری چکا چوند سے تو مرعوب ہے مگر دہ خدا رسیدہ حضرات جو اس فیضان سماوی سے مالا مال ہیں ان کے کمالات وتصرفات کا منکر ہے، یعنی خدا اپنے بندوں پر جو فضل فرماتا ہے اور انھیں جن خصوصی کمالات سے نوازتا ہے، انھیں شرک سمجھتا ہے، فرمایئے، یہ اس کی توحید دشمنی ہے یا توحید۔ اب کیا شک رہ گیا ہے کہ اس کا دعویٰ ایمان وتوحید محض فریب ہے، ورنہ اس کا قرآن سے تعلق ہے نہ توحید سے۔

سچ فرمایا اللہ نے

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؁ (البقرہ۔۹)

ترجمہ: فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انھیں شعور نہیں۔

یقیناً اس سے بڑا کافرکون ہوگا جو سائنسدان کے کمالات پر تو 'ایمان' رکھتا ہے مگر اس (سائنسدان) کے خالق کے فضل عظیم اور اس کی نوازشات کا منکر ہے۔ اپنے اس 'کفر' کے باوجود خود کو مسلمان سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو مشرک گردانتا ہے۔

اب آیئے ایک عبرتناک روایت کی طرف

عن حذيفة ابن اليمان قال قال رسول الله ﷺ ان مماتخوف عليكم رجل قراء القران حتى اذا رويت بهجته عليه و كان رداء ه الا سلام ، اعتراه الى ماشاء الله انسلخ منه و نبذه وراء ظهره وسعى على جاره بالسيف ورما ه بالشرك قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَيُّهُمَا اَوْلٰى بِا لشِّرْكِ الْمَرْمِىُّ او الرَّامِىُّ قَالَ بَلِ الرَّامِىُّ

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۹، مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہارے بارے میں مجھے جن چیزوں کا خدشہ ہے ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جو قرآن (بہت) پڑھے گا حتی کہ اس پر قرآن کی رونق صاف نظر آنے لگی اور اس کا اوڑھنا بچھونا بھی اسلام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے کسی ایسے عیب میں مبتلا کردے گا کہ قرآنی اثرات اس سے جدا ہوجائیں گے۔ پھر وہ آدمی قرآن کو پس پشت ڈال کر اپنے قرب وجوار کے مسلمانوں کو مشرک قرار دے گا اور ان کے قتل کے درپے ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔ میں نے سوال کیا "یا رسول ﷺ ان دونوں میں سے فی الواقع مشرک کون ہوگا، مشرک کہنے والا یا وہ جسے مشرک کہا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' دوسرے کو مشرک کہنے والا خود مشرک ہوگا'۔

سنا آپ نے اللہ کے بعد سب سے بڑے حاکم وہادی حضور پرنور ﷺ کا فیصلہ، سوال یہ تھا مشرک کون ہوگا جو دوسرے مسلمانوں کو مشرک کہتا ہے یا خود مشرک کہنے والا، حضور پرنور ﷺ نے دوٹوک انداز میں فرمادیا مشرک وہ نہیں جنھیں یہ مخصوص توحید والا مشرک کہہ رہا ہے بلکہ یہی مخصوص توحید والا خود مشرک ہوگا۔ کیا ہی سچا فیصلہ فرمایا سچے اللہ کے رسول ﷺ نے۔ اس کا اللہ پر یہ ایمان نہیں کہ وہ کسی کو دور سے سننے، دیکھنے اور مدد کرنے کی طاقت دے سکتا ہے ہاں ہر سائنسدان اور اس کے ایجاد کردہ آلے پر ایمان ہے، معاذ اللہ

مدد کی بات آئی ہے تو مسلمانوں کو مشرک کہنے والے اصل مشرکوں کے طرزِ فکر پر غور کیجئے اور سوچئے کہ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فیصلہ فرمایا ہے۔ مثال دے کر عرض کرتا ہوں زید کہتا ہے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ایاک نستعین (اے اللہ! ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کا یہی تقاضا ہے کہ مدد کرنا اللہ ہی کا خاصہ ہے۔ پھر پوچھا جاتا ہے رات دن لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اس کی حیثیت کیا ہے، زید کہتا ہے، ہاں زندہ آدمی دوسرے کی مدد کر سکتا ہے، یونہی تحت الاسباب مدد کی جاسکتی ہے، فوق الاسباب نہیں، بکر کہتا ہے بیشک ایک اللہ ہی حقیقت میں مددگار ہے۔ اس کے سوا کوئی زندہ مدد کر سکتا ہے نہ مردہ، اس کے فضل کے سوا نہ تحت الاسباب مدد ہو سکتی ہے نہ فوق الاسباب۔ ہاں اللہ چاہے تو زندہ سے مدد کرا دے یا مردہ سے، وہ قادرِ مطلق ہے جس کو چاہے مددگار بنا سکتا ہے، چنانچہ اس کے فضل سے جیسے تحت الاسباب مدد ہو سکتی ہے، ویسے ہی فوق الاسباب ہو سکتی ہے، یہ کہنا کہ اللہ کے سوا ہر زندہ انسان خود مدد کر سکتا ہے اور تحت الاسباب مدد ممکن ہے، بیشمار خداؤں کی خدائی کا اقرار ہے۔ حق یہ ہے کہ اللہ حقیقی مددگار ہے اور اس کے سوا زندہ یا مردہ کوئی بھی حقیقی مددگار نہیں۔

انصاف کیجئے زید شرک کر رہا ہے یا بکر۔ یقیناً زید مشرک ہے کیونکہ اس نے اللہ کے سوا ہر زندہ انسان کو بھی مددگار سمجھ لیا ہے اور بکر موحد ہے کیونکہ اس کے نزدیک مددگار صرف اللہ ہی ہے، مخلوق کی مدد اس کے فضل سے ہے اور اسی ایک حقیقی مددگار کی مدد کی ظاہری صورت ہے۔ وہ نہ چاہے تو کوئی زندہ بھی مدد نہیں کر سکتا، اور وہ چاہے تو مردے کو بھی مددگار بنا دے۔ وہ نہ چاہے تو تحت الاسباب مدد بھی ناممکن اور چاہے تو فوق الاسباب بھی ممکن۔ اس کے سوا حقیقی مددگار کوئی نہیں اس کے

لئے تو یہی ایاک نستعین (ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کافی ہے اور اس کے فضل سے مدد کرنے والوں کا ثبوت بھی متعدد آیات میں مل جاتا ہے مثلاً

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا.......الخ

(المائدہ۔۵۵)

ترجمہ: تمھارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں۔

غور فرمایئے اللہ مددگار حقیقی ہے اور اس کے فضل سے اس کے رسول بھی مددگار ہیں۔ چونکہ ان کی مدد رسول کی حیثیت سے ہے لہذا جب تک رسول ہیں۔ اپنی امت کے مددگار ہیں۔ دنیا میں جلوہ گر تھے تو بھی رسول تھے اور مددگار، اب عالم برزخ میں جلوہ فرما ہیں تو بھی رسول اور مددگار ہیں۔ یونہی ایمان والے جب تک ایمان والے ہیں، مدد کریں گے۔ دنیا میں ہوں کہ آخرت میں غوث اعظم ہوں کہ داتا گنج بخش، مجدد الف ثانی ہوں کہ شاہ لاثانی رضی اللہ عنہم دنیا میں بھی مددگار تھے اور اب برزخ میں بھی مددگار ہیں۔ چنانچہ کفار کے غلبے والی بستیوں کے کمزور مسلمانوں کی دعا کا آخری حصہ

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ○ (النساء:۷۵)

ترجمہ: اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے

اللہ قادر مطلق ہے جسے چاہے ولی و نصیر و مددگار بنا دے، خواہ دنیا میں رہنے والوں میں خواہ قبر میں بسنے والوں کو۔ یہ خیال کہ وہ اہل برزخ کو مددگار نہیں

بنا سکتا، معاذ اللہ اس کی قدرتِ مطلقہ کے خلاف بغاوت ہے۔ مخلوق میں سے جو فرد بھی کسی کی مدد کرتا ہے، وہ اسی کے فضل اور قدرت سے کرتا ہے، اپنے آپ کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا، نہ زندہ، نہ مردہ۔ حق یہ ہے کہ حقیقی زندہ بھی وہی ہے، ہماری زندگی فانی اگر کوئی سوچے تو قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، دوسرے لفظوں میں ہم زندہ ہو کر بھی تقدیر خداوندی کے سامنے مردہ ہیں۔ اگر اتنی سی بات کو سمجھ لیا جائے تو یہ تفریق بالکل جاہلانہ نظر آئے گی کہ زندہ تو مدد کر سکتا ہے، مردہ نہیں کر سکتا۔

اب میں ایک اور جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، کیا کبھی آپ نے داتا گنج بخش قدس سرہ کے دربار میں سکھوں کو اور ہندوؤں کو نہیں دیکھا۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے ایک ایسے سکھ کو جو لاہور سے قیام پاکستان کے وقت بھارت چلا گیا تھا، اسے یہاں دیکھا اور اس نے یہ اعتراف کیا کہ ہمیں جب بھی کوئی ضرورت پڑتی تھی، ہم داتا صاحب کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ اس قسم کی بیشمار گواہیاں آپ کو حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت نظام الدین اولیا، حضرت مجدد الف ثانی قدست اسرارھم کے مزارات پر مل جائیں گی۔ شاید آپ کو یاد ہو، چند سال قبل اخبارات میں یہ خبر آئی تھی کہ ایک مردہ بچی کلیر شریف میں حضرت علی احمد صابر قدس سرہ کے مزار پر انوار پر زندہ ہو گئی تھی۔ یہ اسلام کے زندہ معجزات اور اس کی حقانیت کے روشن دلائل ہیں، اور کئی خوش نصیب ایسے مواقع پر دین حق کو قبول کر کے مسلمان ہو بھی جاتے ہیں۔ یقیناً ایسے مواقع پر ہمیں خاکسار ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ بھی وہی جملہ ارشاد فرماتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف برخیا کے تخت لانے پر فرمایا تھا یعنی

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ

یہ میرے رب کے فضل سے ہوا ہے

ایک یہ ردِ عمل ہے کہ اللہ کا حبیب مکرم ﷺ بھی خوش ہے اور اس کی ساری امت بھی خوش ہے، اور دوسرا ردِ عمل یہ ہے کہ ایسے واقعات پر یار لوگوں کی توحید ذبح ہوئی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایسے واقعات کا بطور واقعہ بیان کرنے پر بھی پابندی لگادی جاتی ہے۔ قرآن پاک کا ایک اور فیصلہ سن لیجئے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرہ۔۱۵۴)

ترجمہ: اور نہ کہا کرو انھیں جو قتل کیے جاتے ہیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے

اب اگر کسی شہید کا مزار کھل جائے اور اس کا کفن تک میلا نہ ہو تو یقیناً یہ قرآن پاک کی صداقت کی دلیل اور اسلام کا زندہ معجزہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے اس کو دیکھ کر کوئی سائنسدان بھی مسلمان ہو جائے مگر کیا کریں اس قسم کے کسی واقعے سے خوش ہونے کے برعکس مخصوص قسم کی 'توحید' نے یار لوگوں کو اتنا مسموم کر دیا ہے کہ اسلام کے اس معجزے سے مرے جاتے ہیں۔ ایمانداری سے سوچئے، ایسا کیوں ہے، اس لئے کہ سینے میں ایمان نہیں، 'توحید' تو ہے مگر ایسی جس کا قرآن یا صاحب قرآن ﷺ سے کوئی تعلق نہیں، ایمان یا توحید سینے میں ہوتی تو پھولے نہ سماتے ایمان والوں نے اس آیت کو کس طرح سمجھا، لیجئے تفسیر مظہری کا ایک جملہ جو حیات شہدا کی اسی آیت کی تفسیر میں ہے، ملاحظہ فرمائیے

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي لِاَرْوَاحِهِمْ قُوَّةَ الْاَجْسَادِ فَيَذْهَبُوْنَ مِنَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَالْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَاءُوْنَ وَيَنْصُرُوْنَ

اَوْلِیَاءَ ھُمْ وَیُدَمِّرُوْنَ اَعْدَاءَ ھُمْ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو جسموں کی قوت عطا فرما دیتا ہے۔ وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں، اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

یہی حال اولیاء اللہ کے مزارات مقدسہ کا ہے۔ کبھی کوئی کسی وجہ سے کھل گیا، تو دیکھا گیا کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی تلاوت میں مشغول ہے، کوئی آرام فرما ہے مگر کفن تک سلامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومنین کاملین کی زندگی بھی دوسروں سے منفرد ہوتی ہے اور موت بھی۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَّحْیَاھُمْ وَمَمَاتُھُمْ سَاءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ○ (الجاثیہ۔۲۱)

ترجمہ: کیا جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں ان جیسا کردیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ اِن کی اُن کی زندگی اور موت برابر ہو جائے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں

قرآن پاک کا یقیناً یہی فیصلہ ہے کہ مومن و کافر زندگی میں برابر ہیں اور نہ موت میں، مگر جو بدنصیب عام انسان اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک جیسا دیکھنے کے عادی ہیں، انھیں مومن اور کافر کی زندگی میں اور پھر یونہی موت میں کیا فرق نظر آئے گا۔ حق یہ ہے کہ عقیدۂ نبوت کی بنیاد ہی اس سوچ پر ہے کہ نبی اور غیر نبی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ حضرت مولانا روم اور سیدنا مجدد الف ثانی ہی نہیں

سمجھتے تھے۔ معجزات کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ ان کی آسمانی واعلیٰ شان ظاہر ہو اور یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ نبی بھی عام انسانوں کے درجے میں ہے۔ پھر جب کافر معجزات دیکھ کر بھی اس حقیقت کے قائل نہ ہوئے تو عذاب میں مبتلا کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ واقعی یہ بات اللہ کی غیرت کے خلاف ہے کہ اس کے خلیفہ ونمائندہ ومحبوب عام لوگوں کی طرح معمولی انسان ہی سمجھا جائیں۔ اب رحمۃ للعلمین ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے لہذا ان کے صدقے میں وہ عذاب تو نہیں آسکتا تاہم یہ فکر تاریک اسی عذاب کی مستحق ہے۔

ہاں ہاں، یہ فکرِ قبیح کفر کی بنیاد ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے کمالات نہ ماننے والا چونکہ اسے بالکل اپنی طرح سمجھتا ہے اس لئے جو کمال خود اسے حاصل نہیں ہوئے، مثلاً علم غیب، نزدیک ودور تصرف میں آنا، دور سے فریاد سننا یا دور کی چیزوں کو دیکھنا، تو نبی کو بھی معاذ اللہ ان کمالات سے بیگانہ سمجھ بیٹھتا ہے اور اگر کافر منافق کے لبادے میں ہے تو اپنے اس کفر کو توحید کا نام دے دیتا ہے اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ ایسے کمالات خداوند کریم سے مخصوص ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان جو انسانی عقول وافہام سے وراء الوراثم وراء الوراثم وراء الوراء ہے، کی معرفت کا سب سے اہم ذریعہ نبی وخلیفۂ ربانی کے کمالات ہی ہوتے ہیں۔ اور جب کافر بالخصوص منافق نبی ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کا باغی ومنکر ہو تو اس کے غلاموں یعنی عام اولیاء کرام کے کمالات کو کیونکر تسلیم کر سکتا ہے۔